*

سلسلۂ نصابیات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

(انٹرمیڈیٹ کے لئے)

تاریخ یورپ

(دورِ جدید)

(حصۂ دوم)

مصنفۂ

اُلیور تھیچر پی ایچ۔ڈی اور فرڈیننڈ شیول پی ایچ۔ڈی

مترجمۂ

تلمذ حسین ایم۔اے

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۱ھ م ۱۳۳۲ف م ۱۹۲۳ع

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

تنقید ناظر مذہبی

اِس حصّہ میں عیسائی مصنّف نے ترکوں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہیں کہیں اپنے مذہبی و قومی تعصب سے بھی کام لیا ہے۔ جا بجا تُرکوں کے واقعات بھی بدنما کرکے دکھائے ہیں۔ یونان پر ترکوں کی حکومت کو "قابلِ نفرت غلامی" سے تعبیر کیا ہے (ص ۲۹۵) اور پھر دُوسرے فقرہ میں تعجب کیا ہے کہ "ایک عیسائی قوم مُسلمانوں کے خلاف لڑ رہی تھی مگر مدّت تک یورپ کی حکومتوں نے اس کشمکش میں کوئی شرکت نہیں کی۔"

اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مؤلّف کے خیالات اِس باب میں کیا ہیں؟ طلبہ کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْر۔

ناظر مذہبی

فہرست مضامین

(*)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ یورپ

حصۂ دوم

دورِ جدید

تمہید

دور جدید تقریباً سنہ ۱۵۰۰ء سے شروع ہوتا ہے

کتاب کے اس نئے حصے میں ہمارا کام یہ ہے کہ یورپ نے دور جدید میں جو نشو و نما اور ترقی حاصل کی ہے، انھیں سلسلہ وار بیان کریں۔ ازمنۂ وسطے کی طرح دور جدید بھی تاریخ کا کوئی معینہ جزو نہیں ہے، جو ایک وقت خاص سے شروع ہوکر ایک وقت خاص پر ختم ہو جاتا ہو بلکہ اس سے تاریخ کا وہ دور مراد ہے جس میں عام طور پر انسانی زندگی خاص قسم کے چند خیالات اور خاص قسم کے بعض حالات کے زیر اثر آگئی ہے۔ نشاۂ جدیدہ (یعنی سنہ ۱۳۰۰ء سے سنہ ۱۵۰۰ء تک کے زمانے) کو ایک تقلیبی زمانہ کہنا چاہیئے۔ اسی زمانے میں جدید خیالات نے قطعی حیثیت سے تمدن و تہذیب کے اندر مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑی ہیں نشاۂ جدیدہ کے ختم ہونے کے بعد سے دور جدید کا آغاز سمجھنا چاہیئے اور اس لیئے اسکی ابتدا اندازاً سنہ ۱۵۰۰ء سے قرار دینا چاہیئے ؎

فہرست تمہیدی

لیکن قبل اس کے کہ ہم دور جدید کے معالات یورپ کے

متعلق بحث کریں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات پر تیزی کے ساتھ ایک نظر ڈال جائیں تاکہ ذہن میں ربط و سلسلہ قائم رہے۔ اس کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ اس خلاصے کو تین عنوانوں کے تحت میں بیان کیا جائے :-

(الف) نشاۂ جدیدہ کے تہذیب و تمدن کے اہم اجزا

(ب) انکشافِ ممالک کے لئے بحری سفر

(ج) دورِ جدید کے آغاز کے وقت کی سلطنتہائے یورپ

کل واقعات کو ان تین عنوان کے تحت میں جمع کر لینا زیرِ نظر زمانے کے آغاز کے وقت یورپ کے حالات کا ایک موزوں و مناسب تبصرے کا کام دیتا ہے :-

(الف) نشاۂ جدیدہ کے تہذیب و تمدن کے اہم اجزا

نشاۂ جدیدہ ہی کے دوران میں یہ ہوا کہ تہذیب و تمدن میں ازمنۂ وسطےٰ کا مخصوص رنگ باقی نہیں رہا اور اس کے بجائے وہ عادات و خصائل قائم ہو گئے جنھیں ہم دورِ جدید کے خصوصیات کہتے ہیں۔ اس تغیرِ حالت پر جن خاص امور کا اثر پڑا انھیں ہم ایک بار سرسری طور پر شمار کئے دیتے ہیں۔

(۱) تحصیل علوم کی تجدید۔ اولاً اطالیہ میں اور اس کے بعد شمال کے ملکوں میں لوگوں کو پھر مدتِ دراز کے بھولے ہوئے علم ادب اور یونان اور روما کے فنونِ لطیفہ سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ زمانۂ قدیم کا جو علمی ذخیرہ مدفون پڑا ہوا تھا، لوگوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے اسے پھر برآمد کیا اور اپنے ازمنۂ وسطےٰ کے مختصر سرمائے میں اس کا اضافہ کر لیا۔ اس طرح ازمنہ وسطےٰ کے لوگوں کو دنیا میں اپنا کام انجام دینے کے لئے زیادہ عمدہ سامان ہاتھ آگیا اور بہت جلد وہ ایسے علمی و دماغی تحقیقاتوں میں مصروف ہو گئے جنھیں ہاتھ لگانے سے وہ اس سے پہلے ڈرتے تھے یا اسکی قابلیت ہی نہیں رکھتے تھے پہلے تعلیم و تعلم صرف ان علوم میں محدود تھی جنکا تعلق مذہب سے تھا، اب اسے ان تمام چیزوں تک وسیع کر دیا گیا جنکا تعلق نفس انسانی سے تھا۔

(۲) صنعت و حرفت و تجارت کی تجدید۔

ازمنۂ وسطےٰ کے آخری حصّے کی ایک ممتاز خصوصیت شہروں کی ترقی تھی،

شہروں ہی میں صنعت و حرفت اور تجارت کو ہر طرح کا فروغ حاصل ہوا، چونکہ حصار نے ان شہروں کو بیرونی کی دست برد سے محفوظ کر دیا تھا اس وجہ سے میدان و کوہستان کا ایک ایک شہر سیاسی نظم و ترتیب اور مادی بہبودی کا ملجا و ماوی بنا ہوا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جنگہائے صلیبی کیوجہ سے مغرب کی تجارت اور اس کے مصنوعات کی رسائی کہانتک ہو چکی تھی، اور کیونکر اس تجارت کی وجہ سے بحیرۂ روم میں بین الاقوامی تجارت کا زور اور سب جگہوں سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اسکا نفع سب سے پہلے وینس، جنیوا اور دوسرے اطالوی شہروں کو پہنچا مگر زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پایا کہ ان شمالی شہروں میں بھی جو رود بار انگلستان، بحر شمال اور بحر بالٹک کے کناروں پر واقع تھے یہ نئی تحریک جوشزن ہو گئی۔ اسطرح یورپ کی قوموں کا باہمی ربط و ضبط برابر بڑھتا گیا اس قربت سے وہ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے لگے اور ابھی نشاۂ جدیدہ ہی کا دور تھا کہ بہت سے جفاکش جہازراں انکشافات تحقیقات کیلیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انکے بحری سفروں نے ایسے ایسے نئے تجارتی مواقع پیدا کر دیئے جنکے منافع کے سامنے بحیرۂ روم کی تجارت کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی نتیجے کے اعتبار سے ان انکشافی سفروں کو ان واقعات میں سب سے زیادہ وسیع الاثر واقعہ سمجھنا چاہیئے، جو دور جدید کے پیش خیمہ ثابت ہوئے ہیں درحقیقت یہ سفر اس اہمیت کے ہیں کہ ہم آگے چلکر ان پر جداگانہ بحث کرینگے ؛

(۳) ایجادات

(۳) چودھویں صدی میں بارود سے کام لیا جانے لگا جس سے جنگ کی صورتِ حال بالکل ہی بدل گئی اور اسپ سوار "نائٹوں" کو پیدل سپاہ پر جو تفوق حاصل تھا وہ باطل ہو گیا۔ ازمنۂ وسطیٰ میں جاگیر دار امرا کو میدانِ جنگ میں خاص اہمیت حاصل رہتی تھی اور یہی اہمیت ان کے سیاسی تقدم و غلبے کا باعث تھی، پس اس اہمیت کے جاتے رہنے سے انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا۔ بادشاہوں نے دیکھا کہ اجیر سپاہیوں کی مستقل فوج، خود سر امرا کی فوجوں کے بہ نسبت زیادہ کار آمد اور زیادہ قابلِ اعتماد ہوتی ہے۔ اسلیئے انھوں نے خود کو امرا کے اثر سے نکالنا شروع کر دیا۔ چھاپے کی ایجاد[1] سے

سلہ۔ یہ ایجاد مائینز کے ایک باشندے جان گٹنبرگ کی طرف منسوب ہے (۱۴۵۰ء)

کتابیں کثرت کیساتھ دستیاب ہونے لگیں اور کثیر التعداد اشخاص کو علوم و فنون تک دسترس حاصل ہوگئی۔ جو خیالات ابتک صرف قسیسوں اور امیروں کے حلقے تک محدود تھے اب وہ ادنیٰ طبقے کے لوگوں کی تاریک و تکلیف دہ زندگیوں کو بھی روشن کرنے لگے ؛

(۴) مطلق العنانی کی ترقی۔ امرا کے انحطاط اور شہروں کے عروج سے جو معاشرتی تغیرات پیدا ہوگئے ان سے سیاسی انقلاب بھی رونما ہو چلا، ازمنۂ وسطےٰ کی سیاسیات میں امرا کے سب پر حاوی ہونے کا پہلا سبب یہ تھا کہ فوج انھیں سے مرکب تھی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ دولت کا سب سے بڑا ذریعہ یعنی زمین انھیں کے قبضے میں تھی، اب دورِ جدید میں بارود کی ایجاد سے فوج میں ان کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی اور شہروں کے ترقی کر جانے سے حصول دولت کا ذریعہ صرف زمین ہی تک محدود نہیں رہا۔ بادشاہ اور شہر دونوں امرا کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور انھیں بہت جلد اتنی قوت حاصل ہوگئی کہ وہ اپنے اُس مشترک حریف کو نیچا دکھا سکیں۔ پس بادشاہوں نے امرا کے سیاسی اختیارات کو آہستہ آہستہ خود اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا جس سے اس جاگیری سلطنت کا زوال شروع ہوگیا جس میں قوتِ سلطنت طبقۂ امرا کے ارکان میں منقسم ہوتی تھی اور اس جاگیری سلطنت کی جگہ مطلق العنان بادشاہی نے لے لی (جس میں کل اختیارات ایک شخص واحد کے ہاتھ میں مجتمع ہوتے تھے) ؛

(ب) کشفِ ممالک کیلئے بحری اسفار اور نئی دنیا میں یورپی نوآبادی

اسپینی و پرتگالی بحری سفر دو اور ان کے رستے ؛

اکتشافات و تحقیقات کے سفر اس تجارتی توسیع کے طبعی نتائج تھے جو جنگہائے صلیبی کے بعد پیدا ہوگئے تھے۔ بلادِ شام و روم کی تجارت نے جینوا و وینس کو بہت جلد مالا مال کر دیا۔ اس سے بالطبع ان کے ہمسایوں میں حرص کی آگ بھڑک اٹھی اور پندرہویں صدی میں اہلِ اسپین اور اہلِ پرتگال اس امر کے درپے ہوئے کہ بحیرۂ روم کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ مشرق میں پہنچنے کا نکالیں۔ بعد میں جسقدر ممالک کا انکشاف ہوا وہ سب انکی اسی سعی و ہمت کا نتیجہ تھا۔ پس ترقی انسانی کی اس صنف خاص کے پیشرو

ومرد میدان عام طور پر اسپینی و پرتگالی ہی ہیں، یا پھر وہ اطالوی ہیں جو ان قوموں کی ملازمت میں داخل ہو گئے تھے۔ پرتگال کے سیّاح اس خیال میں لگے ہوئے تھے کہ افریقہ کے گرد ہو کر سمندر کی طرف سے کوئی راستہ ہندوستان[1] کا نکالیں پس وہ مشرق کی طرف بڑھتے گئے۔ دوسری طرف اسپین کے جہازرانوں نے یہ چاہا کہ کرۂ ارض کا چکّر لگا کر سمندر ہی سمندر ہو کر ہندوستان تک پہنچ جائیں۔ اس لئے وہ مغرب کی طرف بڑھے ان دونوں کوششوں کے سلسلے میں حیرت انگیز کامیابیاں رونما ہوئیں اور ہر ایک کو بےنظیر عروج حاصل ہوا۔

واسکو ڈاگاما اور ہندوستان

تحقیقات و انکشافات کے کام کو سب قوموں سے پہلے پرتگالیوں نے منظم طریقے سے ہاتھ میں لیا اور ان پرتگالیوں میں بھی شاہی خاندان کا ایک فردِ شہزادہ ہنری المخاطب "ملاح"[2] (۱۳۹۴-۱۴۶۰) کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسی نے کل قوم کو اس راستے پر لگایا۔ بحری معاملات کے متعلق اس کا ولولہ حد سے بڑھا ہوا تھا، یہانتک کہ اس نے دربار کے قیام کو ترک کر دیا، اور راس ونسنٹ کی بلندی پر اپنے رہنے کے لئے ایک مکان بنایا اور اس موقع مناسب سے وہ اپنے ملاحوں کو سفر کی ہدایتیں دیتا رہتا تھا، لیکن اس ذوقِ علمی کے سوا کچھ اور خیالات بھی اس کام کے محرک تھے، اس کے دل میں صرف حصولِ معلومات ہی کا گہرا شوق نہیں تھا بلکہ حب الوطنی کے خیالات بھی موجزن تھے، اسکی آرزو یہ تھی کہ وہ اپنی قوم کے لئے ایک نئی شہنشاہی کی بنا ڈال دے اور کافروں میں مذہب عیسوی کی اشاعت کی تمنا کو پوری کرے، پس اس کے جہازران افریقہ کے مغربی ساحل سے ملے ہوئے برابر آہستہ آہستہ بڑھتے گئے۔ انھیں، اگرچہ مقناطیسی سوئی (قطب نما) کا علم تھا مگر وہ اس کے استعمال کو اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے اور نامعلوم مقامات کا خوف بھی دامنگیر تھا اس لئے وہ آہستہ آہستہ کچھوے کی طرح چلتے تھے۔ اسی رفتار سے انھوں نے ۱۴۷۱ء میں خطِ استوا کو عبور کیا

---

[1] پندرھویں صدی میں یورپین کل مشرق کو مجموعۃً ہندوستان کہتے تھے!

[2] کونسٹبیزلی کی کتاب "پرنس ہنری" (شہزادہ ہنری) (Prince Henry) دیکھنا چاہیئے

مگر شہزادہ ہنری کا اس سے قبل ہی انتقال ہو چکا تھا۔ آخر الامر ۱۴۸۶ء میں بارتھولومیو ڈائز راس امید تک پہنچ گیا۔ پھر بھی ۱۴۹۸ء تک یہ نہ ہو سکا کہ ادہر سے گھوم کر ہندوستان تک پہنچنے کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس یادگار زمانہ سفر کی کامیابی کا سہرا واسکوڈاگاما کے سر رہا۔ اس سے مشرق کے ساتھ آمد و رفت کا ایک ایسا راستہ کھل گیا جو اپنی آسانی و نفع کے لحاظ سے اس سے بدرجہا بہتر تھا جس پر وینس نے قابو حاصل کر رکھا تھا۔

کولمبس و امریکہ

جس زمانے میں واسکوڈی گیما نے اہل پرتگال کی ایک صدی کی کوششوں کو کامیابی کا تاج پہنایا، اس سے کچھ ہی قبل کرسٹوفر کولمبس[1] کو ایک ایسی تحقیقات میں کامیابی ہو چکی تھی جس کی اہمیت واسکوڈاگاما کی تحقیقات سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ وہ مغرب کیجانب سے ہندوستان کے راستے کی تلاش میں جزائر بہاما وجزائر غرب الہند تک پہنچ گیا اور اسطرح پہلی مرتبہ دنیا پر یہ ثابت کیا کہ بحر اوقیانوس کے دوسری جانب بھی زمین واقع ہے کولمبس نسلاً اطالوی اور جینوا کا باشندہ تھا مگر یہ سفر اسنے کیسٹیل کی ملکہ ازابیلا کے ملازم کی حیثیت سے کیا تھا اور اسی وجہ سے اس کا نفع اسپین کو حاصل ہوا[2]۔ یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر اس عہد کے علما نے ازمنۂ وسطیٰ کے جاہلانہ خیالات کو ترک کر کے قدما کی اس رائے کو نہ قبول کر لیا ہوتا کہ دنیا گول

---

[1] کولمبس کے متعلق فسک کی تصنیف مدانکشافات امریکہ (Discovery of America) دیکھنا چاہئے

[2] اغلب یہ ہے کہ کولمبس کے قبل نارسمین (باشندگان شمالی یورپ) امریکہ کے حال سے واقف ہو چکے تھے مگر ان کی یہ واقفیت بے نتیجہ تھی۔ کولمبس، اپنے سفر پر پالوس سے ۳ اگست ۱۴۹۲ء کو روانہ ہوا۔ اسکے پاس سنتا ماریا، پنٹا اور نینا تین چھوٹے چھوٹے جہاز تھے۔ وہ ۱۲ اکتوبر کو سان سالوادور (گوانا ہانی) میں اترا۔ اس سفر میں کیوبا اور ہائیٹی کا بھی پتہ چلا، واپسی پر اسکے آقا فرڈیننڈ و ازابیلا نے اسے اعزاز و انعام سے گرانبار کر دیا۔ (اسے موروثی امارت کا خطاب دیا گیا، وہ امیر البحر بنایا گیا) اس پہلے سفر کے بعد اس نے تین سفر اور کئے۔ دوسرے سفر (۱۴۹۳-۱۴۹۶) میں اس نے جمیکا کو دریافت کیا، تیسرے سفر (۱۴۹۸-۱۵۰۰) میں بر اعظم جنوبی امریکہ میں دریائے اورینوکو کے دہانے پر پہنچا۔ اس سفر سے اسپین کے اس محسن اعظم کو پا بزنجیر کر کے اسپین میں واپس لایا گیا۔ اپنے چوتھے سفر (۱۵۰۲-۱۵۰۴) میں وہ ہانڈیوراس کے ساحل پر اترا۔ ۱۵۰۶ء میں ویلاڈولڈ میں اسکا انتقال ہو گیا، وہ آخر تک یہی یقین کرتا رہا کہ وہ ہندوستان پہنچ گیا ہے۔

ہے تو کولمبس کو ہرگز اس سفر کے اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ مگر اس امر سے کولمبس کی شاندار کامیابی میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس سفر میں اس نے جس ضبط و استقلال، محنت و جوش کا اظہار کیا ہے اس کی کوئی مثال کہیں اور نہیں ملسکتی، یہ خاص اسی کا حصہ تھا۔

تحقیقات کا جوش عام ہوگیا

ان کامیابیوں کا اثر یہ ہوا کہ تحقیقات کا ایک عام جوش پھیل گیا۔ خاصکر اسپینیوں اور پرتگالیوں میں اسکا زور زیادہ ہوا۔ کامیابی کی صورت میں جیسی شہرتِ عظیم اور دولتِ کثیر حاصل ہوتی تھی اس کی طمع میں ہر صاحب ہمت بے باک شخص نے یہ سمجھ لیا کہ اسکا یہ فرض ہے کہ وہ نئے اور غیر معلوم مقامات کا سفر اختیار کرے۔ تاریخ کے کسی زمانے میں اس قسم کی قوتِ عمل اور ایسے جوش و خروش کا پتہ نہیں چلتا جس میں خیالِ کامیابی نے لوگوں کو اسدرجہ مدہوش کر دیا ہو۔ درحقیقت ہر سفر سے دنیا کی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا جاتا تھا، مگر بعد کی مہموں میں ایک ہی مہم ایسی ہے جو اپنی دلیرانہ کوششوں اور اپنے اہم نتائج کے اعتبار سے کولمبس اور واسکو داگاما کی مہموں کے ہم پلہ سمجھے جانے کا حق رکھتی ہے۔ یہ وہ مشہور مہم ہے جس میں پہلی بار کرۂ ارض کا چکر لگایا گیا تھا، اس نمایاں کامیابی کا سہرا ماگیلن[1] نامی ایک باشندۂ پرتگال کے سر رہا جو اسپین کی ملازمت میں داخل تھا، تین برس (۱۵۱۹ء - ۱۵۲۲ء) تک سخت سے سخت شدائد برداشت کرنے کے بعد اسے یہ کامیابی حاصل ہوئی ؛

نئی دنیا، پرتگال و اسپین کے درمیان تقسیم کردیگئی۔

تحقیقات کے ان سفروں کے متعلق سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہ ہے کہ اہل یورپ صرف اس پر قناعت نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ان نئے ممالک سے انھیں واقفیت ہو جائے یا ان کے وطن کی تجارت کے لیئے نئے بازار پیدا ہو جائیں بلکہ انھوں نے اس امر کا عزم بالجزم کر لیا تھا کہ ان نئے دریافت شدہ ملکوں کے باشندوں کو عیسائی بنا دیں، ان ملکوں کو اپنے تحتِ حکومت میں لے آئیں اور ان میں اپنی نوآبادی قائم کریں۔ خلاصہ

[1] ماگیلن نے بذات خاص اس سفر کو اختتام کو نہیں پہنچایا بلکہ وہ ۱۵۲۱ء میں جزائر فلپائن میں ایک جزیرے میں مرگیا تھا۔

یہ کہ انھوں نے یہ چاہا کہ ان ممالک کی قلب ماہیت کرکے انہیں وسیع پیمانہ پر یورپ بنادیں۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ نوآبادیوں کی وسعت کا جو جوش پیدا ہوا وہ بہت جلد حدِّ مناسب سے تجاوز کر گیا زمین کے حصول کے لئے بے شرمانہ کارروائیاں ہونے لگیں اور حریف قوموں کے درمیان فسادات برپا ہوگئے۔ اس تحریک کے سرگروہ اسپین و پرتگال ہیں اور سب سے زیادہ انھیں کو مشکلات پیش آئیں اور سب سے پہلے یہی دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے ان کے یہ مناقشات پوپ الگزنڈر ششم (بورجیا) کی مشہور مداخلت کا باعث ہوئے، پندرھویں صدی تک لوگ پوپ کو حضرت عیسیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے صلح کن اور ان مناقشوں کا بہترین فیصلہ کرنے والے سمجھتے تھے جو امت عیسوی میں پیدا ہوں۔ پس جب اسپین و پرتگال نے اپنے مخاصمانہ دعاوی کے تصفیے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا تو اس نے ۱۴۹۳ء میں ایک خط تفریق قائم کردیا پہلے اس نے یہ خط جزائر راس ورڈ کے تین سو میل مغرب میں قائم کیا اس کے بعد اسے سوا گیارہ سو میل پر قائم کردیا اور یہ قرار دیا کہ اس خط سے مشرق میں جسقدر ممالک دریافت ہوں وہ پرتگال کے حصے میں آویں اور اس سے مغرب کے تمام ملک اسپین کو ملیں اس حد بندی کی رو سے (جو جنوبی امریکہ کے مشرقی حصے سے گزری تھی) اس حصے کے سوا جسے اب برازیل کہتے ہیں باقی کل نئی دنیا اسپین کو ملگئی۔

اسپینی نوآبادی کے مرکز

پندرھویں صدی کے آغاز میں اسپینی نوآبادی کے مرکز حسب ذیل تھے

(۱) جزائر غرب الہند، جہاں خود کولمبس نے سب سے اوّل نوآبادی کا سلسلہ قائم کیا تھا۔

(۲) میکسیکو جسے فاتح کبیر کورٹیز نے اہل اسپین کے لئے فتح کرلیا تھا۔

(۳) پیرو جسے پیزارو نے حاصل کیا تھا۔ ان دو آخری فتوحات کو اگر ان کے افسانے کے رنگ سے علٰحدہ کرکے صاف لفظوں میں بیان کیا جائے تو اسکا خلاصہ یہ ہوگا کہ ان میں ہمت و جرأت جوش مذہبی ظلم و ستم، اور طمع زر کے ایسے شواہد ملتے ہیں جنکی کوئی نظیر کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

پرتگالی نوآبادیاں

وہ پرتگالی سیاح جو واسکو ڈاگاما کے نقش قدم پر چلے

انھوں نے بھی اسپین کی تقلید میں یہی کیا کہ بحر ہند میں جن ممالک کا پتہ چلایا ان میں نوآبادیاں قائم کر کے انھیں اپنے وطن سے وابستہ کر لیا۔ افریقہ کے مغربی ساحل پر نوآبادیوں کا جو سلسلہ وہ مدت سے قائم کرتے آتے تھے اسے بتدریج وسعت دیکر مجمع الجزائر ہند، ہندوستان خاص اور ماوراء ہند تک پہنچا دیا۔ لیکن پرتگال کی آبادی خود اتنی نہ تھی کہ وہ ان ملکوں میں اتنے آباد کاروں کو بھیجدیتا جس سے ملک کے اصل باشندے دب جاتے۔ اہل پرتگال نے خود بہت جلد اس دشواری کو سمجھ لیا اور اس کے بعد سے انھوں نے صرف اس امر پر قناعت کی کہ جابجا اپنے قدم جمالیں اور جن ملکوں میں وہ اپنے مستقر قائم کریں۔ کوشش کر کے وہاں کے باشندوں سے اپنے لیئے مخصوص تجارتی حقوق بلا شرکت غیرے حاصل کر لیں۔ صرف مغربی دنیا میں برازیل کا ایک مقبوضہ ایسا تھا جس کی حالت اس کلیئے سے مستثنیٰ تھی۔ اس ملک کو انھوں نے اپنی قوم کا ملک بنا لیا اور آج تک زبان اور عادات و اطوار کے لحاظ سے وہ ایک پرتگالی ملک ہے ؎

انگریزوں کے بحری سفر

یورپ کے شمالی ممالک کی قومیں سنئے برّاعظموں پر قبضہ کرنے کی جدوجہد میں بہت دیر کر کے شامل ہوئیں اور اس معاملے میں انکا جوش بھی بہت آہستگی کے ساتھ بڑھا۔ دنیا کی اس وسعت عظیم میں حصہ لینے کے لیئے ہنری ہفتم (شاہ انگلستان) نے جو کچھ تھوڑی بہت کوشش کی اس کی اہمیت صرف اسوجہ سے ہے کہ بعد کو اس سے نتائج بہت بڑے ظاہر ہوئے جنکا خود اسے خیال بھی نہیں آسکتا تھا۔ پرتگال اور اسپین کے حسد کی وجہ سے ہنری نے بھی آخرالامر ۱۴۹۶ء میں ایک مہم تیار کی اور جان کیبٹ کی سرکردگی میں اسے مغرب کی طرف روانہ کیا۔ کولمبس کی طرح کیبٹ بھی نسلاً جنیوا کا باشندہ تھا کیبٹ اور اس کے بعد کے بہت سے انگریز جہاز رانوں کا مقصود یہ تھا کہ شمال مغرب کی طرف سے مشرق کی بہشت (ہندوستان) کا کوئی نیا راستہ دریافت کر لیں اور اسطرح اسپینیوں کے تصادم کو بچائے جائیں جو اسی غرض کے لیئے جنوب مغرب کی طرف بڑھتے جاتے تھے کیبٹ کی کوششوں میں ناکامی کا ہونا لازمی تھا۔ لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ انگلستان کو امریکہ کے شمال مغربی ساحل پر ایک مبہم سا حق حاصل ہو گیا۔ ایک

مدت تک اس کو بیکار چھوڑ رکھنے کے بعد عہد الزبیتھ میں اس کی تجدید کی گئی اور بمرور دہو یہی حق شمالی امریکہ میں انگریزی نوآبادیوں کی بنا بن گیا ؛

فرانسیسی نوآبادیاں

نوآبادیاں قائم کرنے کے معاملے میں فرانسیسی انگریزوں سے بھی زیادہ سست رفتار تھے، اور ہنری چہارم (۱۵۸۹-۱۶۱۰) کے زمانے تک انھیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ ایک عظیم الشان بادشاہت کی تقسیم ہو رہی ہے اور غنیمت میں اہل فرانس کا کوئی خیال تک بھی نہیں کرتا۔ اب وہ اس فکر میں پڑے کہ جہاں تک جلد ہو سکے اپنی سابقہ غفلت کی بیش از بیش تلافی کریں، اور اس غرض کیلئے انھوں نے کناڈا اور بعد میں لوئیزیانا (یعنی سنٹ لارنس اور مسیسیپی کی وادیوں) میں اپنی آبادکاریاں قائم کر دیں ؛

اہل ہالینڈ کی نوآبادیاں

اہل ہالینڈ کی نوآبادیوں کا باعث حصول خودمختاری کی وہ طول وطویل جنگ ہے جو اسپین کے ساتھ پیش آئی۔ بعد کو معلوم ہوگا کہ ۱۵۸۰ء میں پرتگال عارضی طور پر اسپین کے ساتھ شامل کر لیا گیا تھا جسکا نتیجہ یہ تھا کہ پرتگال کی نوآبادیاں اسپین میں ضم ہو گئیں۔ اسوجہ سے اہل ہالینڈ پرتگالی و اسپینی تجارت اور اُنکے مقبوضات کو شاہ اسپین کے قبضے سے نکالنے لگے اور یہی وجہ ہے کہ اہل ہالینڈ کی تجارت اور ان کی نوآبادیوں کا مرکز اسوقت بحرہند میں واقع ہے ؛

(ج) دور جدید کے آغاز کے وقت یورپی سلطنتوں کی صورت حالات

شہنشاہی

دور جدید کے آغاز کے وقت خاندان ہاپسبرگ کا میکسیملین اول (۱۴۹۳-۱۵۱۹) "مقدس[1] رومی شہنشاہی" کا تاج زیب سر کیے ہوئے تھے اس شہنشاہی جو کسی وقت میں تمام یورپ پر حاوی تھی اب عملاً ممالک جرمنی کے اندر محدود ہو کر

[1] اس کتاب میں لفظ مقدس بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً مقدس رومی شہنشاہی "اتحاد مقدس" "مقدس جلوس" "مقدس کوشش" وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ ترجمہ بجنسہ مقصود تھا اس لئے یہ لفظ لکھا گیا۔ ورنہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ لفظ ان مقامات میں قابل استعمال نہیں ہے۔ اور جن چیزوں کے ساتھ وہ بولا گیا ہے وہ اسلامی اصطلاح میں فی الواقع مقدس نہیں ہیں۔ (ناظر مذہبی)

جرمنی کا نظام سلطنت

رہ گئی تھی۔ پندرھویں صدی میں اس خاندان ہاپسبرگ کو اسقدر قوت حاصل ہوگئی کہ جرمنی کے تاج وتخت پر اس کا قریب قریب موروثی قبضہ قائم ہوگیا تھا، لیکن اصولی حیثیت سے صاحبِ تخت وتاج کا تقرر اب بھی انتخاب ہی سے سمجھا جاتا تھا۔ کسی شہنشاہ کے انتقال کے بعد از روئے قانون اس کے جانشین کا انتخاب صرف سات انتخاب کنندگان ہی کر سکتے تھے اور یہ انتخاب کنندگان ملک کے سات سب سے بڑے حکمران تھے[1]۔ شہنشاہی "ڈائٹ" (مجلس دیئت) کی ترکیب اس طرح پر تھی کہ اس میں یہ سات انتخاب کنندگان اور ان سے کمتر درجے کے حکمران (جنمیں اسقف اور رئیس خانقاہ کے ایسے اعلیٰ مذہبی عہدہ دار بھی شامل تھے) اور آزاد شہروں کے نائبین تین علیحدہ علیحدہ ایوانوں میں نشست کرتے تھے یہی "دیئت" شہنشاہی مجلس وضعِ قوانین تھی جس کے اتفاق رائے کے بغیر شہنشاہ کوئی اہم کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ شہنشاہ اور "دیئت" دونوں سے مل کر شہنشاہی حکومت مرتب ہوتی تھی لیکن شہنشاہی کا نظم ونسق اس درجہ ابتر ہوگیا تھا کہ اس کے لیے حکومت کا لفظ ہی استعمال کرنا موزوں نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرمنی کی قومی حکومت صرف زمانہ گذشتہ کی ایک شاندار یادگار رہ گئی تھی۔ ازمنۂ وسطےٰ کے آخری حصے میں جرمنی نے فرانس، انگلستان اور اسپین کی طرح قومی اتحاد کیطرف قدم نہیں بڑھائے تھے بلکہ اور الٹی جانب چلی گئی تھی اور شیرازۂ اتحاد کو بکھیر دیا تھا۔ کثیر التعداد والیانِ ملک "سرحددار، حکمرانان صوبجات ذی اقتدار اساقفہ" اور آزاد شہروں نے ازمنۂ وسطےٰ کے جاگیرانہ طریقِ حکومت کے دور میں ایک طرح کی اپنی اپنی "ریاست" قائم کرلی تھی اور یوماً فیوماً مرکزی طاقت سے آزاد ہوجاتے تھے اور شہنشاہ کو محض کٹھ پتلی بنا رکھا تھا[2]۔

---

[1] ان سات انتخاب کنندگان میں سے تین مذہبی پیشوا اور چار دنیاوی حکمران تھے۔ انکی تفصیل یہ ہے۔ مائنز، کولون اور ٹریوز کے اسقفانِ اعظم، شاہِ بوہیمیا، ڈیوک سیکسنی، مارگراو (سرحددار) برانڈنبرگ اور رائن کا کاؤنٹ پلیٹینیٹ۔

[2] اس زمانے میں تقریباً تین سو مقامی حکومتیں اس قسم کی موجود تھیں۔ ان میں بعض اتنی وسعت رکھتی تھیں کہ ان کی کچھ وقعت ہوسکتی تھی جیسے کہ سیکسنی و برانڈنبرگ اور بعض کی حدِ وسعت ایک معمولی امریکن قصبے کی سی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ وقت قریب ہے جرمنی عملاً وقانوناً تین سو خودمختار سلطنتوں میں منقسم ہو جائے گی۔

میکسیملین کے مساعی اصلاح

میکسیملین کے عہد کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے دور حکومت میں آخری مرتبہ صدق دل سے یہ کوشش کی گئی کہ شہنشاہی حکومت کی از کار رفتہ کل کو از سر نو درست کیا جائے۔ پندرھویں صدی کے آخری حصے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قومی جوش کی ایک لہر تمام جرمنی میں دوڑ گئی ہے اس کی ابتدا ۱۴۹۵ء ورمز کی "دیئت" سے ہوئی اور اس کے بعد مسائل اصلاح پر بحث کرنے کے لئے متعدد دیئتیں منعقد ہوئیں، مگر نتیجہ نہایت افسوسناک رہا کیونکہ جو کچھ بھی کیا گیا اس سے مرکزی قوت یعنی شہنشاہ کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، اصلاح جو کچھ ہوئی وہ اس حد کے اندر محدود رہی کہ ملک کی اندرونی حفاظت کا انتظام ہو جائے۔ شخصی جنگ کا حق منسوخ کر دیا گیا، (درحقیقت یہ شخصی جنگ ازمنۂ وسطے کی باقیات میں ایک ناقابل برداشت یادگار باقی رہ گئی تھی)، دائمی امن کا اعلان کیا گیا اور اس امن کی تائید کے لئے ایک خاص عدالت انصاف قائم کی گئی جسکا نام امپیریل چیمبر (ایوان شہنشاہی) تھا اور یہ قرار پایا کہ سلطنت کی مختلف ریاستوں کے درمیان جو تنازعات واقع ہوں ان کا فیصلہ اس ایوان میں ہوا کرے۔ جو مقامی حکومتیں مجلس دیئت پر حاوی تھیں انھوں نے مرکزی حکومت کی رقابت کیوجہ سے اس تجویز کو بہت مشکل سے قبول کیا، اس لئے اسے اصلاحی کارروائیوں میں سب سے بڑی کارروائی سمجھنا چاہیئے۔ شہنشاہ کی حالت جیسی تھی ویسی ہی رہی نہ اس کی کوئی آمدنی تھی نہ اس کے کچھ انتظامی فرائض تھے اور نہ اس کے پاس کوئی فوج تھی۔ جبتک "مقدس رومی شہنشاہی" کا وجود باقی رہا اس کی یہی ہیئت کذائی قائم رہی۔ درحقیقت محض نمائشی ضرورت کے لئے اسے شاہی عبا پہنا دی گئی تھی۔ اگر بعد میں (چارلس پنجم کے ایسے) طاقتور شہنشاہوں کا ذکر سننے میں آئے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی طاقت کی بنا شہنشاہی کی قوت پر ہرگز نہیں تھی بلکہ ان کے موروثی ممالک کی قوت پر مبنی تھی؛

خاندان ہاپسبرگ کے ازدواج یورپ کا سب سے بڑا بادشاہ چارلس پنجم

میکسیملین، جسے بعض اوقات آخری "نائٹ" کہتے ہیں ایک نیکدل وفیاض طبع شخص تھا اور اگر اس نے شہنشاہی اور اسکی نمائشی شان ورفعت کو اہمیت کی نظر سے نہ دیکھا ہوتا تو وہ اپنی زندگی کی بہت سی

پریشانیوں سے بچ جاتا۔ اس نے یہ کوشش کی کہ اطالیہ کے بعض حصص پر شہنشاہی کے جو قدیم دعاوی تھے انھیں واقعی سچ کر دکھائے، مگر اس کوشش میں سوائے سبکی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس نے یہ بھی کوشش کی کہ ترکوں کے خلاف یورپ کو متحد کر دے، کیونکہ اب ترکوں نے یورپ کے مشرقی حصص کو زیر کر کے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیا تھا اور مغرب کی سمت میں دریائے ڈینیوب اور بحیرۂ روم کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے مگر تمام یورپ کا متحد کرنا تو درکنار خود اپنے ہمقوم جرمنوں کو بھی وہ ایک مدافعتی جنگ پر آمادہ نہ کر سکا، لیکن میکسملین کی ان متعدد سیاسی ناکامیوں کی تلافی چند ازدواج نے بہت خوبی کے ساتھ کر دی۔ ۱۴۷۷ء میں اس نے میری (والیہ برگنڈی) سے عقد کر لیا، چارلس (دلیر) کی اولاد میں صرف یہی ایک میری رہ گئی تھی اور وہی نیدرلینڈز کی وارث تھی۔ ۱۴۹۶ء میں میکسملین نے اپنے بیٹے فلپ کا عقد کیسٹایل کی جون سے کر دیا، جون متحدہ اسپین کے مشترک حکمرانان فرڈیننڈ اور ازابیلا کی وارث تھی۔ کچھ دنوں بعد فلپ کا انتقال ہو گیا اور جون دیوانی ہو گئی، پس ان کا بیٹا چارلس اولاً ڈیوک برگنڈی اور پھر فرڈیننڈ کے انتقال کے بعد ۱۵۱۶ء میں اسپین کا بادشاہ ہو گیا۔ آخر الامر جب ۱۵۱۹ء میں شہنشاہ میکسملین کا انتقال ہو گیا تو چارلس آسٹریا کا بھی وارث قرار پا گیا اور اپنی اس اعلےٰ منزلت کی وجہ سے اپنے دادا کے بجائے شہنشاہ بھی منتخب ہو گیا۔ پس اس طرح میکسملین کے مدبرانہ تعلقات ازدواجی کی وجہ سے چارلس اپنے وقت میں یورپ کا سب سے بڑا بادشاہ بن گیا۔

اطالیہ

پانچ سربرآوردہ سلطنتیں

ازمنۂ وسطےٰ کے آخر میں اطالیہ کی حالت جرمنی سے بھی زیادہ بدتر ہو گئی تھی کیونکہ یہاں اتحاد قومی کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ اس جزیرہ نما میں پانچ حسب ذیل سربرآوردہ سلطنتیں قائم تھیں:۔

(۱) ملان کی امارت ڈیوکی (۲) جمہوریہ وینس (۳) جمہوریہ فلورنس (۴) مقبوضات کلیسا اور (۵) بادشاہی نیپلز۔ پندرھویں صدی میں یہ پانچوں ممتاز سلطنتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما رہا کرتی تھیں۔ ان جنگوں سے اسوقت تک کچھ زیادہ

نقصان نہیں ہوا جب تک کہ شاہان اسپین و شاہانِ فرانس کے دلوں میں یہ خیال نہیں آیا کہ اطالیہ کے ان مقامی اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ پندرہویں صدی کے ختم ہونے کے قبل ہی قبل جزائر سارڈینیا و سسلی پر اسپین کا قبضہ ہو چکا تھا اور اسپین کے حکمراں خاندان کا نیپلز کے حکمراں خاندان سے بہت ہی قریبی تعلق ہو گیا تھا اور انھیں تعلقات کی وجہ سے اسپین کو معاملات اطالیہ سے عملی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جب ۱۴۸۱ء میں خاندان آنشرو کے آخری مرد وارث کا انتقال ہو گیا تو نیپلز میں اس خاندان کے جو کچھ حقوق تھے وہ شاہ فرانس کی طرف منتقل ہو گئے اور اسطرح فرانس کو بھی اطالیہ کے معاملات سے تعلق ہو گیا۔ فرانس کے تخت پر جب چارلس ہشتم نے قدم رکھا تو اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ اپنے نیپلز کے حقوق کو بزور شمشیر حاصل کرے، چنانچہ ۱۴۹۴ء میں اس نے اطالیہ پر حملہ کر دیا، یہ امر اسپین کے مفاد کے خلاف تھا کہ وہ فرانس کو اسطرح بے روک ٹوک اطالیہ میں وسعت حاصل کرنے دے پس اطالیہ کے قبضے کے متعلق ان دونوں رقیبوں میں مخاصمت شروع ہو گئی جو پچاس برس سے زیادہ زمانے تک جاری رہی اور انجام میں اسپین کو کامل فتح حاصل ہو گئی۔ لیکن جس دور کا ہم بیان کر رہے ہیں اس کے آغاز میں ابھی یہ نتیجہ ظاہر نہیں ہوا تھا البتہ فرانس و اسپین کی جنگوں کے شروع ہونے کے چند برس کے اندر اندر جب طاقتور فوجوں نے لوٹ مار کر اطالیہ کو تہ و بالا کر دیا تو وہاں کی سلطنتوں کی سیاسی حیثیات میں اہم تغیرات پیدا ہو گئے۔

نیپلز کا اسپین کے ہاتھ میں چلا جانا (۱۵۰۴ء)

نیپلز۔ اسپین و فرانس کے درمیان بنائے فساد اولاً نیپلز کے معاملے سے شروع ہوئی، اگر یہ مناقشہ صرف نیپلز تک محدود رہا ہوتا تو بہت جلد پھر صلح قائم ہو جاتی کیونکہ اسپینی و فرانسیسی فوجوں سے بار بار پامال ہونے کے بعد آخر الامر ۱۵۰۴ء میں فرانس نے اس ملک کو حتمی طور پر اسپین کے حوالے کر دیا اور اس کے لئے یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ دو سو برس (یعنی ۱۷۱۳ء کے عہدنامہ یوٹرخٹ تک) اسپین ہی کے قبضے میں رہے گا بدقسمتی سے ان دونوں عظیم الشان مغربی بادشاہوں کے درمیان امارت ملان نے ایک اور بنائے مخاصمت پیدا کر دی۔

ملان کے قبضے کے متعلق فرانس و اسپین کی مخاصمت

ملان۔ امارت ملان قانوناً "مقدس رومی شہنشاہی" کی ایک ماتحت ریاست تھی لیکن اسوقت اس پر خاندان اسفورزا عملاً خود مختارانہ حیثیت سے قابض تھا۔ جب ۱۴۹۸ء میں چارلس ہشتم کا انتقال ہوگیا تو اس کے جانشین لوئی دوازدہم کو یہ خیال آیا کہ وہ خاندان وسکانٹی کے اخلاف میں سے ہے اور خاندان وسکانٹی ہی خاندان اسفورزا کے قبل ملان کا حکمران تھا۔ اپنے اس موہوم تقدم کے بھروسے پر لوئی نے یہ عزم کیا کہ وہ اس نو دولت خاندان اسفورزا کو خارج کردے۔ پس ۱۴۹۹ء میں اس نے ملان پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور کامیابی کے ساتھ شہر میں جما رہا یہانتک کہ ۱۵۱۱ء میں اس کے خلاف "مقدس لیگ" قائم ہوگئی جس میں پوپ وینس، اسپین و انگلستان شامل تھے۔ اس "مقدس لیگ" نے بہت جلد فرانسیسیوں کو اطالیہ سے نکال دیا اور خاندان اسفورزا کو پھر امارت پر متمکن کردیا۔ ۱۵۱۵ء میں لوئی دوازدہم کا انتقال ہوگیا اور وہ ملان کو دوبارہ فتح نہ کرسکا مگر اس کے جانشین فرانسس اول نے تخت نشین ہوتے ہی اطالیہ پر فوج کشی کردی تاکہ وہ بھی اپنی باری میں جنگ و فتح کی قسمت آزمائی کرے۔ ۱۵۱۵ء میں ماری نیانو میں اسے بڑی ہی شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور ملان پر پھر فرانسیسیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد تھوڑے زمانے تک فرانس و اسپین میں صلح رہی لیکن شمال اطالیہ میں فرانسیسی اثر کی وسعت کو اہل اسپین بالطبع رقابت کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے جب ۱۵۱۹ء میں اسپین کا بادشاہ چارلس شہنشاہ منتخب ہوگیا تو فرانس سے جنگ کے جاری کرنے کے لیے ایک عذر پھر ہاتھ آگیا۔ ابھی ابھی یہ ذکر ہوچکا ہے کہ از روئے قانون ملان کی حیثیت شہنشاہی کی ایک ماتحت ریاست کی تھی اور اسی حیثیت کی وجہ سے شہنشاہ کو ہر وقت یہ موقع حاصل تھا کہ وہ جائز طور پر اپنی اس تحت ریاست کے معاملات میں دخل دے سکے۔ پس چارلس نے شہنشاہ منتخب ہونے کے بعد ہی یہ عزم کرلیا کہ ملان میں فرانسیسیوں کے استحقاق کی آزمائش کردیکھے اور اسطرح اطالیہ کی حدود میں فرانسیسی و اسپینی جنگوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔

وینس کا زوال شروع ہوجاتا ہے

وینس، پندرھویں صدی میں اطالیہ کی تمام سلطنتوں میں وینس سب سے زیادہ قوی سلطنت تھی یہ سلطنت جمہوری کہلاتی تھی مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عدیدی سلطنت تھی۔ تمام اختیارات امرا کے ہاتھوں میں تھے۔ یہی امرا مجلس عظمیٰ کے رکن ہوتے تھے اور وہی سلطنت کے سب سے اعلیٰ عہدہ دار یعنی "دوجے" (ڈیوک۔ امیر) کا انتخاب کرتے تھے۔ وینس کی قوت کی بنا اس کی وسیع تجارت اور اس کے مشرقی مقبوضات پر تھی، اپنے ان نو آباد اقطاع ملک کے علاوہ اطالیہ کا تمام شمالی و جنوبی حصہ بھی اسکے قبضے میں تھا۔ نشاۃ جدید کا دور وینس کی عظمت و شوکت کا زمانہ تھا۔ اب دور جدید کے آغاز کے وقت یہ شان و شوکت بہت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہوتی جا رہی ہیں۔ وینس کی مرفہ الحالی کے قائم رہنے میں پہلی وقت ترکوں کی طرف پیش آئی۔ ترک مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ میں اس زور کے ساتھ بڑھتے چلے آرہے تھے کہ کوئی روک ان کے راستے میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ انھوں نے بلاپس و پیش ایک ایک کرکے وینس کو اس کی مشرقی تجارت اور اس کے مشرقی مقبوضات سے بیدخل کرنا شروع کردیا۔ دوسری مصیبت وینس پر یہ آئی کہ واسکوڈاگاما نے راس امید سے ہوکر ہندوستان کا سمندری راستہ دریافت کرلیا۔ اس سے مشرق کی تجارت کا رخ اسپین و پرتگال کی طرف پھر گیا جس سے وینس کی خوشحالی پر بہت مہلک ضرب پڑی۔ ان وجوہ سے وینس کا زوال شروع ہوگیا مگر باایں ہمہ یہ جمہوریہ سلطنت کسی نہ کسی صورت سے قائم رہی تاآنکہ ۱۷۹۷ء میں نپولین نے اسکا خاتمہ کردیا۔

فلورنس خاندان میڈیچی کے تحت میں آگیا

فلورنس۔ نشاۃ جدیدہ کے دور میں فلورنس کو اسکے صناعوں اور مصنفوں کی وجہ سے بہت ہی شہرت حاصل ہوگئی تھی مگر پندرھویں صدی میں اسکی حکومت کی آزادی جاتی رہی اور وہیں کے ایک خاندان میڈیچی نے اس پر اپنا تسلط جمالیا۔ داس سلسلے میں

لہ موریا، کانڈیا، قبرس اور بحر ایجین و بحر یونان کے بیشتر جزائر اسکے قبضے میں تھے۔

لورنزو "ذی شان"، سب سے بڑا حکمران ہوا ہے جس کا عہد حکومت ۱۴۶۹ء سے ۱۴۹۲ء تک تھا۔ مگر میڈیچیوں کے غلبہ و تسلط کے باوجود قوم کے دلوں میں جمہوریت کی الفت بدستور موجزن رہی اس لئے جب ۱۴۹۴ء میں چارلس ہشتم کے حملے نے یہ موقع بہم پہنچا دیا کہ اہل ملک میڈیچیوں کے جوئے کو کندھے سے اتار پھینکیں تو تمام قوم دفعتاً اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے ان مطلق العنان حکمرانوں کو جلاوطن

ساوونرولا

کر دیا اور پھر اپنی جمہوری سلطنت قائم کر لی جیرولامو ساوونرولا ایک پرہیزگار راہب تھا، اس نے عادات و اطوار کی عام خرابی کی نسبت بہت جوش کیساتھ اعتراضات کئے تھے، اور اپنے پیرؤں کی ایک کثیر تعداد جمع کر لی تھی، اسوقت وہی تمام قوم کا ملجا و ماوا بن گیا، چار برس تک حکومت اس کے زیر اثر رہی اور درستی اخلاق کے لئے اس نے بہت محنت کی۔ ساوونرولا کی فوقیت کے زمانے میں لوگ فلورنس کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے تھے کیونکہ وہ زمانہ نشاۃ جدیدہ کے عروج کا تھا اور لوگ بت پرستوں کے آزادانہ خیالات کی انتہائی حد پر پہنچے ہوئے تھے؛ ان کے خیال میں فلورنس کی حکومت "کتاب مقدس" کے زمانے کی ایک مذہبی حکومت معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ۱۴۹۸ء میں ساوونرولا کے دشمنوں نے اسے تباہ کر دینے کی تدبیر میں کامیابی حاصل کر لی اور اسے انبار ہیزم پر جلا ڈالا۔ یہ جمہوریہ کسی نہ کسی طرح چند برس تک اور چلتی رہی یہانتک کہ ۱۵۱۲ء میں میڈیچیوں نے شہر کو دوبارہ پھر فتح کر لیا؛ ۱۵۲۷ء میں اہل فلورنس نے آزادی حاصل کرنے کے لئے آخری کوشش کی اور پھر میڈیچیوں کو نکال دیا مگر خارج شدہ حکمران ۱۵۲۹ء میں چارلس پنجم کی مدد سے پھر واپس آ گئے چارلس نے اس خاندان کے سرگروہ الگزنڈر اور اس کے جانشینوں کو فلورنس اور اس کے مقبوضات ٹسکینی کی امارت "ڈچی" کے نام سے عطا کی تھی اور بعد میں اسے امارت اعلیٰ (گرینڈ ڈچی) کے لقب سے بدل دیا؛

کلیسا کے مقبوضات میں نظام سیاہ ہو گیا؛

کلیسا کے مقبوضات۔ نشاۃ جدیدہ کے زمانے میں تمام یورپ کی طرح پوپ بھی بت پرستوں کے رنگ میں آ گئے تھے اور اپنی دنیاوی حکومت کی شان و شوکت دکھانے کے

شوق میں انھوں نے ہر ایک اصول کو قربان کردیا تھا، ان پر سب سے زیادہ یہ خیال غالب تھا کہ کلیسا کے مقبوضات کو متحد و مستحکم کریں۔ یہ مقبوضات جزیرہ نما کے وسط میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے اور بہت بڑی وسعت رکھتے تھے مگر ان کا بیشتر حصہ چھوٹے چھوٹے خود مختار حاکموں کے قبضے میں آگیا تھا۔ خاندان بورجیا کے پوپ الگزنڈر ششم نے (۱۴۹۹-۱۵۰۳) جو اپنی خونریزی و مظالم کی وجہ سے بدنام ہے اس مقصد کو کامیاب بنادیا۔ اس نے اپنے بے باک لڑکے قیصر بورجیا کی وساطت سے پاپائی مقبوضات کے چھوٹے چھوٹے خود مختار حاکموں کو یا زہر دلادیا یا انھیں قتل کرادیا۔ اسطرح آخرالامر پوپ سینٹ پیٹر کی موروثی مملکت کا مالک بن گیا۔

الگزنڈر ششم کے بعد جو دو پوپ ہوئے وہ اگرچہ مذہبی حیثیت سے کچھ زیادہ عظمت نہیں رکھتے مگر ان کی شخصیات میں خاص کشش موجود ہے۔ ان میں سے ایک جولیس دوم (۱۵۰۳-۱۵۱۳) ہے، اور دوسرا لیو دہم (۱۵۱۳-۱۵۲۱) جو فلورنس کے مشہور خاندان میڈیچی کا رکن تھا۔ یہ دونوں پوپ ہمیشہ اس اعتبار سے یاد کیے جاویں گے کہ انھوں نے فنونِ لطیفہ کی بڑی نمایاں سرپرستی کی[1]۔ لیو دہم کو ادبیات، فنونِ لطیفہ، علم مجلس غرض ایک مذہب کو چھوڑ کر باقی سب ہی چیزوں سے دلچسپی تھی، اس کی طبیعت اور اس کے تعلقات اس قسم کے تھے کہ طرزِ زندگی کے متعلق اس کا خیال بت پرستی کے زمانے کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اسی کے زمانے میں جرمنی میں اصلاح کی وہ آواز بلند ہوئی جس نے آخر پروٹسٹنٹوں کا ایک الگ فرقہ قائم کردیا۔

سیوائے۔ سیوائے کی امارت اطالیہ کے شمالِ مغربی حصص میں سرحدِ فرانس پر کوہستانِ ... کے درمیان واقع تھی۔ دورِ جدید کے آغاز تک سیوائے کے ڈیوکوں کا شمار ذی اثر طاقتوں میں نہیں ہوتا تھا مگر بعد کی صدیوں میں وہ اپنے

---

[1] سینٹ پیٹر کا گرجا انھیں کے وقت میں شروع ہوا، میکائیل انجیلو اور رافائل نے انھیں کے زمانے میں رہ کر اپنے کمالِ فن کے جوہر دکھائے۔

استقلال و مضبوطی سے برابر قوت حاصل کرتے گئے یہانتک کہ آخر میں ان کی قوت اطالیہ کے تمام دوسرے حکمرانوں سے بڑھ گئی اور اب ہماری اس صدی (انیسویں صدی) میں خاندانِ سیوائے متحدہ اطالیہ کا شاہی خاندان ہوگیا ہے ؎

فرانس

ملک فرانس کا مربوط و متحد ہونا

چارلس ہفتم (۱۴۲۲-۱۴۶۱) اور لوئس یازدہم (۱۴۶۱-۱۴۸۳) کے عہدِ حکومت میں فرانس کی قدیم جاگیرانہ خصوصیت زائل ہوکر مطلق العنان بادشاہی قائم ہوگئی تھی۔ بڑے بڑے ڈیوک اور کاؤنٹ مجبور ہوکر بادشاہ کی مرضی کے تابع ہو گئے تھے، بادشاہ تمام سیاہ وسفید کا مالک بن گیا تھا۔ اس نے محصولِ اراضی (یعنی مالگزاری) کے ذریعے سے اپنے لئے آمدنی کا ایک ایسا ذریعہ محفوظ کرلیا تھا جو بالکل اس کے اختیار میں تھا اور اس نے ایسی ایک مستقل فوج بھی قائم کرلی تھی جو امرا کے زیرِ حکم نہیں بلکہ خود بادشاہ کے زیرِ حکم تھی۔ لوئس یازدہم نے وہ متعدد بیرونی صوبے بھی فرانس میں شامل کرلیے تھے جنکا شمول قوم کی تکمیل کے لیئے ضروری تھا۔ جب اس کے بیٹے چارلس ہشتم (۱۴۸۳-۱۴۹۸) نے شمالِ مغرب میں بریٹنی پر بھی قبضہ کرلیا تو فرانس کو ایک ملک بنانے کی کارروائی مکمل ہوگئی۔ مطلق العنان بادشاہی کے نظامِ حکومت کے تحت میں اندرونی طور پر متحد ہوکر اب فرانس میں اتنی قوت آگئی تھی کہ وہ اپنے بیرونی دشمنوں کا بھی مقابلہ کرسکے۔ ان حالات میں چارلس ہشتم کو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ غیر ملکی فتوحات کا سودا اپنے سر میں پکا سکے، چنانچہ اس شوق میں اس نے چند موروثی دعاوی کی بناپر نیپلز کے فتح کرنے کا تہیہ کیا اور ۱۴۹۴ء میں اطالیہ پر حملہ کردیا مگر اس کی اس غیر ملکی فتوحات کی حکمت عملی نے اس کے ہمسایہ رقیب (اسپین) کی دشمنی کو بھڑکا دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالیہ پر قبضہ کرنے کے لیئے فرانس و اسپین کی طولانی جنگ چھڑ گئی جو تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ پچاس برس تک جاری رہی۔ اطالیہ کے تبصرے میں اس جنگ کے ابتدائی مراحل کے حالات ہمیں معلوم ہو چکے ہیں۔ ایک مختصر کامیابی کے بعد چارلس کو نیپلز سے دست بردار ہونا پڑا اور آخرالامر ۱۵۰۴ء میں اس نے

اس ملک کو فرڈیننڈ شاہِ اسپین کے حوالے کردیا۔ فرانس کے بادشاہ لوئس دوازدہم (۱۴۹۸-۱۵۱۵) نے ملان کی امارت پر قبضہ کرکے اطالیہ کی کشمکش کو پھر تازہ کردیا اور اگرچہ "اتحاد مقدس" کے دباؤ سے اسے ۱۵۱۲ء میں ملان کو چھوڑنا پڑا مگر اس کے جانشین فرانسس اول (۱۵۱۵-۱۵۴۷) نے اسکے بعد ماری نیانو میں کامیاب ہوکر پھر اسے فتح کرلیا (۱۵۱۵)

اسپین

ملک اسپین کا مربوط و متحد ہونا

قومی اتحاد اور مطلق العنانی کی جس تحریک کا ابھی فرانس کے بارے میں مشاہدہ ہوچکا ہے، وہ پندرھویں صدی میں اسپین کی سیاسی ترقی میں بھی کچھ کم نمایاں نہیں تھی۔ ملک اسپین کا اتحاد کئی صدیوں سے برابر بڑھتا جاتا تھا، آخر فرڈیننڈ (۱۴۷۹-۱۵۱۶) اور ازابیلا (۱۴۷۴-۱۵۰۴) کے عقد نے اسے مستحکم کردیا۔ یہ دونوں اس جزیرہ نما کی دو سب سے بڑی عیسوی سلطنتوں کے وارث تھے۔ فرڈیننڈ اراگان کا وارث تھا اور ازابیلا کاسٹیل کی۔ ان دونوں سلطنتوں کو خاص قوت اس وجہ سے حاصل ہوگئی تھی کہ وہ عربوں کے خلاف عیسائیوں کی جدوجہد کی سرپرست بن گئی تھیں۔ اہل عرب نے ازمنہ وسطےٰ میں تمام جزیرہ نما کو زیروزبر کردیا تھا مگر ۱۴۹۲ء میں ان کا آخری مستقر غرناطہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور اسپین میں اس اسلامی سلطنت کا جو آٹھ سو برس سے قائم تھی خاتمہ ہوگیا۔

اسپین کی توسیع

ملک اسپین کے مربوط و متحد ہوجانے کے بعد ہی اسکی ارضی وسعت کا ایک ایسا دور شروع ہوگیا جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ جس سال عربوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا ہے اسی سال کولمبس نے امریکہ کی دریافت سے اسپین کے لیئے نئی دنیا میں ایک وسیع مملکت کا راستہ کھول دیا۔ اس کے بعد فرڈیننڈ جب چارلس ہشتم کے نیپلز کو فتح کرلینے کی وجہ سے فرانس سے برسر پیکار ہوا تو اس نے فرانسیسوں کو شکست دیکر سلطنت نیپلز پر خود قبضہ کرلیا (۱۵۰۴)۔ ۱۵۱۲ء میں اس نے سرحدی سلطنت ناوار کا وہ حصہ بھی حاصل کرلیا جو کوہستان پرینیز کے اسپینی جانب واقع تھا۔ اسیکا

نتیجہ تھا کہ جب فرڈیننڈ کے انتقال کے بعد اس کا نواسا چارلس (۱۵۱۶-۱۵۵۶) اس کا جانشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ دنیا کی سب سے وسیع سلطنت کا مالک ہے چارلس تنہا اسپین ہی کے حکمران ہونے کے اعتبار سے ایک سربرآوردہ بادشاہ سمجھا جاتا تھا مگر جب اس کے ساتھ نیدرلینڈز کے ذرائع و وسائل اور آسٹریا کے آرک ڈیوک کے منصب کا بھی اضافہ ہوگیا تو پھر کوئی اس کا مدمقابل باقی نہیں رہا، اور آخر آخر ۱۵۱۹ء میں شہنشاہی کے انتخاب کنندگان نے بھی اسی کو شہنشاہ منتخب کر دیا۔

مطلق العنانی اور عدالت جرائم مذہبی

اسپین کے ارضی وسعت کے قدم بقدم شاہی طاقت میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ فرڈیننڈ اور ازابیلا نے شہروں کی مدد سے قزاق ناشوں کو مٹا کر ملک میں امن و امان قائم کر دیا تھا۔

اس کے بعد ان بادشاہوں نے اپنی توجہ طبقۂ امرا کی طرف منعطف کی۔ کاسٹیل کی جاگیری پارلیمنٹ کے اختیارات اولاً محدود کئے گئے، اس کے بعد اس کی اہمیت کو بالکل فنا کر دیا گیا۔ اراگون کی پارلیمنٹ شاہی مداخلت کے مقابلے میں کچھ زیادہ دنوں تک جدوجہد کرتی رہی مگر آخر میں وہ بھی مغلوب ہوگئی لیکن جس شے نے سب سے زیادہ مرکزی قوت کے اثر کو بڑھایا وہ عدالت جرائم مذہبی کا قیام تھا۔ یہ عدالت ملحدوں، زندیقوں اور حکومت کے دشمنوں کی بیخکنی کے لیے قائم کی گئی تھی، جس سے غرض یہودیوں اور مسلمانوں کو تباہ کرنا تھا۔ بعد میں پروٹسٹنٹ بھی اس زمرے میں داخل کر لئے گئے اس عدالت نے جس جبر و تشدد سے کام لیا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے پہلے ہی حاکم اعلیٰ ٹامس ڈی ٹورکوئے مارا (۱۴۸۳-۱۴۹۸) کے دور اقتدار میں دس ہزار آدمیوں کو زندہ جلا دیا گیا چھ ہزار آدمیوں کی تصویریں جلائی گئیں اور نوے ہزار آدمیوں کو مذہبی و ملکی سزائیں دی گئیں

انگلستان

گلابوں والی لڑائی کا ختم ہونا

انگلستان کو پندرھویں صدی میں وہ سخت اندرونی خطرہ پیش آیا، جو "گلابوں والی لڑائی" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن جب ۱۴۸۵ء میں خاندان یارک کا آخری تاجدار رچرڈ سوم جنگ باسورتھ میں شکست کھا کر مارا گیا تو اس خطرے کا خاتمہ ہوگیا۔ فاتح خود بھی خاندان ٹیوڈر کا رکن تھا

اور اس کے ساتھ ہی اس کا سلسلۂ خاندان لینکسٹر سے بھی ملتا تھا وہ ہنری ہفتم (۱۴۸۵-۱۵۰۹) کے نام سے تخت نشین ہوا، اور جب اس نے خاندان یارک کی ایک لڑکی الیزبیتھ سے عقد کر لیا تو اس نئے خاندان ٹیوڈر میں دونوں متخاصم خاندانوں کے دعاوی متحد ہو گئے اور اس طرح آخر کار خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔

ہنری ہفتم کی "پر زور بادشاہت"

ہنری ہفتم بہت ہی محتاط اور مہذب شخص تھا، اس کے دور حکومت میں، انگلستان کے اندر "شاہان ٹیوڈر کی پر زور بادشاہی" کو استحکام حاصل ہو گیا۔ انگلستان میں روائتاً اختیارات سلطنت بادشاہ اور پارلیمنٹ کے ہاتھ میں تھے اور پارلیمنٹ دارالامرا و دارالعوام دو ایوان پر مشتمل تھی مگر اس زمانے کی آب و ہوا ہی میں مطلق العنانی سرایت کر گئی تھی (جیسا کہ فرانس و اسپین کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے) پس ایک مستحکم روش پر قائم رہنے سے ہنری بھی انگلستان کی بادشاہی کو قریب قریب مطلق العنان بنا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اس غرض کے لیئے پہلے تو سرکش امرا کے اختیارات کم کیئے۔ ان کے لیئے مسلح اور وردی پوش خادموں کا رکھنا ناجائز قرار دیکر انھیں فوجی قوت سے معرا کر دیا۔ اس کے بعد ایک عدالت اسٹار چیمبر (ستارہ منزل) کے نام سے قائم کی، جس کا دارومدار بالکل اسی کے ذات پر تھا اور اس عدالت کے توسط سے وہ امرا کے حرکات و افعال پر برابر نظر رکھتا اور قانون عامہ کی خلاف ورزی کے لیئے انھیں سزائیں دیتا تھا۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ جرمانوں اور جبری قرضوں کے ذریعے سے روپیہ جمع کر لیا اور اس طرح ان معینہ محاصل سے بے نیاز ہو گیا جن کی منظوری صرف پارلیمنٹ سے ہو سکتی تھی اور ایک بڑی حد تک وہ اس امر میں کامیاب ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو طلب کیئے بغیر اپنا نام چلاتا جائے۔ اس کی ان مختلف کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں سکون قائم ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگر انگلستان کے کتب قوانین میں یہ قانون ثبت نہ ہوتا کہ بغیر منظوری پارلیمنٹ کے بادشاہ کوئی محصول نہیں لگا سکتا تو اسوقت فرانس ہی کی طرح انگلستان بھی

کامل طور پر بادشاہ کے ہاتھ میں آگیا ہوتا لیکن یہ ایک ایسی شرط تھی جس کے توڑ دینے کی نہ ہنری ہفتم کو جرأت ہو سکی نہ اس کے بعد اس کے کسی جانشین کی یہ ہمت ہوئی۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد جب عام اشخاص دولت و وقعت کے مالک بنے تو یہی وہ حربہ تھا جس نے اس "دورِ پُرزور بادشاہی" کو زمین پر گرا دیا اور پارلیمنٹ نے بادشاہ کی جگہ لیلی؂

جزو اوّل

"اصلاح" و جنگہائے مذہبی

از زمان لوتھر تا صلح وسٹ فیلیا

۱۵۱۷ - ۱۶۴۸

لوتھر اور صلح وسٹ فیلیا کے مابین ڈیڑھ سو برس کا جو زمانہ گزرا ہے اسے دور جدید کی تاریخ میں ایک علٰحدہ جزو قرار دینے کی وجہ کچھ تو وہی عام آسانی ہے جس پر تاریخ کی تمام تقسیمیں مبنی ہیں اور کچھ یہ سبب بھی ہے کہ اس جزو میں بلا ردو کد اتحاد و تسلسل قائم ہے یہ اتحاد و تسلسل یوں پیدا ہوتا ہے کہ اس تمام دور میں اصلاح کا سوال مفاد عامہ کے تمام مباحث میں سب سے مقدم ہے۔ ایک نیا عقیدہ پیدا ہو گیا ہے جس کی تمامتر کوشش یہ ہے کہ وہ مختلف حکومتوں سے اپنے قانونی جواز کو تسلیم کرائے اور حکومتیں اس شش و پنج میں پڑی ہوئی ہیں کہ اس اختراع عجیبہ کو حالات زمانہ سے کیونکر تطبیق دیں۔ کدورت و کشیدگی کے بعد جنگ کی نوبت آجاتی ہے، اور بے انتہا خونریزیوں کے بعد آخر صلح وسٹ فیلیا میں باہمی رواداری کا اصول ایک حد تک تسلیم کر لیا جاتا ہے اور رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہبوں کی رقابت کا زہر ڈنک نکال لیا جاتا ہے۔

باب (۱۸)

حالات "اصلاح" بہ ملک جرمنی تا صلح آگسبرگ ۱۵۵۵ء

کلیسا کے خلاف اعتراضات کی ترقی | رومن کلیسا کے متعلق اعتراضات کا جو زور بڑھتا جاتا تھا اس کی بحث نشاۃ جدیدہ کے باب میں ہو چکی ہے مکرراً اس کا خلاصہ

یہ ہے کہ کلیسا کی طرف سے جو عناد پیدا ہوتا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ کلیسا کے اختیارات وامتیازات بہت بڑھ گئے تھے اور اس نے بہت غیر معمولی محصول لگا رکھے تھے۔ پادریوں کے عادات واطوار ناپسندیدہ اور ان کے حرکات وافعالِ ناشائستہ ہوگئے تھے، اور نشاۃِ جدید اور تجدید علوم کی وجہ سے تعلیمیافتہ طبقات میں، زندگی کے متعلق زیادہ وسیع وعلمی خیالات عام طور پر شائع ہوگئے تھے۔

جنوب وشمال میں نشاۃ جدیدہ کا اثر۔

یہ پہلے ہی معلوم ہوچکا ہے کہ نشاۃ جدیدہ کی تحریک کی ابتدا اطالیہ سے ہوئی۔ اطالیہ سے یہ تحریک شمال کیطرف بڑھی مگر شمال میں پہنچکر اس نے دوسرا ہی رنگ اختیار کیا۔ اطالیہ میں اسکا اثر یہ ہوا تھا کہ تعمیرات وصناعی کا ایک بے نظیر دور قائم ہوگیا تھا اور اس کے ساتھ ہی عیش پرستی وسفلہ پن بھی خطرناک حد کو پہنچ گئے تھے۔ اس کے خلاف شمال کے سنجیدہ مزاج وباضابطہ قوموں میں اس نے دوسرا ہی اثر دکھایا، یہاں لوگوں کا خیال سب سے زیادہ اخلاقی اصلاح کی طرف مائل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں اطالیہ وشمال کے یورپ میں یہ بیّن فرق نظر آتا ہے کہ ایک طرف عالیشان قصر وکلیسا کی تعمیرات جاری تھی، اور نقش ونگار ومجسمات سے انکی زینت بڑھائی جارہی تھی دوسری طرف جرمنی میں، عیسائیت کے ذرائع معلومات لاطینی ویونانی وعبرانی زبانوں سے بتدریج حاصل کیئے جارہے تھے اور زیادہ پاک وصاف عقیدہ کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ شمال کے اہل علم اور علمائے قدامت میں جو لوگ اس کام میں مشغول تھے ان میں جرمنی کے علما زیادہ نمایاں تھے، اور ان میں یہی روخلن (اُلرخ فون ہیوٹن)، اور اراسمس کو نمود خاص حاصل تھی اور ان کا پایہ سب میں بلند تھا، انھیں لوگوں نے "اصلاح" کا بیج بونے کے لیئے زمین تیار کی، ان کے ذکر میں ہم چند الفاظ اس ضرورت سے لکھتے ہیں کہ یہ معلوم ہوجائے کہ انکی کوششوں کا رخ کسطرف تھا۔

جرمنی کے علمائے قدامت

جان روخلن (۱۴۵۵-۱۵۲۲) ایک بالکل ہی علمی زندگی بسر کرنے والا شخص تھا، اس کی سب سے اہم تصنیف عبرانی زبان کی صرف ونحو ہے۔ بایں ہمہ مذہب میں تعصب وغلو رکھنے والے

اس سے ناخوش تھے اور یہ لوگ اس پر بہت سخت حملے کرتے تھے اس سے علم دوست اصحاب (جن میں ہیوٹن بھی داخل تھا) روخلن کی تائید پر آمادہ ہوگئے۔ ان لوگوں نے "گم نام خطوط" کا ایک سلسلہ شائع کرنا شروع کردیا اور ان خطوں میں راہبوں، پادریوں اور ان کی وہمی طاقتوں پر اعتراضات کی بوچھار کردی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہ کثیر کی رائے رومن کیتھولک کلیسا کی ہر قسم کی خرابیوں کے خلاف میں قائم ہوگئی۔ ڈیزیڈیریس ایرسمس (۱۴۶۷-۱۵۳۶) نے بھی اس کام میں مدد کی، وہ راٹرڈیم کا رہنے والا تھا اور چونکہ اسکا اثر نہایت

ارسمس۔

وسیع اور عام تھا اسوجہ سے وہ "ملک العلما" کھلانے لگا تھا۔ روخلن کی طرح وہ بھی علم ہی سے سروکار رکھتا تھا، اس نے خاص علمی کام یہ انجام دیا کہ "عہدنامہ جدید" کے یونانی ولاطینی نسخوں کی تنقید کرکے (۱۵۱۶ء میں) ایک نسخہ مرتب کیا اور اس اعتبار سے اسے "کتاب مقدس" کے جدید انتقادات کا موجد سمجھنا چاہیے۔ مگر روخلن کے برخلاف اسکی قوت تحریر بہت زبردست تھی اور اس کا زور قلم بہت بڑھا ہوا تھا اور اسی لیئے اس نے "توصیف حماقت" (۱۵۱۱ء) کے مانند کتابوں میں اپنے اہل زمان اور اپنے وقت کے کلیسا کی کمزوریوں کا خوب ہی مذاق اڑایا ہے۔

ابتدائی زمانے کے اصلاح طلب علمائے قدامت انقلاب پسند نہ تھے۔

ارسمس اور اس کے رفقا علم کے جویا تھے، جنگجو نہیں تھے۔ ان کی تمنا یہ تھی کہ تعلیم کو وسعت دیکر علم و اخلاق کے معیار کو بلند کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ کلیسا میں اس طور سے اصلاح کیجائے کہ مذہب عیسوی کے تمام سچے معتقدین اس کے آغوش شفقت میں رہ سکیں۔ اس لیئے جب دوسری نسل کے علما نے (جو اپنے پیشروؤں کی بہ نسبت زیادہ بے باک اور دخل در معقولات کرنے والے لوگ تھے) یہ تجویز کی کہ رومن کیتھولک کلیسا سے علیحدگی اختیار کرلیجائے تو پرانے علمائے قدامت عام طور پر گھبرا اٹھے اور ایسی بیخ کن کارروائی میں کسی قسم کی مدد دینے سے انھوں نے انکار کردیا۔

مارٹن لوتھر

پس ان علمائے قدامت نے کلیسائے مسیحی کی اس تقسیم کے لیئے جسے ہم "اصلاح" سے نامزد کرتے ہیں لوگوں کے دلوں میں خیال وآمادگی تو پیدا کردی مگر خود ان کے ہاتھوں سے یہ تقسیم عمل میں نہیں آئی۔ جو شخص براہ راست اس تقسیم کا باعث ہوا وہ مارٹن لوتھر تھا، لوتھر ۱۰ / نومبر ۱۴۸۳ء کو مقام تھورنگیا میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد کاشتکاری سے تعلق رکھتے تھے، خود اس میں بھی کاشتکاروں کی سی مضبوطی وسادگی موجود تھی اور اس کے ساتھ کاشتکاروں ہی کی سی مستقل مزاجی وتوہم پرستی بھی شامل تھی۔ یہ صفات آخر وقت تک اس میں باقی رہے۔ اس کے والدین نے کسی نہ کسی طرح کچھ انتظام کرکے نوجوان مارٹن کو یونیورسٹی میں بھیجا اور ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ وکالت کا پیشہ اختیار کرے مگر وکیل بننے کے بجائے وہ اپنے میلان طبیعت پر چلتا رہا اور ۱۵۰۵ء میں فرائرز کے طبقہ "اگسٹین" میں داخل ہوکر بہت ہی انہماک کے ساتھ حصول نجات کے مسائل میں مستغرق ہوگیا، ۱۵۱۰ء میں اس نے روما کا سفر اختیار کیا اور وہاں پہنچکر دربار پوپ کی بداطواریوں کا برای العین مشاہدہ کیا۔ وہاں سے واپس آکر وہ اور زیادہ استغراق کے ساتھ سنٹ اگسٹین اور دوسرے صوفی مشرب اشخاص کے خیالات پر غور کرنے میں منہمک ہوگیا اور بتدریج اسے یہ یقین ہوگیا کہ نجات کو ظاہری اعمال، نماز روزے تسبیح وتہلیل اور زیارات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار تمامتر قوت اعتقاد پر ہے، اسی اثنا میں اس نے سیکسنی کے دار السلطنت وٹنبرگ میں میں پروفیسری کی خدمت قبول کرلی تھی اور یہ خیالات اس کے دل ودماغ میں گونج ہی رہے تھے کہ وہ اہم واقعہ پیش آگیا جس نے اسے منظر عام پر نمایاں کردیا۔

معافی نامہ اسکی اصلیت اور اسکی عملی صورت

۱۵۱۷ء میں سنٹ ڈومنک کے پیرووں میں سے ایک شخص ٹٹزل نامی جرمنی میں پوپ کے معافی نامے علی الاعلان بیچتا پھرتا تھا۔ ان معافی ناموں کی اصلیت یہ ہے کہ کلیسا کی تعلیم یہ ہے

؎ ۔ لی کی تصنیف "تاریخ عقیدہ اقرار گناہ ومعافی نامجات" دیکھنا چاہیئے۔

کہ گناہ کی معافی کے لیئے دو باتیں درکار ہیں۔ (۱) پشیمانی کے ساتھ توبہ کرنا اور (۲) جسمانی سزا برداشت کرنا، توبہ ہمیشہ شرط لازمی کے طور پر باقی رہی لیکن بہت جلد یہ فیصلہ ہوگیا کہ کسی نیک مقصد کے لیئے کلیسا کو کچھ رقم نذر کر دینے سے جسمانی سزا سے درگزر ہو سکتی ہے۔ جس خط میں اس درگزر کی تصدیق کیجاتی تھی اسے "معافی نامہ" کہتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ معافی نامے اگرچہ اولاً پوری عزت وقعت کے سزاوار تھے مگر پاپاؤں کے دلوں میں ہمیشہ یہ خیال جاگزیں رہا کہ اسے مالی منفعت کا ذریعہ بنانا چاہیئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "نشاۃ جدیدہ" کے پاپاؤں نے اس سے بہت بری طرح کام لیا۔ انھوں نے اپنے گماشتوں کو اجازت عام دے رکھی تھی کہ ہر قسم کے گناہ کیلیئے ایک خاص رقم کے عوض میں یہ معافی نامے فروخت کریں۔

پچانوے دلائل

ٹنزل کی اس تجارت نے بہت برہمی پیدا کر دی اور یہ ایک ایسی بات تھی کہ پہلے ہی سے قیاس میں آسکتی تھی لوتھر کا امتیاز خاص صرف یہ ہے کہ اس نے جرائت کر کے اس معاملے کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ ۳۱۔ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو اس نے وٹنبرگ کے کلیسا کے دروازے پر ایک تحریر لکھکر لگا دی اور اس میں معافی ناموں کے خلاف پچانوے دلائل بیان کیئے۔ تمام ملک سے زور شور کے ساتھ نعرۂ تحسین بلند ہوگیا، مذہب رومن کیتھولک کے عالی حامیوں نے بھی ان دلائل کا جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس سے ایک سخت مناظرہ و مباحثہ کی صورت پیدا ہوگئی اور اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ کر کے مذہب پروٹسٹنٹ پیدا ہوگیا۔

لوتھر کے اعتراض نے تفرقہ کیونکر پیدا کر دیا؟

لوتھر نے جسوقت اپنے پچانوے مسائل شائع کیئے ہیں اسوقت تک وہ کلیسا کا ایک اچھا فرزند تھا، لیکن آئندہ چند برسوں میں اسکی جو مخالفت ہوئی اس نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ کیتھولک مذہب کے کل نظام کی تحقیق کرے اور اس چھان بین میں اسے بہت جلد یہ محسوس ہوگیا کہ ان معافی ناموں کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں اس رومن کیتھولک طریقے میں ایسی ہیں جنہیں وہ قبول نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھکر اسے پوپ کے

اس اختیار و اقتدار کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی جسکا واسطہ مخالفین ہر وقت دیتے رہتے تھے یہ اس اختیار کے خلاف اس نے کتب مقدس کو سند قرار دیا، اور ۱۵۲۰ء میں اس نے ایک رسالہ "قید بابل" کے نام سے لکھا اور اسمیں علی الاعلان پوپ کو غاصب قرار دیا۔ لیو دہم ابتک یہی کوشش کر رہا تھا کہ جرمنی کے یہ غرخشے مٹ جائیں مگر اس حد پر آکر اس کی قوت ضبط نے بھی جواب دیدیا۔ اس نے لوتھر کو خارج از ملت کیئے جانے کا ایک فرمان جاری کر دیا لیکن ادہر لوتھر میں بھی اب اپنے تبلیغی فرض کا احساس جوش کی حد تک پہنچ گیا تھا، اس نے حقارت کے ساتھ اس فرمان کو آگ میں ڈالدیا اور اس کے پیرو اسے دیکھتے اور خوش ہوتے رہے۔ یہ واقعہ ۱۵۲۰ء میں پیش آیا۔ لوتھر یہ دعوے کر سکتا تھا کہ اصلاح کا معاملہ پیش کیا گیا اور اسے مسترد کر دیا گیا اور اس لیئے اب انقلاب کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا ہے ؛

لوتھر شہنشاہ کے سامنے طلب کیا گیا ؛

لوتھر کو جب پوپ نے ملحد قرار دیدیا تو حکام ملکی اگر اس حکم پر عمل کرنا چاہتے تو لوتھر کی جان کا خطرہ تھا پس اس معاملے پر غور کرنے کے لیئے نوجوان چارلس پنجم نے جو ۱۵۱۹ء میں شہنشاہ منتخب ہو گیا تھا لوتھر کو کنار رائن پر بمقام ورمز اپنے روبرو حاضر ہونے کا حکم دیا یہاں ایک ڈائٹ سلطنت معاملات ملکی پر غور کرنے کے لیئے اسوقت جمع تھی۔ خود لوتھر کو اور قوم جرمن کے اس حصے کو جو پورے جوش کے ساتھ اس کی پیروی کر رہا تھا اطمینان دلانے کے لیئے شہنشاہ نے ایک باضابطہ وعدہ یہ شایع کیا کہ برادر مارٹن کو یہاں کی آمد و رفت میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس پر بھی اسکے دوستوں نے اس سے یہی التجا کی کہ وہ نہ جائے اور اسے یہ یاد دلایا کہ کانسٹینس میں ہس کے ساتھ کیا پیش آچکا ہے۔ لیکن اس نے بیخوف و خطر یہ جواب دیا کہ وہ اس گھر کی چھاجن میں جسقدر کھپریل ہیں اگر ورمز میں اتنے ہی شیاطین جمع ہوں تب بھی میں جاؤنگا۔ چنانچہ ۱۷ اپریل ۱۵۲۱ء کو وہ ڈائٹ کے روبرو حاضر ہو گیا ؛

لوتھر بمقام ورمز ۱۵۲۱ء

ورمز میں جو منظر پیش آیا وہ واقعات تاریخی میں دلپذیر ایک بہت ہی اثر کرنے والا منظر تھا۔ اس غریب راہب کی زندگی

میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ والیانِ ملک اور اساقفہ کے ایک شاندار مجمع کے سامنے کھڑا تھا اور اس مجمع کے اکثر لوگ اسے شک و نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے خیال سے رجوع کرے، اس نے اس سے اتفاق کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ کتاب مقدس کے دلائل سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ غلطی پر ہے، آخر میں اس نے یہ کہا کہ "میں یہاں موجود ہوں اور اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے، آمین"
قوم نے اس پر احسنت و مرحبا کا شور بلند کر دیا مگر اس کے دوستوں کو اس کی سلامتی جان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اس لیئے اس کے مہربان آقا والی سیکسنی نے اسے اپنی حفاظت میں لیکر خفیہ طور پر قلعۂ وارٹبرگ میں بھجوا دیا۔
لوتھر جب اس طرح اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو چکا اسوقت شہنشاہ نے بمقام ورمز اپنا فیصلہ صادر کیا۔ چارلس ابھی ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا، اس کی عمر صرف اکیس برس کی تھی مگر اس میں سیاسی حوصلہ مندی اور قابلیت کے جوہر نمایاں تھے اور اس نے بالطبع یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر لوتھر اسی طرح آزادی سے اپنا کام کرتا رہا تو ضرور اس سے جرمنی میں ایک تفرقہ برپا ہو جائیگا اور شہنشاہی قوت جو اسوقت بھی کمزور ہے اور زیادہ کمزور ہو جائیگی۔ علاوہ ازیں چارلس ایک مذہبی شخص اور کلیسا کا مطیع و منقاد تھا وہ اگرچہ اصلاح کا جانبدار تھا مگر وہ اس کا روادار نہیں تھا کہ یہ اصلاح مقتدایانِ مذہب کی مرضی کے خلاف عمل میں لائی جائے۔
آخری بات یہ ہے کہ وہ ملان کے قبضے کے متعلق فرانسیس اول (شاہ فرانس) سے بہت جلد جنگ شروع کیا چاہتا تھا اور اس مہم کے لیئے وہ پوپ کی رفاقت کو ضروری سمجھتا تھا۔ یہ وجوہ تھے جنکی بنا پر چارلس نے ۲۶ مئی ۱۵۲۱ء کو لوتھر کے خارج الذمہ کیئے جانے کا حکم شائع کر دیا، یہ حکم فرمان ورمز کے نام سے مشہور ہے اور اس میں یہ اعلام کیا گیا تھا کہ اس زندیق (لوتھر) کی حیات ضبط کر لیگئی یعنی اس کا قتل کر دینا کسی باز پرس کا مستوجب نہیں ہوگا اور اس کی تحریروں کا پڑھنا بھی ممنوع قرار دیدیا گیا۔ چارلس نے یہ خیال کر لیا کہ اس طرح اس نے جرمنی کے مشکلات کا انسداد و تدارک کر دیا ہے اور اب وہ فرانس سے جنگ آزمائی

کرنے کیلئے اطالیہ کیطرف روانہ ہوگیا۔

فرمان ورمز کی تعمیل نہیں ہوئی

لیکن اصلاح کی تحریک نے اب اسقدر قوت پکڑ لی تھی کہ محض ایک شہنشاہی فرمان سے اسکا بند ہوجانا دشوار تھا۔ اگر چارلس کو یہ موقع حاصل ہوتا کہ وہ خود بذات خاص جرمنی میں رہکر لوتھر کے خلاف اپنے حکم کی تعمیل کراتا یا جرمنی کی اصلی قوت اس کے متعدد والیان ملک کے ہاتھوں میں منقسم نہ ہوتی جو صورت حالات کے اعتبار سے اس معاملے میں مختلف الرا‌ئے ہوگئے تھے تو اصلاح کی تاریخ کی صورت کچھ اور ہی ہوتی۔ لیکن حالت یہ تھی کہ چارلس کا خیال کسی ایک طرف مجتمع نہیں تھا، اسے اسپین، اطالیہ، ندرلینڈز اور امریکہ سب کی فکریں کرنا تھیں، اور اکثر وہ ہمہ تن انہیں ممالک کے معاملات میں غرق رہتا تھا اور جرمنی کے والیانِ ملک کی کیفیت یہ تھی کہ اگر وہ رومن کیتھولک خیال کے لیئے تو انھوں نے فرمانِ ورمز کو باول نخواستہ قبول کرلیا تھا اور اگر پروٹسٹنٹ خیال کے لیئے تو اس کی تعمیل سے صاف انکار کردیا تھا ان حالات میں مسئلہ اصلاح کچھ دنوں تک بحال خود چھوڑ دیا گیا اور یہی اس کی جانبری کا وسیلہ بنگیا

اصلاح کی ترقی

لوتھر اور اس کے پیرووں کی پروٹسٹنٹی رایوں نے بہت تیزی کے ساتھ جرمنی پر فتح پائی خانقاہیں بند کردی گئیں اور قسیسوں اور اسقفوں نے روما کی اطاعت کو ترک کر کے لاطینی زبان میں نماز ادا کرنے کے بجائے قومی زبان سے کام لینا شروع کردیا۔ تمام ملک کی را‌ئے میں جب اس قسم کا ہیجان موجود ہو تو یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ کبھی کبھی لاابالی و بے باک اشخاص عوام الناس کو اپنی طرف متوجہ کرلیں حقیقت یہ ہے کہ دو تحریک اصلاح کو ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ اسے اپنے مخالفوں سے زیادہ خود اپنے انتہاپسند عنصر سے خطرہ پیش آگیا۔ خود لوتھر سے زیادہ صاف طور پر کسی نے اس خطرے کو محسوس نہیں کیا۔ وہ اس خیال پر جما ہوا تھا کہ اس تحریک کو تیقن کی روش پر چلنا اور اعتدال کے ساتھ قدم بڑھانا چاہیئے، اور جو شخص بھی اس معاملہ میں غلو و مبالغہ برتے یا اس تحریک سے جسکی بنا خالصتہً مذہب پر ہے کوئی اور کام لے تو اسے بے تامل اپنے گروہ سے خارج کردیا جائے۔

یہ خیالات کسی طرح غیر دانشمندانہ نہیں کہے جا سکتے اور اس سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعد کی انقلابی کیفیات کے زمانے میں لوتھر نے جو روش اختیار کی اس کی اصلیت کیا تھی ؟

نیغ کن جوش دینیات

لوتھر ابھی وارٹبرگ میں روپوش ہی تھا کہ پروٹسٹنٹ مجنونوں نے تصویروں کے توڑ ڈالنے اور اس قسم کے دوسری مذہبی زیادتیوں کے متعلق وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوتھر کو جب اسکی خبر ہوئی تو وہ دفعتہً اپنے پوشیدہ مقام سے نکل پڑا اور اپنے پیروؤں کو جمع کر کے اپنے ہی سے معتدل اصول پر انھیں مستحکم کر لیا اور ان مجنونوں کو سیکسنی سے خارج کر دیا۔ (۱۵۲۲ء) ؟

شورش مزارعین
۱۵۲۴ - ۱۵۲۵

جرمنی میں جو ہیجان پیدا ہو گیا تھا اس نے یہ اثر دکھایا کہ دوسرے سال (۱۵۲۳ء) کنار رائن کے ملک میں نائٹوں (متوسط الحال طبقہ) نے بغاوت کر دی اور اسکے تھوڑے ہی دنوں بعد جنوب مشرقی و وسطی جرمنی کے کسانوں نے ایک بہت بڑی شورش برپا کر دی۔ یہ شورش دراصل معاشرتی وجوہ سے پیدا ہوئی تھی مگر اسوقت کے مذہبی جوش سے اس کے لیئے ایک فوری عذر و حیلہ ہاتھ آگیا۔ یہ امر کہ کسانوں کی یہ جنگ معاشرتی وجوہ پر مبنی تھی اس سے ثابت ہے کہ اس سے قبل کی صدی میں بھی کسانوں نے بارہا بغاوتیں کی تھیں اور انھیں سابقہ تحریکوں کے مثل اسوقت کی تحریک کی اصلی غرض بھی یہی تھی کہ کسانوں کی حالت درست کیجائے۔ کسان اسوقت محض نیم غلاموں کی حالت میں تھے اور ان کی ذات وجائداد ان کے آقاؤں کی مرضی و خود رائی کے تابع تھی۔ ان غریبوں نے یہ سمجھا کہ "اصلاح" بنی نوع انسان کی برادری عامہ کا اعلان ہے اور اس لیئے وہ بھی اس غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ چند معمولی انسانی حقوق انھیں بھی حاصل ہو جائیں لیکن حد سے بڑھے ہوئے پرجوش لوگوں کے اثر میں کسان

لہ۔ اس تحریک کے مطالبات جو "دفعات دوازدہ" پر حاوی تھے ان میں سے اہم مطالبات نیم غلامی کی موقوفی منصفانہ لگان کا اجرا، اور مفت کاشتکار گاہوں کی برطرفی تھی ؟

بہت جلد زیادتیوں کا ارتکاب کرنے لگے، انھوں نے اپنے آقاؤں کو بری طرح قتل کر ڈالا اور ملک میں ایک ناقابل برداشت طوائف الملوکی برپا کر دی شہنشاہ کی قوت اسقدر کمزور تھی کہ وہ اس بغاوت کے فرو کرنے سے بالکل قاصر تھا مگر حکمرانان مقامی یعنی والیانِ ملک نے باتفاق یکدگر ایک فوج مرتب کی اور کسانوں کے بے ترتیب مجمعوں کو ہباءً منثورا کر دیا۔ لوتھر نے بہت درشت الفاظ میں ان کسانوں کے خلاف جوش دلایا جسکا اثر یہ ہوا کہ فاتحوں نے قتلِ عام سے اپنے دل کے بخارات نکالے اور غریب شورشیوں کو ہزاروں کی تعداد میں قتل کر ڈالا۔

لوتھر کی قابل اعتراض روش

کسانوں کے متعلق لوتھر نے جو روش اختیار کی اس پر بہت اعتراضات ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے جیسی سخت و درشت زبان استعمال کی اس کے متعلق کوئی عذر پیش نہیں کیا جاسکتا مگر جس اضطراب کے ساتھ اس نے حکام کی تائید کی کم از کم اس کی وجہ تو سمجھ میں آسکتی ہے، ہمیں خیال کرنا چاہیئے کہ لوتھر اس امر کو اچھی طرح سمجھا تھا کہ جس تحریک کو وہ اوّل سے عزیز رکھتا ہے اس کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ منتظم طریقے سے اعتدال کے ساتھ چلائی جائے اور ہر قسم کی زیادتیوں سے پاک و صاف رہے ؛

چارلس پنجم اور فرانسس اول کی لڑائیاں

ادھر جرمنی میں یہ واقعات پیش آرہے تھے " ادھر چارلس پنجم ہمہ تن فرانس سے جنگ کرنے میں مشغول تھا اور فی الاصل یہ جنگ اس کے تمام زمانۂ حکومت میں جاری رہی، تھوڑے تھوڑے زمانے کے لیئے صلح ہو جاتی تھی مگر اس کا کچھ اعتبار نہیں تھا، اور اسی وجہ سے چارلس کو یہ موقع نہ مل سکا کہ جرمنی میں "اصلاح" کے متعلق پوری طرح توجہ کر سکے۔ اس طویل جنگ وجدال کے صرف دو تین اہم و نازک مواقع کا اشارہ کر دینا ہمارے اغراض کے لیئے کافی ہوگا۔ ۱۵۲۵ء میں چارلس کی فوج نے

جنگ پاویا ۱۵۲۵ء

فرانسیسوں کو بمقام پاویا ایسی سخت شکست دی کہ خود شاہ فرانس فرانسس اول گرفتار ہو گیا اور اسے بحالت قید میڈرڈ بھیجدیا گیا، وہاں چارلس نے فرانسس کو ایسی سخت شرائط

صلح کے منظور کرنے پر مجبور کیا کہ اس نے رہا ہوتے ہی ان شرائط کو توڑ دیا اور پوپ و ہنری ہشتم (شاہ انگلستان) کو اپنا جانبدار بنا کر اپنی قوت کو مضبوط کر لیا مگر جب دوسری جنگ ہوئی تو اسے کچھ ایسا نفع نہ پہنچا۔

بربادی روما ۱۵۲۷ء

۱۵۲۷ء میں چارلس کی فوج نے جسمیں اہل اسپین اور جرمنی کے پیروان لوتھر شامل تھے، بہت ہی بری طرح روما کو برباد کیا اور اس سے تھوڑے ہی دنوں بعد پوپ اور فرانسس اول کو مجبور ہو کر شہنشاہ سے صلح کرنا پڑی۔ ۱۵۲۹ء کی صلح کامبرے کی رو سے فرانسس نے شہر ملان، آرتوا و حصۂ فلینڈرز واقع نیدرلینڈ کا استحقاق سیادت اپنے رقیب کو حوالے کر دیا اور دوسرے سال پوپ نے باضابطہ طور پر مقام بولونیا میں چارلس کو شہنشاہی کا تاج پہنا دیا۔

چارلس کا جرمنی میں واپس آنا
آگسبرگ کی ڈائٹ ۱۵۳۰ء

چارلس کو اب کچھ دنوں کے لئے فرانس سے چھٹکارا ملگیا اور اس نے یہ قصد کیا کہ جرمنی کے معاملات پر پھر نظر ڈالے۔ "اصلاح" کا کام اسوقت تک مکمل ہو چکا تھا۔ چارلس جب تک جرمنی سے باہر رہا اسے رومن کلیسا کے طرفداروں اور سنی سنائی باتوں سے اصلاح کے حالات کا علم ہوتا رہا اور وہ ابتک اسی خیال میں پڑا ہوا تھا کہ یہ ایک معمولی بات ہے اور اس کا تدارک آسان ہے۔ گویا آج بھی وہی دن تھا جو ورمز میں تھا آخر اسے اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور سخت تنبہ ہوا، اس سے ملنے کے لئے ایک ڈائٹ شہر آگسبرگ میں طلب کی گئی تھی اور اس میں ایک شاندار مجمع دونوں قسم کے والیان ملک کا جمع ہوا، پیروان لوتھر بھی تھے اور رومن کلیسا کے معتقد بھی۔ چارلس نے اول ایسی روش اختیار کی گویا وہ ایک ثالث کے طور پر کام کرنا چاہتا ہے اور پیروان لوتھر سے اس نے یہ خواہش کی کہ وہ اپنے دعاوی پیش کریں۔ انھوں نے اسکے جواب میں وہ تحریر

عقاید نامہ آگسبرگ

پیش کی جو عقائد نامہ آگسبرگ" کے نام سے مشہور ہے، یہ تحریر اس زمانے کے پروٹسٹنٹوں میں اس درجہ مقبول ہوئی کہ اسوقت

لہ۔ فریقانہ حیثیت سے لوتھر کے پیروؤں کیلئے "پروٹسٹنٹ" کا لفظ اسی زمانے سے استعمال ہونا شروع ہوا اسکی اصل وہ پروٹسٹنٹ (اعتراض) ہے جو پیروان لوتھر نے فرمان ورمز کی تعمیل کے خلاف ۱۵۲۹ء میں شایع کیا تھا۔

سے یہی تحریر لوتھر کے کلیسا کی بنیاد قرار پاگئی ہے۔ لیکن آخر میں چارلس ڈوائٹ کی رومن کیتھولک کثرتِ رائے کے ساتھ ہوگیا۔ اور اس نے اپنا یہ منشا ظاہر کر دیا کہ وہ بہر صورت لوتھر کے خلاف فرمانِ ورمز کی تعمیل کرانا اور ان لوگوں کو سزائیں دینا چاہتا ہے جنھوں نے مذہب میں بدعتیں پیدا کی ہیں، اس مصیبت کو بیچارگی کے ساتھ برداشت کرنے کے بجائے پروٹسٹنٹ، قوت سے کام لینے پر آمادہ ہوگئے اور سب کے سب ایک عظیم الشان مدافعتی لیگ میں متفق ہوگئے، یہ معاہدہ مقام شمالکالڈ میں ہوا تھا اور اسوجہ سے اس کا نام ہی لیگ شمالکالڈ ہوگیا۔ (۱۵۳۱ء)

اقتضائے وقت نے چارلس کے لیئے یہ دقت پیدا کر دی کہ وہ پروٹسٹنٹوں کے خلاف قوت سے کام نہ لے سکے۔

اس طرح کلیسا کے تفرقے سے یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں ملک میں خانہ جنگی نہ برپا ہو جائے لیکن سر دست یہ کشمکش ملتوی ہوگئی کیونکہ چارلس کو اب بھی یہ امید تھی کہ وہ لطف و آشتی سے اس معاملے کو طے کر دے گا، ماسوا اسکے وہ دوسرے معاملات میں بھی پھنس گیا تھا، ترکوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی وہ ڈینیوب کی طرف بڑھتے آرہے تھے اور وائنا کو خطرے میں ڈال دیا تھا، پس ترکوں کے مقابلے کی ضرورت سے چارلس کو بدرجۂ مجبوری پروٹسٹنٹوں کو رضامند کرنے کی تدبیر کرنا پڑی۔ آخر اس نے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ فی الحال ان کے خلاف ہر قسم کی کارروائیوں کو ملتوی کر دیگا جس کا صلہ اسے یہ ملا کہ ترکوں کے خلاف اسکی ۱۵۳۲ء کی مہم میں پروٹسٹنٹوں نے دل سے اسکا ساتھ دیا لیکن ترکوں کے ہٹتے ہی شہنشاہ کو دوسری طرف توجہ کرنا پڑی۔ شمال افریقہ کے مسلمان بحری قزاق[1] بحیرۂ روم

[1] اگر مسلمان اپنے مذہب یعنی اسلام کے ایسے دشمنوں کا مال لوٹ لیں جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تو اسلام میں وہ قزاق نہیں سمجھے جا سکتے۔ لیکن علاوہ اسکے مذہبی نقطۂ نظر کے یہ لوگ کسی نہج سے بھی قزاق نہیں کہے جا سکتے اہل یورپ نے شمالی افریقہ کے ان بہادر مسلمانوں کو جو اس لفظ سے اکثر یاد کیا ہے وہ محض انکے تعصب بیجا کی دلیل ہے اور وہ اس سے اپنی شکست فاش کی خفت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں (مترجم)

کی تجارت کو برباد اور اطالیہ و اسپین کے سواحل کو غارت کر رہے تھے۔
یہ ملاح ابھی تک مغلوب نہیں ہوئے تھے کہ فرانسس اول (شاہ فرانس) نے پھر جنبش شروع کر دی۔ چارلس اکثر دل ہی دل میں جرمنی کا خیال کیا کرتا اور پروٹسٹنٹ خیالات کی ترقی کو خوف کی نظر سے دیکھا کرتا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا اس کا سارا وقت فرانسیسیوں، ترکوں اور افریقہ کے قزاقوں کے مقابلے اور دفیعے میں صرف ہوا جا رہا تھا اور اس مذہبی انقلاب کے خلاف جب وہ تلوار کھینچنے کی تیاری کرتا تو انہیں امور میں سے کوئی نہ کوئی امر سد راہ ہو جاتا تھا۔

۱۵۴۵ء میں چارلس نے ایک بار پھر پروٹسٹنٹوں کے معاملات کی طرف توجہ کی۔

ان وجوہ سے ۱۵۴۵ء تک یہ نہ ہو سکا کہ چارلس سب طرف سے یکسو ہو کر جرمنی کے "اصلاح" کے معاملات پر توجہ کر سکتا اس مرتبہ اسے یہ امید تھی کہ ایک قطعی تصفیہ ہو جائے گا۔ اس نے حال ہی میں (۱۵۴۴ء) کی صلح کریپی کے ذریعے سے فرانس کے ساتھ ایک دوسری جنگ کو بند کیا تھا، اس جنگ میں شاہ فرانس کو مثل سابق کچھ ایسی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں شہنشاہ اسوقت سلطان سلیمان کی طرف سے بھی مامون تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس زمانے میں پوپ کی خوشنودی بھی اسے حاصل تھی بلکہ پوپ نے اس حد تک قدم آگے بڑھائے تھے کہ کلیسا کی جس مجلس عام کے طلب کرنے کے لیئے شہنشاہ مدت سے اصرار کر رہا تھا

مجلسِ ٹرنٹ

اور جسے وہ پروٹسٹنٹ تفرقے کا یقینی علاج سمجھتا تھا، اس کے اب بمقام ٹرنٹ مجتمع کیئے جانے کے لیئے پوپ نے اعلان کر دیا۔ چنانچہ یہ مجلس ۱۵۴۵ء میں جمع ہوئی اور قرار پایا کہ اس مقتدر ذی اختیار جماعت میں پروٹسٹنٹ بھی اپنے وکیل بھیجیں جو ان کی طرف سے دلائل پیش کریں، توقع یہ تھی کہ مجلس جو کچھ فیصلہ کردیگی تمام پروٹسٹنٹ فریق اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے گا اس لیئے جب مجلس جمع ہوئی تو شہنشاہ نے پروٹسٹنٹوں کو بھی اس سے مطلع کیا مگر وہ مجلس کی ہیئت ترکیبی کو مشتبہ سمجھتے تھے اس لیئے انھوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب چارلس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب مزید گفت وشنود بیکار ہے تو ۱۵۴۶ء میں وہ زور و قوت سے کام لینے پر آمادہ

ہوگیا، چونکہ وہ پروٹسٹنٹ جو معاہدہ شمالکالڈ میں متفق ہوگئے تھے کسی طرح اطاعت پر راضی نہیں ہوتے تھے اس لیئے مسئلہ "اصلاح" کے متعلق جرمنی پر پہلی خانہ جنگی کی مصیبت نازل ہوئی ؛

لوتھر کا انتقال۔ ۱۵۴۶

جنگ وجدل شروع ہونے کے قبل ہی لوتھر کا انتقال ہوگیا اور وہ اس المناک نظارے کے دیکھنے سے بچ گیا کہ جس تحریک کا وہ بانی ومبانی ہوا ہے اسی کی وجہ سے اس کے اہل ملک میں کشت خون ہو رہا ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی دلیرانہ طور پر سادگی کے ساتھ بسر کی اور اگرچہ درشت خوئی وسخت کلامی کا جو دھبّا اس پر لگا ہے وہ پاک نہیں ہوسکتا تاہم فیاضی کا اقتضا یہ ہے کہ اس خصلت کو اس بلند منزلت کا نتیجہ سمجھا جائے جسکی ذمہ داری کا بار دفعتہً ایک ایسے شخص پر پڑ گیا تھا جس کی تعلیم وتربیت ایک راہب وعزلت گزیں شخص کے طور پر ہوئی تھی ؛

پہلی جنگ مذہبی۔ ۱۵۴۶–۱۵۴۷

جرمنی کی پہلی جنگ مذہبی کچھ زمانے تک شہنشاہ کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ تمام پروٹسٹنٹ والیان ملک نے ایک ساتھ ہو کر کام نہیں کیا، صرف ۱۵۴۷ء میں ایک سخت جنگ مقام میولبرگ میں ہوئی اور اس میں شہنشاہ نے سب سے بڑے پروٹسٹنٹ حکمران (والی سیکسنی) کو قید کر لیا۔ چارلس کی اس فتح میں اس امر کا اثر بھی کچھ کم نہیں پڑا کہ والی سیکسنی کا ایک قرابتدار موریس رومن کیتھولکوں کیطرف ہوگیا تھا۔ اس کا صلہ اسے یہ ملا کہ وہ سیکسنی کا والی بنا دیا گیا مگر اس نفع کے حاصل کر لینے کے بعد وہ پھر اپنے ہم مشرب پروٹسٹنٹوں کی طرف مائل ہونے لگا اور اپنے محسن کے ساتھ نہایت ہی خودغرضانہ دغا کرنے پر آمادہ ہوگیا ؛

حالات کا چارلس کے خلاف ہوجانا۔

فتحیاب ہونیکے بعد چارلس کو پھر وہی اپنا پرانا تدارک یاد آیا کہ تمام فرقوں کی ایک عام مجلس طلب کیجائے، لیکن پوپ کی بے رغبتی اور پروٹسٹنٹوں کے شکوک وشبہات نے اس تجویز کو پھر ناکام بنا دیا۔ اس کوشش کے بعد اس کے لیئے سوا اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ حکماً مذہبی صلح کا اعلان کردے۔ چنانچہ اس نے

"احکام ہنگامی" کی رو سے ایک انتظام کر دیا۔ اس انتظام میں اگرچہ رومن کیتھولکوں کی جانبداری کا رنگ غالب تھا مگر پروٹسٹنٹوں کے واسطے بھی چند عارضی رعائتیں کر دیگئی ہیں۔ تاہم یہ "احکام ہنگامی" پروٹسٹنٹوں میں بہت جلد نامطبوع ہو گئے اور چارلس نے چونکہ اپنے اسپینی سپاہیوں کو ملک پر مسلط کر رکھا تھا اس لیئے سب کو یکساں نفرت پیدا ہو گئی۔ پس جب مورلیس (والی سیکسنی) پھر اپنے ہم مذہبوں سے مل گیا تو ۱۵۵۲ء میں جرمنی کے تمام لوگ ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شہنشاہ کو معلوم ہو گیا کہ اس متحدہ مطالبہ کے سامنے وہ بالکل بے قابو ہے۔ اسے بڑی تیزی کے ساتھ کوہِ آلپس کے پار بھاگنا پڑا۔ آخر وجع مفاصل کی تکالیف اور قبل از وقت بڑھاپے کے صدمات سے مجبور ہو کر اس نے پیروان لوتھر کے خلاف اپنی زندگی بھر کی جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے بھائی فرڈیننڈ نے مقام پاساؤ میں پروٹسٹنٹوں کے ساتھ ایک ابتدائی صلح پر دستخط کر دیئے اور ۱۵۵۵ء میں آگسبرگ کی ڈائٹ میں ایک مختتم صلح موکد ہو گئی۔ جس کی تصدیق ہر طبقے نے کر دی۔ یہ صلح آگسبرگ کی مذہبی صلح کے نام سے مشہور ہے۔

چارلس نے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا

صلح آگسبرگ۔ ۱۵۵۵ء

صلح آگسبرگ میں لوتھر کے کلیسا کو قانوناً تسلیم کر لیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ ڈائٹ کے ہر طبقے (یعنی ہر ایک حکمران اور ہر ایک شہنشاہی شہر) کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ فرداً فرداً لوتھر کے عقیدے کو منظور یا نامنظور کر دیں۔ اس اصول کے موافق کہ بادشاہ کو اپنے ملک کے لیئے مذہب کے قرار دینے کا بھی حق حاصل ہے حکمرانوں کے لیئے مذہبی رواداری منظور ہو گئی تھی مگر انفرادی و عام رواداری منظور نہیں ہوئی تھی۔ رعایا کے ہر فرد کو اس امر پر مجبور کیا جا سکتا تھا کہ اسکی سلطنت نے جو مذہب اختیار کر لیا ہے وہ بھی اس مذہب کو قبول کرے۔ جرمنی میں بے شمار ایسے اساقفہ تھے جو امرائے ملک کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے معاملات کے تصفیے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ پروٹسٹنٹوں کی خواہش یہ تھی کہ دونوں مذہبوں میں کسی ایک مذہب کے اختیار کرنے میں جو حق والیانِ ملک کو دیا گیا ہے وہی ان اساقفہ کو بھی دیا جائے

جو ملکی امیروں کی حیثیت رکھتے ہیں مگر فریقِ مخالف اس پر معترض تھا۔ آخر ایک دفعہ اس کے متعلق رکھی گئی کہ جو اسقف چاہے مذہب پروٹسٹینٹ اختیار کرے

دفعہ تحفظ کلیسائی

مگر یہ اس کا ذاتی فعل ہوگا اس صورت میں اسے اپنے عہدے سے کنارہ کش ہونا پڑے گا۔ یہ دفعہ "دفعہ تحفظ کلیسائی" کے نام سے مشہور رہی ہے۔ یہ دفعہ تمام تر رومن کیتھولکوں کے مفید مطلب تھی اور بہت جلد اس سے سخت ابتری پیدا ہوگئی کیونکہ اس پر عملدر آمد کرنا بہت دشوار تھا متعدد حلقہہائے اساقفہ خاصکر شمال کے حلقے پروٹسٹینٹوں کے ہاتھ میں آگئے اور صلح آگسبرگ کی اس دفعے کی خلاف ورزی سے جو مناقشے پیدا ہوئے ان سے مذہبی اضطراب برابر قائم رہا اور ایک دوسری مذہبی جنگ پر منتج ہوا۔

فرانس کے ساتھ پروٹسٹینٹوں کا اتفاق

پروٹسٹینٹوں کو شہنشاہ پر جو فتح حاصل ہوئی اسکی قیمت جرمنی کو بہت سخت دینا پڑی اور اسے بہت بڑے نقصان کا متحمل ہونا پڑا۔ اپنی فتح کو یقینی بنانے کے لیے موریس (والیِ سیکسنی) نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ ہنری دوم شاہِ فرانس کے ساتھ شریک ہو جائے اور جس سال (۱۵۵۲ء) میں موریس نے شہنشاہ کو آلپس کے پار بھگایا ہے اسی سال ہنری دوم نے جرمنی پر حملہ کر کے میٹز، ٹول اور وردون کی اسقفیوں پر قبضہ کر لیا اور ان مقامات سے اسے بیدخل کرنا ناممکن ہوگیا۔

چارلس کی منصب شاہی سے دست کشی اور اس کا انتقال

ان آخری صدمات سے شہنشاہ بالکل شکستہ خاطر ہوگیا اور ۱۵۵۵ء میں سلطنت سے انخلاع کر کے اسپین کی خانقاہ سان یوسٹ میں چلا گیا، اور وہیں دو برس بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ خاندان ہاپسبرگ کے وہ وسیع مقبوضات جو تنہا اسکے ہاتھ میں تھے اس کے انخلاع کے بعد، حصوں میں منقسم ہوگئے۔ اسپین (مع نو آبادیات، مقبوضات اطالیہ (نیپلز و میلان) اور نیدرلینڈز، اس کے بیٹے فلپ کے حصے میں آئے، اور ممالک آسٹریا اور اسکے ساتھ تاج شہنشاہی پر اسکے بھائی فرڈیننڈ کا قبضہ ہوگیا۔ اسوقت سے خاندانِ اسپین کے انقطاع (یعنی ۱۷۰۰ء) تک یورپ میں خاندانِ ہاپسبرگ کے دو سلسلے حکمراں رہے، ایک اسپین میں دوسرا آسٹریا میں۔

باب نوزدہم

یورپ میں "اصلاح" کی رفتار کی ترقی اور مذہب کیتھولک کی اصلاح بالمقابل

ڈنمارک، ناروے اور سویڈن کا لوتھر کے طریق کو قبول کر لینا

پروٹسٹنٹ طریق اصلاح بہت تیزی کے ساتھ جرمنی سے گزرتا ہوا شمال کے ٹیوٹنی ممالک میں پھیل گیا اور لاطینی ممالک (فرانس، اطالیہ و اسپین) بھی اس کے حملوں سے محفوظ نہیں رہے۔ اسکینڈنیویا کی تینوں سلطنتیں ڈنمارک، ناروے اور سویڈن ۱۳۹۷ء کے اتحاد کالمر کے وقت سے ایک بادشاہ کے تحت میں متحد تھیں لیکن سولھویں صدی کے آغاز میں یہ اتحاد شکست ہو گیا کیونکہ سویڈن نے اس سے انحراف کر کے اپنے ملکی خاندان واسا کے تحت میں اپنے کو خود مختار بنا لیا۔ البتہ ڈنمارک اور ناروے ڈینی بادشاہوں کے تحت میں نپولین کے وقت تک متحد رہے۔ سویڈن کی خود مختاری کی کشمکش میں اسکینڈنیویا کے اندر جو سیاسی ابتری برپا ہو گئی اس سے مذہبی بدعات کو پھیلنے کا موقع مل گیا لوتھر نے ۱۵۱۷ء میں معافی ناموں کے خلاف اعلان شایع کیا تھا، اس سے بیس ہی برس کے اندر اندر اسکینڈنیویا کے تمام ممالک میں لوتھر کا طریق سلطنت کا مذہب بن گیا اور کل ملک نے تنہا اسی طریقے کو قبول کر لیا۔ شمال میں خود وہاں کا کوئی بہت بڑا مصلح نہیں پیدا ہوا اور اسلیئے اس نے اپنے قریب ترین ہمسایہ جرمنی کا مذہب اختیار کر لیا۔

سوئٹزرلینڈ میں دور اصلاح الرک زونگلی

سوئٹزرلینڈ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ سولھویں صدی میں سوئٹزرلینڈ بہت سے چھوٹے چھوٹے صوبوں پر مشتمل تھا۔

قانوناً یہ سب صوبے شہنشاہی کے جزو تھے مگر عملی طور پر وہ سب اپنی اپنی جگہ پر آزاد جمہوری سلطنت بن گئے تھے اور ان کا آپس کا اتفاق بھی برائے نام تھا۔ ۱۵۱۸ء میں صوبۂ گلیرس کے راہب الرک زونگلی نے معافی ناموں کے عقیدے کے خلاف بہت ہی پرزور اعتراض کیا۔ ملک کا علمی مرکز زیورچ تھا، اسی کو اس نے اپنی کوششوں کا آماجگاہ بنایا اور اس طرح اس نے بہت جلد ایک زبردست اصلاحی جماعت اپنے گرد جمع کر لی۔ اسے سوئٹزرلینڈ میں ویسی ہی فوری و نمایاں کامیابی حاصل ہوئی جیسی لوتھر کو جرمنی میں حاصل ہوئی تھی۔

اہلِ سوئٹزرلینڈ میں مذہبی تحریک۔ زونگلی ہمیشہ یہ دعویٰ کرتا رہا کہ وہ اپنے اصلاحی عقائد کے معاملے میں لوتھر کے اثر سے بالکل آزاد ہے اور اس دعویٰ کے یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت یورپ میں اصلاح کا خیال بہت عام ہو رہا تھا۔ لوتھر اور زونگلی نے اتحادِ باہمی کی کوشش کی لیکن یہ کوشش اسوجہ سے ناکام رہی کہ چند عقائد کے متعلق ان دونوں میں اختلاف تھا، اس کے بعد زونگلی نے خود اپنا خاص اصلاح شدہ کلیسا سوئٹزرلینڈ میں قائم کر لیا۔ مگر سوئٹزرلینڈ کے تمام صوبوں نے اس نئے طریق مذہب کو قبول نہیں کیا۔ بالائے آلپس کے جنگلوں اور پہاڑوں کے غیر تعلیم یافتہ باشندے (جو جنگلی صوبجات کے رہنے والے کہلاتے تھے) رومن کیتھولک عقیدے پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ صرف سرحدی صوبوں نے جو زیورچ اور برن کے ترقی کن شہروں کے زیر اثر تھے، انھیں نے زونگلی کی تعلیم کو قبول کیا۔ لامحالہ دونوں عقیدے کے لوگوں میں جنگ شروع ہو گئی اور اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵۳۱ء میں رومن کیتھولک صوبوں کو بمقام کپیل نمایاں وقطعی فتح حاصل ہو گئی اور خود زونگلی بھی اس معرکے میں کام آگیا۔ اسوقت رومن کیتھولکوں کو موقع حاصل تھا کہ وہ سخت سے سخت شرائط پر صلح کرتے مگر انھوں نے صلح کی بنا انھیں شرائط پر رکھی جن پر چند برس بعد جرمنی کے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں نے صلح کی۔ ہر ایک مقامی حکومت یا صوبے کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے حسب مرضی اصلاح شدہ عقیدے کو

منظور یا نامنظور کرے۔ اسی قرار داد کی وجہ سے اسوقت تک جرمنی کی طرح سوئزرلینڈ بھی کسی قدر رومن کیتھولک اور کسی قدر پروٹسٹنٹ عقیدے کا پیرو ہے۔

جینوا میں دورِ اصلاح

سوئزرلینڈ کے مشرقی یا جرمنی حصے میں ان واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے تھوڑے ہی زمانے بعد اس کے مغربی یا فرانسیسی حصے میں ایک اور جلیل القدر پروٹسٹنٹ رہبر پیدا ہوا جسکا اثر خود لوتھر سے بھی بڑھ جانیوالا تھا۔ یہ رہبر جان کیلون تھا اور جس شہر کو اسکی وجہ سے نئی پروٹسٹنٹ عبادت کے مرکزِ عظیم بننے کی شہرت حاصل ہوئی وہ شہر جینوا تھا۔

کیلون کے ابتدائی حالات زندگی

جان کیلون کا جینوا میں آنا محض اتفاق ہی اتفاق سے ہوا، وہ نسلاً فرانسیسی تھا، اور ۱۵۰۹ء میں پکارڈی میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے قانون کی تعلیم پائی تھی اور اپنے طالبعلمی کے زمانے میں مروج الوقت پروٹسٹنٹی عقائد کا اثر قبول کر لیا تھا۔ چونکہ وہ اس نئے عقیدے کا بہت پرزور موئد و حامی بن گیا تھا اس لیئے اسے فرانس کو خیرباد کہنا پڑا اس نے اپنی اس جلاوطنی کے زمانے کو جرمنی و سوئزرلینڈ میں رہکر گہرے مطالعے میں صرف کیا۔ اسوقت تک اس کی زندگی ایک طالب علم کی سی زندگی تھی اور جب ۱۵۳۶ء میں اس نے ایک مذہبی رسالہ "مذہب عیسوی کے تنظیمات" کے نام سے شائع کیا تو اس کی شہرت اپنے منتہائے عروج کو پہنچ گئی۔ اس رسالے کی نسبت فوراً ہی یہ تسلیم کر لیا گیا کہ وہ موجودہ طریق پروٹسٹنٹ کی بہترین حمایت کا کام دیتا ہے اس کتاب کے شائع ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد کیلون نے فرانس کا سفر اختیار کیا اور ایک رات کی رات آرام کرنے کے لیئے جینوا میں ٹھر گیا۔

کیلون کا جینوا میں قیام

یہ رات اس کی زندگی کی بدل دینے والی رات تھی۔ جینوا میں حکومتِ خود اختیاری قائم تھی اور وہاں کے باشندوں نے کچھ ہی زمانہ پیشتر اپنے پروٹسٹنٹ ہونے کا اعلان کر دیا تھا مگر ابھی تک وہاں اس نئے مذہب نے مضبوطی کے ساتھ جڑ نہیں پکڑی تھی۔ پس جینوا کے

مبلغوں نے اسپنے معزز مہمان پر زور ڈالا کہ وہ وہیں رہکر خدا کی راہ میں کام کرے اور بہت بحث و مباحثہ کے بعد انھوں نے اسے اس امر پر راضی کر لیا۔ اسطرح جو شخص ابتک محض طالبعلمانہ زندگی بسر کر رہا تھا، اب وہ ایک مستعد کام کرنے والا بن گیا۔ اس کی کامیابی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تھوڑے زمانے کی جلاوطنی کو مستثنےٰ کرکے وہ اسپنے انتقال کے وقت تک اس صوبے کے سیاسی و مذہبی معاملات پر سب سے زیادہ حاوی رہا۔ یہ زمانہ ۱۵۳۶ء سے ۱۵۶۴ء تک کا تھا ؛

دینیات میں کیلون کی شدت

کیلون کی دینیات کا اصل الاصول یہ ہے کہ خدا کی مرضی کو قدرت مطلق حاصل ہے خدا کی مرضی ہی ہر شئے کی مقرر کرنے والی ہے اور اس کے مقابلے میں انسان کے فعل کی کوئی ہستی نہیں ہے، اور انسان کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اسپنے اعمال یا اسپنے عقائد کے زور سے نجات حاصل کرسکتا ہے ایک خلاف قیاس دعویٰ ہے، نجات محض خدا کی رحمت پر منحصر ہے اور خدا چونکہ دانائے کل اور علام الغیوب ہے، وہ پیدا ہونے کے وقت سے ہی انسانی تمام زندگی کا حال جانتا ہے پس استدلالاً یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کے پیدا ہونے کے وقت ہی یہ مقدر ہو جاتا ہے کہ وہ نجات پائے گا یا نہیں۔ یہ عقیدہ تقدیر (جبر) کا وہ مشہور مسئلہ ہے جسے اس دورِ جدید کے لوگ سخت ظالمانہ سمجھکر مسترد کرنے کی طرف مائل ہیں مگر محض اس خیال کے تصور سے ہی ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ کیلون کے مذہب کا طریقۂ استدلال کس قدر غیر صلح آمیز اور اس کے پیروؤں کا جوش کسقدر سخت تھا، اور اسی کا اثر تھا کہ یہ مذہب جہاں کہیں بھی ظاہر ہوا کوئی طاقت اسے توڑ نہ سکی ؛

کلیسا کے پریسبٹیری طریقہ کا بانی کیلون ہی تھا۔

اسپنے ان سخت ترین مذہبی خیالات کو عمل میں لانے کیلئے کیلون نے کلیسا کی حکومت کا ایک خاص طریقہ بھی قرار دیا۔ اس نے رومانی کلیسا کے اس خیال کو کہ کلیسا کی حکومت کا تعلق صرف طبقۂ قسیس سے ہے قطعاً مسترد کردیا۔ چونکہ کلیسا کا تعلق تمام عیسائیوں سے ہے اس بنا پر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ پادریوں کو مجبور کرنا

چاہیئے کہ وہ کلیسا کی حکومت میں منتخب دنیاوی لوگوں کو بھی شریک کریں اور بعض معاملات میں کل گروہ کی رائے پر عمل کیا جائے۔ ان منتخب شدہ لوگوں کو اس نے پرسبٹرز (اکابر) کے نام سے موسوم کیا تھا اس لفظ کی وجہ سے اور اس باعث سے بھی کہ اس میں جمہوری عنصر غالب تھا، حکومتِ کلیسا کا یہ طریقہ "پرسبٹرین" (اکابری) کہلانے لگا۔

مذہب کیلون کی اشاعت

فرانس، انگلستان، اسکاٹلینڈ اور ندرلینڈز کے تمام مصیبت زدہ پروٹسٹنٹوں کے لیئے جنیوا کا شہر ملجا و ماوی بن گیا تھا۔ کیلون نے اپنے عقائد کی اشاعت کے لیئے ان تمام ملکوں میں کوشش کی اور جلاوطنوں کو مدد دے کر واپس بھیجا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں خفیہ طور پر اس اصلاح شدہ عقیدے کی اشاعت کا کام کریں۔ کچھ اس طریقے پر اور کچھ دوسرے اسباب کے جمع ہو جانے سے اسے یہ موقع مل گیا کہ وہ دریائے رائن کے مغربی ممالک میں لوتھر کے اثر کے بجائے اپنا اثر قائم کر دے اور ان ممالک میں اپنے طریق پر مذہب پروٹسٹنٹ کو شائع کرے۔ خود جرمنی کے بعض حصوں میں بھی اس نے اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔ "اصلاح" کی کامیابی کی نظر سے یہ سب کچھ بہت ہی اچھا ہوا کیونکہ وسط صدی کے قریب کلیسائے رومن کیتھولک اپنے باغی پیرؤں پر حملہ کرنے کے لیئے اپنی قوت کو جمع کر رہا تھا اور اس مخالفت کا مقابلہ کرنے اور اسے شکست دینے کے لیئے لوتھر کے قدامت پسند طریقے کے بجائے کیلون کا سخت و جنگجویانہ طریقہ زیادہ موزوں و مناسب تھا۔

رومن کیتھولک کلیسا کا اصلاح کی طرف متوجہ ہونا

ہم دیکھ چکے ہیں کہ تیرھویں صدی سے یورپ میں اصلاح کلیسا کے لیئے زور شور سے آواز بلند ہو رہی تھی مگر پوپ نے اس طرف سے کان بند کر لیئے تھے۔ آخر لوتھر کی تحریک سے خوفزدہ ہو کر وسط سولھویں صدی میں کلیسائے روما کو اس نئے جوش کی طرف توجہ کرنا پڑی اور اس نے متعدد اصلاحی کارروائیوں کا اجرا کیا۔

پاپاؤں کے طرزِ اخلاق میں تغیر۔

کلیسائے روما کی اس جوابی اصلاح کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے ایک حقیقی مذہبی تجدید سمجھ لیا جائے جس نے عقائد یا طریقِ حکومت پر اثر ڈالے بغیر پادریوں کے طریقِ زندگی میں بہت بڑی اصلاح کر دی۔ ہم اوپر یہ ذکر کر چکے ہیں کہ "نشاۃ جدیدہ" کے زمانے کے پوپ شان وشوکت اور عیش وعشرت میں منہمک ہونے کے باعث اصلاح کے بہت ہی مخالف تھے۔ پال چہارم (۱۵۵۵-۱۵۵۹) کی مسند نشینی کے وقت تک پاپاؤں میں یہی خیال موجزن رہا۔ پال چہارم پہلا پوپ تھا جس نے کلیسا کی اندیشناک حالت کو محسوس کیا۔ اس نے اپنے نشاۃ جدیدہ کے پیشروؤں کے پرازشان وشوکت انداز کو ترک کر دیا۔ اپنے شخصی معیارِ اخلاق کو بہت بلند رکھا اور نہایت جوش کے ساتھ کلیسا کے معاملات میں منہمک ہو گیا۔ پال چہارم نے منصب پاپائیت میں ایک نئی اخلاقی قوت پیدا کر دی جو اس کے بعد بھی قائم رہی۔ اس نے تمام طبقۂ قسیس پر اثر ڈالا یہانتک کہ دیہاتوں کے پادری بھی اس اثر سے علیحدہ نہیں رہے

مذہب کیتھولک کی اس تجدید کے دوش بدوش متعدد واقعات وحوادث ایسے پیش آئے جن پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ یعنی (۱) فرقہ جزوٹ کی انجمن (۲) ٹرنٹ کی مجلس (۳) عدالت تحقیقات عقائد۔

اگنیشس لایلا

فرقہ جزوٹ کے طبقے یا "عیسیٰ کے دستۂ فوج" کا بانی اگنیشس لایلا تھا۔ لایلا اسپین کا ایک امیر تھا اور سپہگری کو وہ اپنا منتہائے خیال سمجھتا تھا۔ ۱۵۲۱ء میں وہ شاہی ملازمت میں تھا کہ سخت زخمی ہو گیا اور اس معذوری کے زمانے میں اسے چند "ولیوں کے سوانحات" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس سے اس کے خیال میں کچھ ایسا جوشِ پیدا ہو گیا کہ وہ مذہب عیسوی کے ان بزرگوں کی نقل کرنے کے خیال میں محو ہو گیا۔ اس کی پہلی کوشش تو بالکل دیوانوں کی سی تھی اور اس میں کچھ کامیابی بھی نہیں ہوئی لیکن آخر اسے یہ محسوس ہو گیا کہ اس کی تعلیم کافی نہیں ہے اور تینتیس برس کی عمر میں اس نے لاطینی، فلسفے اور دینیات کا

مطالعہ شروع کر دیا جب وہ پیرس کے مدرسے میں تھا تو وہاں اپنے ہی خیال کے اور چند آدمیوں سے اس کی راہ و رسم ہو گئی اور ان کے ساتھ ملکر اس نے ۱۵۳۴ء میں ایک نئی سوسائٹی (انجمن) قائم کی جس کی اولین غرض یہ تھی کہ مسلمانوں میں جاکر تبلیغ کا کام کیا جائے۔ مگر کچھ حالات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے یہ پر جوش اشخاص مشرق کو روانہ نہ ہو سکے۔ پس اب انھوں نے یہ عزم کیا کہ روم میں جاکر اپنی خدمات پوپ کے سامنے پیش کریں۔ اور اپنے طبقے کے لئے اس کی منظوری بھی حاصل کر لیں۔ ۱۵۴۰ء میں بہت تامل کے بعد پال سوم نے ان کے طبقے کو اور ان قواعد کو جو لائلا نے اسی غرض سے مرتب کئے تھے منظور کر لیا

فرقۂ جیزوٹ کا بنیادی اصول فوج کا سا انضباط تھا

لائلا نے اپنے فرقے کی ترتیب فوج کے طرز پر رکھی تھی اور اس کے آخری اختیارات ایک جنرل کے ہاتھ میں مجتمع تھے فوج ہی کی طرح یہاں بھی بنیادی اصول انضباط تھا۔

چونکہ اس فرقے کے ارکان پوپ کی اطاعت کے لئے خاص طور پر حلف اٹھاتے تھے اس لئے ان حکمرانوں نے انھیں اپنے مفید مطلب سمجھکر اعزاز، حقوق اور امتیازات سے انھیں گرانبار کر دیا جس سے یہ فرقہ بہت جلد تمام یورپ میں سب سے زیادہ طاقتور ہو گیا۔

فرقۂ جیزوٹ کی سرگرمی

اس فرقے کے لوگوں نے ہر قسم کی سرگرمیاں دکھانا شروع کیں۔ پند و نصیحت کرنے اور توبہ و استغفار کے سننے میں انکی بہت شہرت ہو گئی اور فرداً فرداً لوگوں کے ایمان و عقیدے پر اثر ڈالنے اور وقت آخر میں روحانی تسلی دینے میں انھیں خاص مہارت حاصل ہو گئی۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اثر قبول کرنے کے لئے نوجوانی کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے اس لئے انھوں نے تعلیم کی سرپرستی اختیار کی اور اسے فروغ دینا شروع کیا۔ اپنے طریقۂ تعلیم کی فوقیت کی وجہ سے انھوں نے اس زمانے کے بہترین نوجوانوں کو اپنے مدارس کا شیدا بنا لیا اور اپنے عقیدے ان کے دلوں میں راسخ کر دیئے۔ سو برس سے زائد مدت تک تعلیم کے معاملے میں وہ تمام یورپ کے رہبر بنے رہے۔ انھوں نے سیاسیات کی طرف بھی توجہ کی اور بہت

ہی چالاک و پرفن مدبر و سازشی بن گئے۔ انھوں نے ایسی کوششیں کیں کہ ان کا اثر ہر جگہ محسوس ہونے لگا اور انھیں کی وسیع و سرگرم مساعی کا نتیجہ تھا کہ اطالیہ، اسپین، فرانس، پولینڈ اور مقبوضات ہیپسبرگ میں مذہب پروٹسٹنٹ برباد ہوگیا اور یہ ممالک بدستور کلیسائے روما سے ملحق رہے۔ خود جرمنی، انگلستان، اسکینڈنیویا وغیرہ پروٹسٹنٹی ممالک تک میں انھوں نے اپنے کلیسا کو پھر سربلند کر دیا اور اصلاح شدہ مذہب کی ہستی تک کو خطرے میں ڈال دیا۔ ارباب دنیا کے اعلیٰ طبقے میں ان کا کام خصوصیت کے ساتھ زیادہ کامیاب رہا۔ سترھویں صدی میں جرمنی میں اس خبر سے ایک حیرت طاری ہوگئی کہ بہت سے پروٹسٹنٹ حکمراں پھر پرانے مذہب کی آغوشِ شفقت میں چلے گئے ہیں۔

مجلس ٹرنٹ ٹرنٹ کی مجلس نے جسکا اجلاس کچھ کچھ وقفے کے ساتھ ۱۵۴۵ء سے ۱۵۶۳ء تک ہوتا رہا، کلیسائے روما کی یہ نمایاں خدمت انجام دی کہ اس کے عقائد میں ایسی یکسانی پیدا کر دی کہ اس سے قبل کبھی یہ یکسانی حاصل نہیں ہوسکی تھی۔ کلیسائے روما کی روایات میں بہت سے متضاد خیالات و واقعات موجود تھے، مجلس ٹرنٹ نے ان اختلافات کو دفع کر کے رومن کیتھولک عقائد کو از سرِ نو مرتب و منضبط کیا اور بہت سختی کے ساتھ انھیں پروٹسٹنٹوں کے بنا کردہ عقائد سے مختلف رکھا۔ اس مجلس میں بہت سے ایسے کیتھولک موجود تھے جو اس توقع سے پروٹسٹنٹوں کے ساتھ مصالحت کرنے پر مائل تھے کہ کل کلیسا پھر ایک ہو جائے مگر طرفداران پوپ کی نمایاں جماعت نے جیزوٹ کی سرگردگی میں مجلس کو جملہ رعایت و مراعات سے باز رکھا۔ اس مجلس کے تیار کردہ قواعد مذہب رومن کیتھولک کے عقیدے کا ایک جزو ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد سے صرف چند اہم اضافے ہوئے ہیں۔ انھیں میں مریم عذرا کا بغیر مس انسانی حاملہ ہونے کا عقیدہ بھی داخل ہے جو ۱۸۵۴ء میں شائع کیا گیا اور دوسرا عقیدہ پوپ کے معصوم عن الخطا ہونیکا ہے جس کی تشہیر محل پاپائیت کی مجلس منعقدہ ۱۸۷۰ء نے کی۔

لفظ انکیوزیشن (عدالت اختیار عقائد) سے وہ مذہبی عدالت مراد ہے جو زندقہ و ارتداد کے پتہ چلانے اور سزا دینے کیلئے قائم کیگئی تھی۔ اس عدالت کے حکام جنھیں "انکیوزیٹر" کہتے تھے) بالعموم ضبطی جائداد اور موت کی سزا دیا کرتے تھے جنکی تعمیل ملکی حکام کرتے تھے۔ یہ "عدالت اختیار عقائد" جوابی اصلاح کے زمانے کا اختراع نہیں تھی بلکہ ذرا نرم شکل میں یہ عدالت تمام دوران ازمنۂ وسطےٰ میں قائم تھی۔ پوپ انوسنٹ سوم (۱۱۹۸-۱۲۱۶ء) نے سب سے پہلے اسے پرزور طور پر ترتیب دیا اور اسے اپنی زندگی ہی میں یہ مسرت حاصل ہوئی کہ ایلبی کے مرتدوں کے خلاف اس کا استعمال پوری کامیابی کے ساتھ ہوا۔ اسکا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ "جوابی اصلاح" کے پرجوش حامیوں نے ابتدا ہی زمانے میں اس امر پر زور دینا شروع کیا کہ لوتھر اور کیلون کے مرتد پیرووں پر بھی اسکا دائرہ وسیع کیا جائے اور انھیں بھی اسی شکنجے میں کسا جائے، مگر اس عدالت سے ایک نفرت عام پیدا ہوگئی تھی کیونکہ اسکے دعاوی نہایت ہی خطرناک اور نہایت ہی مبہم تھے۔ علاوہ ازیں حکومتوں کو بھی اس سے ایک طرح کی رقابت تھی کیونکہ وہ اپنے حدود اختیار میں مذہبی عدالت کی دخل دہی سے خائف تھے اسوجہ سے خیالات مذہب کو دبانے کی یہ بلا ہر جگہ نازل نہ ہوسکی۔ البتہ اسپین اطالیہ اور نیدرلینڈز خصوصیت سے اسکا شکار ہوئے۔ آخر الذکر ملک میں اس کا اثر اس سے بالکل مخالف ہوا جو سوچا گیا تھا لیکن اطالیہ و اسپین میں اس کو ایسی کامیابی حاصل ہوتی کہ ان ممالک میں "اصلاح" نے سر اٹھایا ہی تھا کہ اسے کچل دیا گیا۔

باب (۲)

اسپین بہ دورانِ حکومت چارلس اول (۱۵۱۶-۱۵۵۶) شہیرہ شہنشاہ چارلس پنجم و فلپ دوم (۱۵۵۶-۱۵۹۸) اسپین کا عالمگیر عروج اور اسکا زوال

چارلس بہ حیثیت شاہِ اسپین

اسپین کے قومی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک بہت بڑی قومی مصیبت تھی کہ چارلس اول (۱۵۱۶-۱۵۵۶) ۱۵۱۹ء میں شہنشاہ منتخب ہوگیا اور شاہ اسپین کے بجائے شہنشاہ چارلس پنجم بنگیا۔ اسوقت سے وہ اگرچہ اسپینی مفاد سے زیادہ شہنشاہی مفاد کا نمائندہ بن گیا تھا مگر اس کا اعتماد تمامتر اسپین ہی کے ذرائع و محاصل پر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسپین کے آدمی اور اسپین کا روپیہ ملک سے نکلتا جاتا تھا اور خود اسپین کو اس سے دنیا میں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا بلکہ یہ سب کچھ صرف اس کے بادشاہ کے ذاتی اعزاز کے برقرار رکھنے کے لیے ہوتا تھا۔

چارلس کی توجہ منقسم ہوگئی تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے وطن کے معاملات کے متعلق وہ ایک کوتاہ نظر شخص تھا۔ پس بیرونی ممالک میں تو اسکی شان و شوکت بہت بڑھی ہوئی تھی مگر خود اسپین کو اس کے عہد میں ناقابل تلافی نقصان پہنچ گیا۔ درحقیقت اسپین کے ہمہ گیر زوال کا آغاز اسی وقت سے سمجھنا چاہیئے ہم دیکھ چکے ہیں کہ فرڈیننڈ اور ازابیلا کے تحت میں اسپین کی بادشاہی مطلق العنانی کی طرف قدم زن تھی مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس مطلق العنانی سے بہت اچھا کام لیا جاتا تھا۔ امرا کو دبا دیا گیا تھا

اور ملک کے امن و امان میں ترقی ہو رہی تھی لیکن بدقسمتی سے چارلس نے اس مطلق العنانی کو قوم کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا۔ کیسٹائل کے شہروں کو ایک معقول حد تک حکومتِ خود اختیاری حاصل تھی لیکن جب ۱۵۲۱ء میں

چارلس آزاد تنظیمات کا دشمن بن گیا۔

انھوں نے بادشاہ کے بعض مطلق العنانہ احکام کے خلاف سر اٹھایا تو چارلس نے فوج کے ذریعے سے ان کو دبایا اور اس کے ساتھ ہی انھیں آزادی سے تقریباً بالکل ہی محروم کر دیا۔ کیسٹائل کی پارلیمنٹ (کارٹس) جسے کسی وقت میں انگلستان کی پارلیمنٹ سے بھی زیادہ اثر حاصل تھا بالکل مسلوب الاختیار ہو گئی۔ اس طرح چارلس نے اپنے ملک کے آزاد تنظیمات کو تباہ کر کے اس سرچشمہ کو بند کر دیا جو ہمیشہ قوموں کی قوت کا ایک اہم منبع رہا ہے۔ حالات کو

چارلس عدالت اختیار مذہبی کا گرویدہ بن گیا۔

اور بدتر بنانے کے لیئے انکیوزیشن (عدالت اختیار مذہبی) کی کارروائیاں جو فرڈینینڈ اور ازیبلا کے وقت میں بھی آلۂ ظلم و ستم تھیں اور بھی مہیب بن گئیں عربوں اور یہودیوں کے قتل کرنے میں نہایت جوش و خروش دکھایا جا رہا تھا لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمیں اس ظلم و جور کے لیئے تنہا چارلس کو ذمہ دار نہ قرار دینا چاہیئے بلکہ کل اسپینی قوم دل سے اس کی تائید کر رہی اور بڑے شد و مد سے اس پر زور دے رہی تھی۔

فلپ دوم کا بادشاہ اسپین کا وارث ہونا۔

چارلس نے اپنی حکومت کے آخری تیرہ برس جرمنی میں صرف کیئے۔ وہاں کے پروٹسٹنٹوں کی کامیابیوں نے اس کی ہمت توڑ دی اور ۱۵۵۶ء میں اس نے سب تخت و تاج چھوڑ دیئے۔ اسپین کو اپنے بیٹے فلپ کے حوالے کر دیا اور آسٹریا اپنے بھائی فرڈینینڈ کو دیدیا۔ فلپ نے تخت نشین ہو کر دیکھا کہ جو ممالک اس کے زیر نگیں ہیں (یعنی اسپین، نوآبادیات، نیپلز، میلان اور نیدرلینڈز) وہ وسعت میں ان ممالک سے کچھ یوں ہی سے کم تھے جن پر چارلس حکمران تھا، اور چونکہ وہ شہنشاہ نہیں منتخب ہوا اس لیئے اسپینی نقطۂ نظر سے اس کو

چارلس پر یہ فوقیت حاصل تھی کہ وہ اسپین کا قومی بادشاہ بنا۔ اس حیثیت سے اس نے اپنی قوم کے دل میں جگہ کر لی اور ابتک اس کی یاد دلوں میں تازہ ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ وہی فلپ جسے اہل اسپین اسقدر اعلیٰ و افضل سمجھتے ہیں باقی تمام یورپ کی نظروں میں اپنے زمانے کا بدترین مطلق العنان اور علم و ترقی کا سب سے بڑا دشمن جانی خیال کیا جاتا ہے، یورپ میں اس کی نسبت جو خیال نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا ہے اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے مگر جب ہم ٹھنڈے دل سے تحقیقات کرتے ہیں تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ تعصب نے اس صداقت کی صورت بگاڑ دی ہے۔ فلپ دوم ایک سخت گیر، بے مروت و تنگدل شخص تھا۔ وہ اپنے کو دنیا میں خدا کا نائب سمجھتا تھا اور اس لیئے اپنی رائے کے خلاف ہر قسم کی مخالفت سے اسے نفرت تھی۔ مزید برآں وہ ایک نہایت پرجوش رومن کیتھولک تھا اور اس مذہب سے کسی جہت سے بھی انحراف کرنے سے اسے بغض و عناد تھا۔ انھیں خیالات کی وجہ سے شمالی ممالک کو اس سے اختلاف تھا کیونکہ وہاں مذہب و حکومت کے متعلق آزادانہ خیالات رائج تھے اور انھیں خیالات کی وجہ سے ترقی کے حامی آج تک اسے ایک غیر ہمدرد شخص سمجھتے آئے ہیں۔ بہرنوع اس کے متعلق ہم جو کچھ بھی فیصلہ کریں لیکن ہر حال میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ جو کچھ بھی تھا سچے دل سے تھا اور اپنی رائے و خیالات پر پورا یقین رکھتا تھا۔

فلپ کے عادات و اخلاق

فلپ مذہب کیتھولک کا پشت و پناہ بنگیا۔

فلپ کی زندگی جب ایسے خیالات کے تابع تھی تو پھر یہ ایک طبعی امر تھا کہ وہ رومن کیتھولک مذہب کا پشت و پناہ بن جاتا اور مذہب پروٹسٹینٹ کی مخالفت کو اپنا خاص مطمح نظر قرار دے کر اپنی ساری کوشش اس کے خلاف صرف کر دیتا۔ لیکن ان مذہبی جنگوں کا سارا الزام اسی کے سر عائد نہ کرنا چاہیئے۔ جو شخص خالی الذہن ہو کر واقعات تاریخی پر غور کرے گا اسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر فلپ اپنے مذہبی خیالات کی وجہ سے جنگ پر آمادہ تھا تو پروٹسٹینٹ بھی چیرہ دستی و تعدی

میں اس سے کم نہ تھے اور خود حالات زمانہ نے بھی اسے جنگ پر مجبور کر دیا تھا۔ مجلس ٹرنٹ کے بعد جو صورتِ حالات قائم ہو گئی تھی اس سے پروٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولکوں میں ہر طرف جنگ کا برپا ہو جانا لازمی و لابدی ہو گیا تھا۔ ندرلینڈز نے بغاوت کر دی اور فلپ نے اس بغاوت کے فرو کرنے پر کمر باندھی مگر ندرلینڈز میں سکون پیدا کرنے میں وہ ناکامیاب رہا اور چونکہ اہل ندرلینڈز نے مذہب پروٹسٹنٹ اختیار کر لیا تھا اس لیئے رفتہ رفتہ ان کو فرانس کے ہیوگیناٹ اور جرمنی و انگلستان کے پروٹسٹنٹوں کی ہمدردی حاصل ہو گئی۔ اس طرح جنگ نے وسعت اختیار کر لی اور جب فلپ نے دیکھا کہ ندرلینڈز کے معاملے میں تمام پروٹسٹنٹ قومیں متحدہ طور پر اس کی مخالفت کر رہی ہیں تو وہ پوپ اور مذہب کیتھولک کا حامی و پشت و پناہ بن گیا۔

فلپ اپنے اطالوی مقبوضات پر مضبوطی سے قائم رہا۔

فلپ کی حکومت کا آغاز ہنری دوم (شاہ فرانس) کی جنگ کے ساتھ ہوا یہ جنگ ۱۵۵۶ء سے ۱۵۵۹ء تک جاری رہی۔ فرانسیسیوں نے پھر ایک بار کوشش کی کہ اطالیہ اور ندرلینڈز پر اسپینیوں کی گرفت کو کمزور کر دیں اور پھر اس میں انھیں ناکامیابی ہوئی۔ کیٹو کیمبرسس کی صلح (۱۵۵۹ء) نے اطالیہ کے متعلق اس طویل رقابت کو ختم کر دیا جو نصف صدی قبل شروع ہوئی تھی اور نیپلز و ملان پر اسپین کا قبضہ بلا بحث و حجت قائم رہا۔ اس جنگ کی حیثیت بالکل سیاسی تھی مگر اسکے بعد ندرلینڈز کی بغاوت شروع ہو گئی اور اس سے لڑائیوں کا جو طویل سلسلہ قائم ہو گیا اس نے کم و بیش مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔

اہل ہالینڈ کے خلاف اسپین کی جنگ ایک عام جنگ بن گئی۔

اہل ہالینڈ کے خلاف فلپ کی جنگ کا حال ایک دوسرے باب میں بیان کیا جائے گا یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس جنگ و جدال کے دس برس تک مسلسل جاری رہنے کے بعد اس نے تمام یورپ کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا کیونکہ اہل ہالینڈ نے متعدد ملکوں کی ہمدردی حاصل کر لی تھی اور متعدد ملکوں سے اتحاد پیدا کر لیا تھا۔ ان پروٹسٹنٹ باغیوں کی جنگ کے ساتھ ہی ساتھ فرانس کے ہیوگیناٹ

سے بھی (جو ہنری آف نیورے کے تحت ہیں تھے) جنگ شروع ہوگئی اور الیزبتھ کے ملکہ انگلستان ہو جانے سے انگلستان بھی اس بھنور میں پھنس گیا، اور فلپ نہایت شدت کے ساتھ اپنے اس خاص الخاص پروٹسٹینٹ دشمن (انگلستان) کی طرف پلٹا،

فلپ نے اپنا رخ انگلستان کیطرف پھیر دیا۔ واقعہ آرمیڈا

اسپین و انگلستان کی اس جنگ کے انتہائی زور کا زمانہ وہ تھا جب (۱۵۸۸ء میں) اسپین نے اپنے اس شمالی دشمن کے خلاف اپنا عظیم الشان بیڑہ آرمیڈا، روانہ کیا۔ بحر اوقیانوس میں اتنا بڑا بیڑہ کبھی روانہ نہیں ہوا تھا مگر انگریز جہاز رانوں کی اعلیٰ قابلیت و استقلال اور طوفان آب و باد نے اس مہم کو بہت بری طرح تباہ کر دیا۔ فلپ نے اپنی اس شکست کو حسب عادت ضبط و سکون سے برداشت کیا۔ اس نے بلا تصنع یہ کہدیا کہ اسے رنج و الم صرف یہ ہے کہ "خدا کی یہ خدمت اس سے پوری نہ ہو سکی"، مگر آرمیڈا کی تباہی نے اس عظیم الشان مذہبی کشمکش کا فیصلہ کر دیا۔ اس سے یہ طے ہو گیا کہ اہل ہالینڈ کو اب دوبارہ مفتوح کرنے کی کوشش عبث تھی، رومن کیتھولک مذہب کے بازگشت کیطرف سے پروٹسٹینٹ دنیا کو اطمینان ہو گیا اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسپین کی زوال پذیر طاقت کے بجائے اس نے ایک نئی بحری طاقت انگلستان کی قائم کر دی۔

فلپ کا ترکوں سے مقابلہ کرنا

لیکن فلپ کے دشمن صرف پروٹسٹینٹ مرتد ہی نہیں تھے اسے ترکوں کی طرف بھی توجہ کرنا پڑی جنھوں نے کئی پشتوں سے یورپ میں تلاطم برپا کر رکھا تھا۔ ایک ایک کر کے انھوں نے وینس کے تمام مشرقی مقبوضات پر قبضہ کر لیا تھا۔ قدم قدم بڑھتے ہوئے وہ ہنگری کی طرف سے جرمنی میں داخل ہوا چاہتے ہیں ادھر ملاحوں نے شمالی افریقہ میں اپنے قدم جما لیئے تھے اور وہ اسپین کے سواحل کو غارت کر رہے تھے۔ آخر اس ضرورت شدید کے مقابلے میں پوپ، وینس اور اسپین نے ۱۵۷۱ء میں ایک محالفہ قائم کیا اور اسی سال ان کے متحدہ بیڑے نے ڈان جان (آسٹروی) کی سرکردگی میں جو فلپ کا سوتیلا بھائی تھا یونان کی خلیج لپانٹو میں ترکوں کے مقابلے میں

ایک بڑی شاندار فتح حاصل کی۔ دونوں جانب جہازوں کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ تھی مگر دن کے ختم ہوتے ہوتے صرف پچاس ترکی جہاز بھاگ کر تباہ ہونے سے بچ سکے۔ اگرچہ اس فتح سے ممالکِ عیسوی کو کوئی نمایاں فائدہ نہیں ہوا مگر اس کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ مسلمانوں کی بحری طاقت کو ایک ایسا صدمہ پہنچ گیا کہ اس کے بعد سے پھر کبھی وہ پوری طرح بحال نہ ہو سکی۔ فلپ واسپین کے لیئے لیپانتو کا واقعہ ایک قابل فخر یادگار رہے گا[1]۔

---

[1]۔ ایک سخت متعصب عیسائی بادشاہ اور عیسوی ملک کی تاریخ میں ایک عیسائی مورخ کے نزدیک لیپانتو کا واقعہ قابل فخر ہو لیکن اسلامی اور ایشیائی نظر سے وہ ایک نہایت جاں گداز واقعہ ہے لیپانتو کا معرکہ، ۷ اکتوبر ۱۵۷۱ء کو پیش آیا سلیمان عالیشان کے انتقال کو ابھی چند ہی برس گزرے تھے، سلیم تخت سلطنت پر متمکن تھا اور محمد مصطفیٰ سا یگانۂ روزگار وزارت پر فائز تھا، سلطان کو قبرس کے فتح کرلینے کا بیحد شوق تھا اور باوجود وزیر کے اختلاف رائے کے اس نے مصطفیٰ کے زیر کمان ایک لاکھ لشکر جرار جزیرے کو فتح کرنے کے لیئے روانہ کردیا جزیرہ بہت جلد فتح ہوگیا، اس سے تمام عیسوی ممالک بالخصوص وینس میں ایک عام اضطراب برپا ہوگیا اور پوپ پائس پنجم نے ایک اتحاد عام قائم کیا جسمیں اسپین، آسٹریا، المالیہ، سسلی، نیپلز، وینس، جنیوا سب شریک تھے، عیسائیوں کا بیڑا مقام میسینا میں فراہم ہوا جسمیں اسپین کے صرف چوبیس جہاز تھے، ترکوں کے جہازات خلیج کورنتھ میں لیپانتو کے قریب جمع ہوئے عیسائیوں کا افسر اعلیٰ شاہ اسپین کا بھائی ڈان آسٹروی تھا اور یورپ کا مشہور شورہ پشت ڈوریا بھی شریک کار تھا۔ ترکی جہازات مردن زادہ علی کپتان پاشا کے تحت میں تھے، اور اولوچ علی اور پرتو پاشا وغیرہ اس کے دست و بازو تھے۔ اولوچ علی اور پرتو پاشا کی رائے عام حملے کی نہیں تھی مگر عیسائیوں کا بیڑا جب قریب آگیا تو کپتان پاشا نے جوش تہور میں عام حملہ کردیا اور پرتو پاشا کو ساتھ لیئے ہوئے خود اپنے ذاتی جہاز کو آگے بڑھا کر ڈان کے خاص جہاز پر حملہ آور ہوا مگر عین اسی وقت ترکوں کا یہ نامور امیر البحر ایک گولے کی ضرب سے شہید ہوگیا اور اسپینی حملہ کر کے اس کے جہاز میں گھس آئے اور اس کے جسم مردہ سے اسکا سر کاٹکر نیزے پر بلند کردیا جس سے ترکوں میں ایک عام سراسیمگی برپا ہوگئی اور عیسائی غالب و چیرہ ہوگئے مگر ادھر قلب میں عیسائی غالب آرہے تھے ادھر یسار سے اولوچ علی نے اس شدت کا حملہ کیا کہ مالٹا کے علمبردار جہاز پر قبضہ کرلیا اور

فلپ نے پرتگال کو لے لیا

فلپ کے دور حکومت کی دوسری کامیابی پرتگال کا لے لینا تھا۔ کوہستان پرنیز کے جزیرہ نما کی یہی ایک سلطنت تھی جسے اسپین نے ابھی تک جذب نہیں کیا تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۸۰ء میں پیش آیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس سال پرتگال کے آخری بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور چونکہ اسپین و پرتگال کے حکمراں خاندانوں کے درمیان برابر مناکحت ہوتی رہی تھی اس لئے ایک اسی قسم کے دعوے کی بنا پر فلپ نے پرتگال اور اسکے ساتھ ہی اس کی نوآبادیوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ لیکن پرتگالیوں کو اپنی قومیت اور اپنے دریافت ممالک کی کامیابیوں پر ناز تھا انھوں نے اپنے سے اس بڑی سلطنت کی اطاعت کو نارضامندی کے ساتھ گوارا کیا۔ پرتگال کی آزادی کا خیال کبھی

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۴ بے شمار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا اور خود عیسائی مورخوں کو یہ تسلیم ہے کہ اولوج علی نے اس فتح کو تقریباً شکست سے بدل دیا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ترکوں کا نقصان کثیر ہوا اختتم معرکہ پر ان کے صرف چالیس جہاز باقی رہگئے تھے تاہم عیسائیوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ ان کا تعاقب کریں اور اولوج علی نے بہت جلد ادھر ادھر کے بندرگاہوں سے اور جہازات جمع کرلیئے اور ماہ ڈسمبر میں ۸۷ جہازوں کا بیڑا لیئے ہوئے شان کے ساتھ قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ سلطان نے اسے کپتان پاشا کے عہدے اور قلیج کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور اس نے پیالی پاشا کی اعانت اور وزیر صقلی کی سرپرستی سے موسم سرما کے ختم ہوتے ہوتے ایک بڑی تعداد جہازوں کی تیار کرلی اور جون سنہ ۱۵۷۲ء میں ڈھائی سو جہازوں کا بیڑہ لیکر پھر قسطنطنیہ سے شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوا عیسائیوں نے بھی بڑی سر توڑ کوششوں سے ترکوں سے بھی زیادہ جہازات جمع کرلیئے گر متعدد معرکوں میں شکست کھانے کے بعد آخر منہزم ہوگئے اور وینس کو خود صلح کے لئے درخواست کرنا پڑی اور شرائط صلح کے طور پر اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ قبرص بدستور ترکوں کے قبضے میں رہے اور وینس تین لاکھ ڈیوکٹ (۱۳۵۰۰۰ پاونڈ) بطور تاوان ادا کرے اور اپنے سالانہ خراج میں معتدبہ اضافہ منظور کرے۔ یہ ہے حقیقت اس قابل فخر واقعے کی جسکا انجام اہل یورپ کی مزید شکست و ذلت پر ہوا ؟

ان کے دلوں سے محو نہیں ہوا اور جب اسپین نے تنزل کیطرف قدم بڑھایا تو فلپ کے انتقال کے چالیس ہی برس کے اندر اندر پرتگال نے بغاوت کر کے اپنی آزادی پھر حاصل کر لی۔ اس نے ۱۶۴۰ء میں ایک نیا شاہی خاندان قائم کر لیا جو خاندان بریگنیزا کہلاتا ہے۔ اس کے بعد سے پرتگال واسپین پھر کبھی متحد نہیں ہوئے ؛

اندرونِ ملک کی بربادی

پروٹسٹینٹ سلطنتوں کے ساتھ عظیم الشان جنگ لیپانتو کی فتح، اور پرتگال کے تصرف نے فلپ کے عہد کو بیرونی حیثیت سے کچھ شاندار بنا دیا تھا مگر اس شان و شوکت کی تہ میں اور خود ملک اسپین کے حدود کے اندر ہر شے سے تباہی و بربادی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ مطلق العنانی کا بوجھ ایک بھاری پتھر کی طرح ہر شخص کو دبا رہا تھا اور شخصی خیالات اور کاروباری اولوالعزمی کو پیسے ڈالتا تھا۔ انکیوزیشن (عدالت اختیار مذہبی) نے اس خرابی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اس عدالت نے یہودیوں کو یا تو مار ڈالا یا جلاوطن کر دیا اور غریب عربوں کی اولاد کو تو بالکل ہی بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ ان عربوں کی زرعی معلومات اور صنعتی مہارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اہل اسپین اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

عدالت اختیار مذہبی مطلق العنانی

اسپینی قوم جن امراض میں مبتلا ہو گئی تھی انمیں خاص مرض یہی دو تھے ایک عدالت اختیار مذہبی اور دوسرے مطلق العنانی۔ چونکہ انکا تعلق مرکزی قوت سے تھا اس لیئے یہ ایک عام بات ہو گئی ہے کہ اسپین کے زوال کو اس کے بادشاہوں کے تعصب و نادانشمندی پر محمول کیا جاتا ہے مگر اسپینی قوم پر بھی اسکا الزام کچھ کم نہیں ہے۔ اولاً انکا مذہبی غلو اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ انھوں نے تمام نئے خیالات کی طرف سے آنکھ بند کر لی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان میں رئیسانہ غرور بھی پیدا ہو گیا تھا اور جنوبی باشندوں کی عام کاہلی ان میں بھی موجود تھی جس کی وجہ سے وہ کام سے بھاگتے اور اس نجات وہندہ اعظم (کام) کو ذلیل سمجھتے تھے ؛

فلپ سوم ۱۵۹۸ - ۱۶۲۱

فلپ دوم کے بعد اس کا جانشین فلپ سوم (۱۵۹۸ - ۱۶۲۱) بالکل ہی ناقابل شخص تھا۔ ۱۶۰۹ء میں اس کے غرور کا سر نیچا

ہو گیا اور جس کام کے کرنے سے اس کے باپ نے انکار کر دیا تھا وہ اسے کرنا پڑا یعنی ہالینڈ کے باغیوں سے اس نے بارہ برس کیلئے مصالحت کر لی۔ یہ گویا اسپین کے تنزل کا علانیہ اعتراف تھا۔ فلپ چہارم (۱۶۲۱-۱۶۶۵) کے عہد میں یورپی سلطنتوں میں اسپین کا شمار دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی سلطنتوں میں ہونے لگا۔ یہ نتیجہ تھا وسٹ فیلیا (۱۶۴۸) اور پرینیز (۱۶۵۹) کے ذلت آمیز معاہدوں کا جن کے ذریعے سے ندرلینڈز و فرانس کے ساتھ اسپین کی طویل جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۱۶۵۹ء میں اسپین کا سیاسی، معاشرتی اور مادی تنزل ہر ایک مبصر کو صاف نظر آنے لگا تھا۔

باب (۲۱)

انگلستان بزمانِ شاہانِ ٹیوڈر (۱۴۸۵-۱۶۰۳) الیزبیتھ کے دورِ حکومت (۱۵۵۹-۱۶۰۳) میں "اصلاح" کی آخری فتح

ہنری ہشتم سے بہت بڑے توقعات پیدا ہو گئے

خاندانِ ٹیوڈر کے پہلے بادشاہ اور "پرزور بادشاہی کی بنا ڈالنے والے" ہنری ہفتم نے جب ۱۵۰۹ء میں انتقال کیا تو اس کا بیٹا ہنری ہشتم اس کا جانشین ہوا۔ ہنری ہشتم ایک بیس برس کا دلکش نوجوان تھا۔ شہ سواری اور ٹینس وغیرہ کے کھیلوں میں جن سے وضعداروں کو دلچسپی ہوتی ہے، اسے خوب مہارت تھی۔ وہ سب سے لطف و ملائمت سے پیش آتا تھا۔ وہ طبیعت کا فیاض اور شان و شوکت کا شائق تھا۔ قوم میں اس کی قبولیت اس حد کو پہنچی ہوئی تھی گویا قوم اس کی پرستش کرتی تھی پس قوم نے بڑے ہی جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ چونکہ اس کا میلان

علوم قدیمہ کی طرف تھا اس وجہ سے اول اول یہ خیال ہوتا تھا کہ اس کے عہد میں علومِ قدیمہ کو بڑا فروغ حاصل ہو جائے گا۔

انگلستان کے علمائے قدامت

انگلستان کے علمائے قدامت کے سرتاج جان کالٹ اور سر ٹامس مور تھے۔ اس سلسلے میں ارسیمس کا نام لینا بھی مناسب ہے کیونکہ وہ اگرچہ راٹرڈیم میں پیدا ہوا تھا مگر کچھ مدت تک وہ انگلستان میں بھی رہا ہے اور اس کے اثر نے وہاں بڑا کام کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے جرمنی کے ہمعصروں کی طرح علوم قدیمہ کی جدید ترویج کے حامی تھے۔ ان لوگوں کو افلاطون کے خیالی فلسفے سے بڑی دلچسپی تھی اور ان لوگوں نے انگلستان میں ایک اصلاح شدہ و سادہ مذہبی زندگی کا ذوق شوق پیدا کر دیا تھا۔ چونکہ آکسفورڈ کا دار العلوم ان علوم قدیمہ کے اثر کا خاص مرکز بن گیا تھا اس لیئے انگلستان کے علمائے قدامت عام طور پر "مصلحان آکسفورڈ" کہے جانے لگے تھے۔ مصلحان آکسفورڈ میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر ترقی تہذیب میں اہم کام

تعلیم کے متعلق کالٹ کے کارہائے نمایاں۔

انجام دیئے۔ کالٹ کو زیادہ تر تعلیمات سے دلچسپی تھی۔ اس نے خود اپنے صرف سے لڑکوں کے لیئے سینٹ پال کا مدرسہ قائم کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس کا طرز تعلیم ایسا رکھا جو ازمنہ وسطیٰ کے طریقۂ تعلیم سے بالکل علیحدہ تھا۔

مدرسوں کی قدیم تادیب و سختی کے بجائے اس نے محبت و رغبت کو کام کا ذریعہ بنایا، اور یونانی۔ لاطینی زبانوں کا درس ایسے نادر و دلچسپ طریق سے رائج کیا کہ پرانے معلموں کی فرسودہ تعلیم سب نقش بر آب ہو گئی۔ آئندہ جو مدرسے قائم ہوئے سینٹ پال کا مدرسہ ان کے لیئے ایک نمونہ ہو گیا۔

سر ٹامس مور کی تصنیف اٹوپیا

سر ٹامس مور نے سیاسی زندگی اختیار کی اس لیئے اسے عمدگی حکومت کے مسائل سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس بارے میں اس نے اپنے خیالات کو اپنی مشہور کتاب اٹوپیا (سلطنت لا مقام" ۱۵۱۶ء) میں ظاہر کیا ہے۔ میکیولی کی کتاب "پرنس" (حکمراں) کی طرح "اٹوپیا" حقیقی واقعات سیاسیہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک خیالی عالم کا نقشہ

کھینچا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے ہر ایک انسانی حکومت و معاشرت کو کوشش کرنا چاہئے۔ مورؔ کی اس خیالی سلطنت کے ستون "انصاف، آزادی و مساوات" ہیں۔ ایک ایسی زندگی کی دلچسپیوں کو ظاہر کر کے جو اوصاف بالا کی بنیاد پر قائم ہو اس نے بہت ہی قطعی طور پر اپنے ہمعصروں کے دلوں میں ان کوتاہیوں اور کمزوریوں کا نقش جما دیا جو اسوقت کی سلطنتوں میں موجود تھیں۔ سلطنتِ لا مقام میں تعلیم لازمی تھی۔ حفظانِ صحت کے دانشمندانہ انتظامات موجود تھے۔ جانوروں کے ساتھ رحمدلی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ مذہبی رواداری حکومت کے اصول میں داخل تھی۔ لوگوں نے جب ان خیالات کو پڑھا ہوگا تو ضرور ان کے دلوں میں یہ ولولہ پیدا ہوا ہوگا کہ کاش وہ بھی اپنی زندگی میں اس کا لطف اٹھاتے۔

ہنری کا ذاتی جاہ و جلال کی طرف مائل ہو جانا

ہنری زیادہ مدت تک ان علمائے قدامت کے اثر میں نہیں رہا۔ انفرادی طور پر اس نے ان علما میں سے بہتوں کو انعام و اعزاز سے گرانبار کر دیا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اسے اپنے ذاتی جاہ و جلال اور شان و شوکت کا جسقدر خیال ہے اسقدر ملک کی اصلاح کا خیال نہیں ہے۔ اس کے شاہانہ انداز میں ظاہر لطف و ملائمت کے آثار نظر آتے تھے مگر اس کے باطن میں آہستہ آہستہ ایسی شدید و پر زور خود بینی و خود ستائی پیدا ہو گئی تھی جسے اپنی مرضی کے خلاف کسی مخالفت کا خیال تک کرنا گوارا نہیں تھا۔

ہنری کا فرانس و اسپین کی پیچیدگیوں میں دخل دینا

مابعد کے چند برسوں کے خاص واقعات کا تعلق ہنری کی لڑائیوں سے ہے۔ ۱۵۱۲ء میں وہ اسپین اور معاقدہ مقدس کا شریک ہو گیا۔ یہ معاقدہ فرانسیسیوں کو اطالیہ سے خارج کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ پس جب لوئس (شاہ فرانس) ملان کی حفاظت میں مشغول تھا ہنری نے کیلے کی طرف سے (جو ابھی تک انگریزوں کے قبضہ میں تھا) اپنے رقیب کے ملک پر حملہ کر دیا۔ آبنائے کے پار کی ان مہموں کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آسان سی فتح حاصل ہو گئی جو جنگ اسپرز کے نام سے مشہور ہے۔ (۱۵۱۳ء)

اہل اسکاٹلینڈ سے مشکلات کا پیش آنا۔

لیکن اس مداخلت سے ایک دوسری طرف زیادہ قطعی فائدہ حاصل ہوگیا۔ فرانس کے بادشاہ نے جب دیکھا کہ اسے شاہ انگلستان کی طرف سے خطرہ ہے تو اس نے بالطبع جیمز چہارم (شاہ اسکاٹلینڈ) سے اتحاد پیدا کرنا چاہا پس ادھر ہنری فرانس کی مہم میں مشغول تھا ادھر جیمز سرحد اسکاٹلینڈ سے گزر کر جنوب کی طرف بڑھا۔ میدان فلاڈن میں مقابلہ پیش آیا اور اسے کامل شکست ہوگئی۔ وہ خود اور اسکے تمام بلند پایہ امراء سب کے سب میدان جنگ میں کام آگئے۔ یہ آخری موقع تھا کہ اہل اسکاٹلینڈ نے انگلستان کے غلبہ و فوقیت کو واقعی طور پر خطرے میں ڈال دیا ہو۔

وولزی کا اسقف اعظم اور لارڈ چانسلر۔

اس زمانے میں ہنری کا سب سے زیادہ مورد عنایت مشیر کار وولزی (۱۴۷۱-۱۵۳۰) تھا۔ وولزی ایک معمولی شخص کا لڑکا تھا لیکن وہ مذہبی طبقے میں شامل ہوگیا اور اپنی خداداد قابلیت کے باعث بہت جلد منازل ترقی طے کرتا ہوا اس حد پہنچ گیا کہ بادشاہ کی عنایت سے وہ یارک کا اسقف اعظم ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی (۱۵۱۵ء میں) لارڈ چانسلر کے منصب پر بھی فائز کردیا گیا چانسلر کا عہدہ ملکی عہدوں میں سب سے بڑا عہدہ تھا۔ اس طرح وولزی گویا خود ایک دوسرا بادشاہ ہوگیا مگر بدقسمتی سے وہ اقتدار و ظاہری شان و شوکت کا ضرورت سے زیادہ شائق تھا عالیشان محلات، حشم و خدم اور فیاضانہ ضیافتوں سے اپنی شان و شوکت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی جاہ طلبی و نخوت پسندی نے اسکی حتمی و قطعی حب الوطنی و قابلیت میں ایک حد تک کمی کردی تھی۔

ہنری نے لوتھر کی مخالفت کا پہلو اختیار کیا۔

۱۵۱۷ء کے بچالوئے مسائل کے وقت سے "اصلاح" کے متعلق ہیجان و اضطراب پیدا ہوتا جاتا تھا۔ اس سے ہنری کو یہ خیال آیا کہ لوتھر کے اس زندقہ و ارتداد کے بارے میں اسے کوئی معین روش اختیار کرنا چاہیے۔ مسائل مذہبی میں ہنری کے معلومات کچھ کم نہ تھے بلکہ اسے اس امر پر ناز تھا کہ وہ مذہب کے دقائق

وغوامض کا ماہر کامل ہے اور اپنی کمالی دماغی کی وجہ سے وہ اسے گوارا نہیں کرتا تھا کہ اپنے خیالات کو بند رکھے۔ لوتھر جب عشائے ربانی اور پوپ کے اقتدار تک پر حملہ کرنے سے باز نہ رہا تو ہنری نے ۱۵۲۱ء میں ایک بہت سخت رسالہ اس کے جواب میں شایع کیا۔ پوپ کو یہ دیکھکر بہت ہی مسرت ہوئی کہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اس طرح اس کی حمایت پر آمادہ ہوا ہے اور بنظر امتنان اس نے ہنری کو "حامی دین" کا خطاب عطا کیا۔ لیکن بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ بادشاہ و پوپ کے اس خوشگوار تعلق میں مسئلہ طلاق کی وجہ سے کشیدگی و برہمی پیدا ہوگئی۔

ہنری کا عقد

ہنری کے عقد پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے، یاد ہوگا کہ ہنری ہفتم نے اپنی صلح آمیز روش کے خیال سے اسپین سے تعلقات پیدا کرنا چاہے تھے۔ اس کا قیاس یہ تھا کہ انگلستان کو صرف فرانس سے خطرہ ہے اور اسپین و انگلستان اگر متحد ہو جائینگے تو پھر فرانس کی کچھ پیش نہ جاسکے گی۔ ادھر خود اسپین، ہنری کی اس حکمت عملی میں اپنا فائدہ سمجھا تھا اور آخر فرڈیننڈ (شاہ اسپین) اور ہنری ہفتم نے ایک ازدواجی تعلق سے اپنے اغراض باہمی کو مستحکم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ نوعمر شہزادۂ ویلز (آرتھر) کا عقد کیتھرائن (دختر فرڈیننڈ و ازبیلا) سے کر دیا گیا لیکن رسوم شادی کے ادا ہونیکے تھوڑے ہی دنوں بعد آرتھر کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ اتحاد کا خیال دونوں جانب سے قائم تھا اس لیے بالطبع دونوں خاندانوں نے یہ مناسب سمجھا کہ آرتھر کی بیوہ کا عقد اس کے چھوٹے بھائی ہنری سے کر دیا جائے لیکن اس میں مذہب کیطرف سے یہ دقت حائل تھی کہ متوفی بھائی کی بیوی سے عقد کرنا ممنوع تھا۔ اس مشکل کو پوپ جولیس دوم نے ایک خاص معافی کے ذریعے سے رفع کر دیا اور کیتھرائن و ہنری کے معاملے میں کلیسا کے قانون کو منسوخ کر دیا۔ اس طرح راستہ صاف ہوگیا اور ہنری کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی (۱۵۰۹ء) میں کیتھرائن کے ساتھ اس کا عقد ہوگیا۔

ہنری کے طلاق چاہنے کے وجوہ

یہ صاف ظاہر ہے کہ ہنری کے عقد کا جواز صرف پوپ کی معافی پر

تھا اور برسوں تک ہنری کو اس میں شک بھی نہیں ہوا کہ اس کا عقد صحیح تھا یا نہیں، نہ اس نے کبھی یہ خیال کیا کہ پوپ کے اس حکم خاص میں کسی قسم کا نقص ہے۔ لیکن بتدریج ایسے اسباب پیدا ہو گئے اور ایسی صورتیں پیش آگئیں کہ وہ اپنی بیوی سے خلاص حاصل کرنے کا خواہاں ہو گیا جس کے اسباب یہ تھے کہ کیتھرائن اس سے عمر میں پانچ برس بڑی تھی اور اس کا خشک مذہبی انداز ہنری کے دنیاوی طمطراق کے بالکل منافی تھا۔ ہنری اپنی جانشینی کے لیئے بیٹے کا متمنی تھا اور کیتھرائن کے بطن سے صرف ایک بیمار سی لڑکی میری موجود تھی۔ کیتھرائن کے عقد سے مقصود صرف اسپین سے اتحاد قائم رکھنا تھا اور یہ اتحاد ابھی ابھی ۱۵۲۵ء میں ٹوٹ چکا تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے ایک دوسری عورت این بولن سے محبت ہو گئی تھی جو ایک نوعمر اور دلنواز خواص تھی۔ ان تمام وجوہ سے ہنری کو طلاق کا خیال پیدا ہوا اور اس مقصد کے حصول کے لیئے اس نے سب سے بہتر صورت یہ سمجھی کہ پوپ کی اس معافی پر اعتراض کیا جائے جس کے رو سے یہ عقد وقوع میں آیا تھا؛

پوپ نے اس مقدمے کو لیت و لعل میں ڈالدیا؛

ہنری نے ۱۵۲۷ء میں اس طلاق کے معاملے کو اوٹھایا اس نے پوپ کلیمنٹ ہفتم کو مطلع کیا کہ وہ اس معافی کو اصولاً ناجائز سمجھتا ہے اور اس سے یہ درخواست کی کہ اس معافی کو منسوخ کردے۔ یہ ایک طبعی امر تھا کہ پوپ ایسے اہم معاملے میں آہستگی سے کام لیتا، اس اثنا (۱۵۲۷ء) میں شہنشاہ کی فوج نے روم پر قبضہ کر کے اسے لوٹ لیا، اس سے پوپ کے درنگ و تاخیر میں اور اضافہ ہو گیا۔ کلیمنٹ کو اس سے قبل بھی شہنشاہ کی طرف سے نقصان پہنچ چکا تھا، اس وجہ سے اس نے یہ رائے قرار دی کہ جس طلاق کے معاملے سے چارلس پنجم کے اعزاز خاندانی پر اسقدر گہرا اثر پڑتا ہو اس میں اسے بہت احتیاط کے ساتھ کارروائی کرنا چاہیئے۔ پس اس نے ہنری کے ٹالنے کی روش اختیار کی بلکہ ۱۵۲۹ء میں یہ بھی حکم دیدیا کہ اس کے دو خاص وکیل ایک وولزی اور دوسرا ایک اطالوی کیمپگیو خود انگلستان میں اس معاملے کی تحقیقات کریں، مگر اور چالوں کی طرح

اس چال سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیمپگیو یکایک اپنے ملک کو روانہ ہو گیا اور ہنری نے اپنی امیدوں کے برباد ہو جانے سے غصے میں آکر وولزی کو ذلیل کیا اور اگر بروقت (۱۵۳۰ء) وولزی کا خود انتقال نہ ہو گیا ہوتا تو اسے قتل کرا دیتا۔

ہنری نے روما سے قطع تعلق کرنے کا ارادہ کر لیا

ہنری کو پوپ سے جو امید تھی اس میں اسے یوماً فیوماً زیادہ مایوسی ہوتی جاتی تھی اور اب بتدریج وہ اس امر پر آمادہ ہوتا جاتا تھا کہ روما سے قطع تعلق کرلے۔ اگر انگلستان کا کلیسا آزاد قرار دیدیا جائے تو طلاق کا معاملہ انگلستان ہی کی عدالت مذہبی کے سامنے پیش ہوگا اور اس صورت میں اس کا جو فیصلہ ہوگا اس کے نسبت ہنری کے دل میں اپنی مخالفت کا گمان بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ انگلستان کا عام طبقہ بھی روم سے قطع تعلق کو پسند کرتا تھا کیونکہ یہ لوگ اپنے قومی معاملات میں پوپ کی مداخلت سے بہت دنوں سے متنفر تھے پس ہنری کو اس معاملے میں زیادہ دقت نہیں اٹھانا پڑی اور اس نے اپنی مسلسل کارروائیوں سے انگلستان میں پوپ کے اقتدار کو مٹا دیا۔ جہاں تک صلاح و مشورے کا تعلق تھا وہ اپنے دو مشیروں کی سنتا تھا۔ ان میں ایک تو عالم دینیات ٹامس کرینمر تھا اور دوسرا ٹامس کرامول۔ کرامول پہلے وولزی کی ملازمت میں تھا اور اس کے بعد بہت جلد اس کے بجائے مجلس شاہی میں مقرر ہو گیا۔

اس انفراق کے خاص خاص مراحل۔

اس معاملے میں ہنری کی اہم کارروائیاں یہ تھیں کہ اس نے پہلے تو انگلستان کے پادریوں کو ذرا دھمکا کر اپنا مطیع بنا لیا، اس کے بعد اپنے دوست کرینمر کو کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کرکے ۱۵۳۳ء میں طلاق کا سوال اس کے سامنے پیش کیا اور علحدگی کا فیصلہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ہی اسی سال این بولن سے عقد کرکے اسے ملکہ مشتہر کر دیا۔

ارہنمہ جیبنے ہنری کے کام کی تکمیل کر دی۔

ان تمام کارروائیوں کا مطلب یہی تھا کہ

پوپ کو ایک صلائے جنگ دی جائے، جس کی کامیابی کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ از روئے قانون روم و انگلستان کے درمیان جملہ تعلقات برطرف کر دئے جائیں پس اس حد پر پہنچ کر پارلیمنٹ طلب کیگئی اور ۱۵۳۴ء میں اس نے ہنری کے کام کو مکمل کر دیا۔ اس نے "کسی نوعیت کسی جہت اور کسی حالت" میں کسی قسم کے مرافعہ کے روم میں لیجانے کی ممانعت کر دی۔ اس نے بادشاہ کو اساقفہ کے تقرر کا اختیار دیدیا اور آخر الامر "قانون تفوق مذہبی" کو منظور کر لیا جس کے رو سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ "روئے زمین پر کلیسائے انگلستان کا اعلیٰ سرپرست صرف بادشاہ (انگلستان) ہے"۔

هنری، انگلستان کا پوپ بنگیا

اس طرح ہنری جو پہلے ہی سے سلطنت کا حاکم اعلیٰ تھا اب کلیسا کا بھی حاکم اعلیٰ ہو گیا گویا وہ انگلستان کا پوپ بن گیا۔ ہنری نے جس زور کے ساتھ اپنے اقتدار سے کام لیا، روم کے کسی پوپ نے بھی اس شدت کے ساتھ اپنے اقتدار سے کام نہیں لیا تھا، وہ اس نئے انتظام سے کسی قسم کی مخالفت کے خیال تک کا روادار نہیں تھا، جو لوگ اس انتظام سے کشیدہ خاطر تھے ان کو خوف دلانے کے لئے اس نے انگلستان کے دو بلند رتبہ اشخاص اسقف فشر اور عالم قدامت سر ٹامس مور کو قتل کرا دیا، ان لوگوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ان تغیرات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

پروٹسٹنٹوں کے متعلق ہنری کی روش

اول ہی سے یہ ایک دلچسپ سوال بن گیا تھا کہ ہنری، روم کے مسلمہ انتظام عقائد اور رسوم و رواج سے کس حد تک علیحدگی اختیار کرے گا اور کہانتک پروٹسٹنٹوں کی روش کو قبول کرے گا۔ جس نازک حالت کا انجام "قانون تفوق مذہبی" پر ہوا تھا اس نے کلیسائے انگلستان کو روم سے بالکل آزاد کر دیا تھا۔ ایک حد تک یہ توقع ضرور تھی کہ ہنری پر پروٹسٹنٹی "اصلاح" کا اثر پڑے گا خاص کر اسوجہ سے کہ اسکا سب سے زیادہ معتمد مشیر کرامول تھا اور کرامول کا رجحان بہت شدت کے ساتھ

لوتھر کے خیالات کی طرف تھا؛

پروٹسٹنٹی تغیرات

پس آہستہ آہستہ بہت سی نئی باتیں رائج کی گئیں۔ انگریزی زبان کی کتاب مقدس ہر ایک گرجا میں رکھی گئی۔ عالم برزخ میں گناہ صغیرہ سے پاک ہونا، پوپ سے معافی حاصل کرنا، مُردوں کے لیئے نذر و نیاز کرنا، یہ سب عقیدے لغو قرار دیئے گئے۔ زیارتوں کے لیئے جانا ممنوع قرار پا گیا اور وہ سب تصویریں ضائع کر دی گئیں جن سے معجزات کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن ان بدعات میں سب سے موثر بدعت خانقاہوں کا بند کر دینا تھا۔

خانقاہوں کا بند کیا جانا ۱۵۳۶ء

ہنری کی تخت نشینی کے وقت انگلستان میں تقریباً بارہ سو خانقاہیں موجود تھیں، اور ان کی دولت خاص کر ان کی ارضی دولت بہت زیادہ تھی۔ ان میں سے بہت سی خانقاہوں میں بد اطواری پھیل گئی تھی اور یہ خانقاہیں پہلے جس طرح مرجع خلائق تھیں اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ اس لیئے کارڈنل وولزی نے خود ہی انھیں بند کرنیکی کارروائی شروع کر دی تھی اور اب کرامول کے زمانے میں اس کی تکمیل ہو گئی۔ ۱۵۳۶ء میں ہنری نے پارلیمنٹ سے ایک حکم حاصل کر لیا جو گویا انگلستان کے راہبوں کے لیئے قتلِ عام کا فتویٰ تھا۔ خانقاہ کی تمام جائداد بادشاہ کی ملک قرار دیدی گئی اور اس نے ان کا زیادہ حصہ اپنے امرا کو دیدیا۔ اور بقیہ کو اسقفوں کے منصب اور مدرسوں کے لیئے وقف کر دیا یا دربار کے فضولِ اخراجات میں اڑا دیا؛

"اصلاح" کی رفتار میں ہنری کے قدم رُک جاتے ہیں؛

اس حد تک قوم کا بیشتر حصہ ہنری کے ہمخیال تھا کیونکہ اہل ملک اگرچہ دلمیں پوپ کی وقعت کرتے تھے مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ انکا ملک روما کے اثر سے آزاد ہو جائے اور خانقاہوں کی خرابی کا بعض کو یقین تھا مگر اب وقت آگیا تھا کہ ہنری پر یہ منکشف ہو جائے کہ قوم جس حد تک اس کی کارروائیوں کی روادار ہو سکتی تھی وہ حد آگئی ہے۔ شمالی انگلستان میں (جہاں ابھی تک ازمنۂ وسطے کی حالت برقرار تھی) خانقاہوں کے بند کیئے جانے کے خلاف اعتراض ہوا اور اس اعتراض نے بہت جلد بغاوت کی صورت اختیار کر لی اور ۱۵۳۶ء کے

اس بغاوت کا نام "سفرِ رحمت" قرار دیدیا گیا تھا، ہنری نے اگرچہ بہت سختی کے ساتھ اس بغاوت کو دبا دیا مگر اس سے اس کو اتنا یقین ہو گیا کہ سردست اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ اب آگے قدم نہ بڑھائے۔ پس وہ نہ صرف رک گیا بلکہ ۱۵۳۹ء میں وہ ایک گونہ رجعتِ قہقری کا شکار ہو گیا۔ لوتھر کے خیالات کی ترقی سے خوفزدہ ہو کر اس نے کرامول کو جو ان خیالات کا ہمدرد تھا ذلیل کر کے قتل کرا دیا اور "عقائدِ ستہ" کے نام سے ایک کتاب "اعتراف عقائد"، شائع کی جس میں اس نے خاص خاص رومن کیتھولک عقائد کی تائید کی تھی۔ پادریوں کے تجرد، خفیہ اعترافِ گناہ اور تبدیلِ دم ولحم کے عقیدوں کو اس نے صحیح ٹھرایا تھا۔ اپنے باقی زمانۂ حکومت میں ہنری پروٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولکوں دونوں کو سزائیں دیتا رہا، پروٹسٹنٹوں کو اس لیئے کہ وہ "عقائدِ ستہ"، سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور رومن کیتھولکوں کو اس لیئے کہ وہ اس کے تفوقِ مذہبی کے قائل نہ تھے۔

ہنری کے دورِ حکومت کے اوائل زمانے میں اس کی غیر ملکی حکمت عملی کا رہبر وولزی تھا۔ اس زمانے کا اہم سیاسی معاملہ فرانس و اسپین کی رقابت تھی۔ فرانس میں فرانسس اول اور اسپین میں چارلس پنجم حکمراں تھے اور دونوں ہنری کو اپنے ساتھ ملانے کے آرزومند تھے، ہنری کبھی ایک کا ساتھ دیتا اور کبھی دوسرے کا۔

ہنری کی تاریخ میں یہ ضروری ہے کہ کم از کم ایک صفحہ اس کی شخصی حالت کے لیئے بھی وقف کیا جائے۔ کیتھرائین (آراگان) کی اندوہناک ذلت اور این بولن کی تاجپوشی کے حالات تو ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں این بولن کے بطن سے ایک لڑکی الیزبتھ پیدا ہوئی اور اس کے بعد ہی بہت جلد (۱۵۳۶ء میں) این بولن قتل ہو گئی۔

تیسری بیوی جین سیمور خود اپنی موت سے مری اور ایک لڑکا اڈورڈ چھوڑ گئی چوتھی بیوی این (کلیوس) کسی طرح ہنری کے لیئے موزوں نہ تھی اور اس کے عقد ہی کو گویا اس کا طلاق سمجھنا چاہیئے (۱۵۴۰ء)، پانچویں بیوی

کیتھرائن ہاورڈ بیوفا ثابت ہوئی اور ۱۵۴۲ء میں قتل کر دی گئی، اور اس طرح چھٹی بیوی کیتھرائن پار کے لیئے جگہ خالی ہوگئی۔ اسے بھی وقتاً فوقتاً سخت خطرات کا سامنا ہوتا رہا مگر اپنی اطاعت کیشی سے وہ کسی نہ کسی طرح بچتی رہی یہانتک کہ خود ہنری ہی دنیا سے گزر گیا؛

جانشینی

ہنری کا انتقال ۱۵۴۷ء میں ہوا، پارلیمنٹ نے اسے یہ حق دیدیا تھا کہ وہ اپنی حسبِ مرضی بذریعۂ وصیت جانشینی کا تصفیہ کردے۔ اس نے اپنے تینوں بچوں کو اس ترتیب سے وارث قرار دیا کہ اول اڈورڈ، اس کے بعد میری اور آخر میں الیزبتھ حکمراں ہوں؛

اڈورڈ ششم

(۱۵۴۷ — ۱۵۵۳)

سمرسٹ محافظِ ملک ہے

ہنری کے مرنے کا زمانہ جب قریب آیا ہے اسوقت اڈورڈ ششم کی عمر صرف نو برس کی تھی اس لیئے ہنری نے اس کی صغرسنی کے زمانے کے لیئے ایک مجلسِ تولیت قائم کردی تھی اور اڈورڈ کے ماموں ڈیوک سمرسٹ کو اس کا صدر بنا دیا تھا لیکن سمرسٹ نے ہنری کی وصیت کا کچھ خیال نہ کیا اور ملک کا کل اختیار ہاتھ میں لیکر محافظِ ملک کا خطاب اختیار کرلیا؛

مذہب پروٹسٹنٹ کا اختیار کیا جاتا ہے

اسوقت سب سے اہم سوال مذہب کا سوال تھا۔ انگلستان کا کلیسا نہ تو رومی کلیسا تھا اور نہ پروٹسٹنٹی، اسلیئے دونوں طریقوں کے سچے پیرو اس سے کشیدہ تھے پس سمرسٹ نے (جو لوتھر کے خیالات کا مؤید تھا) یہ عزم کرلیا کہ زیادہ ترلنہ

نہیں گزرنے پائے گا کہ وہ پروٹسٹنٹی اصلاحات کو تمام و کمال رائج کر دیگا۔ اس معاملے میں کینٹر بری کا اسقف اعظم کرینمر بھی اس کا مؤید تھا کیونکہ وہ بھی دل میں پروٹسٹینٹ تھا۔ ان دونوں شخصوں نے اب تغیرات کا وہ دور شروع کیا جسے فرقہ اینگلیکن کے مورخین بالعموم "پروٹسٹنٹی بد نظمی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گرجوں سے تصویریں اور قربان گاہیں بالکل خارج کر دی گئیں قیمتی کپڑے اور مقدس جلوس ترک کر دئے گئے اور نماز بجائے لاطینی زبان کے انگریزی میں ادا ہونے لگی۔ انگریزی زبان میں نماز ادا کرنے کی آسانی کے لیئے کرینمر نے ۱۵۴۹ء میں انگریزی کی کتاب "ادعیہ" شائع کی اس کے ساتھ ہی انگلستان کے کلیسا کو رومی عقائد سے پھیر کر پروٹسٹنٹی عقائد پر قائم کیا گیا اور ۱۵۵۲ء میں ایک نیا "اعتراف عقائد" شائع ہوا جو "۴۲ عقائد" کے نام سے مشہور ہے یہ عقائد اول سے آخر تک پروٹسٹنٹی بلکہ کیلونی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان تغیرات کے ساتھ ہی ساتھ تجرد کا اصول ترک کر دیا گیا اور پادریوں کو مناکحت کی اجازت دیدی گئی۔

نارتھمبر لینڈ نے تولیت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا

لیکن محافظ ملک سمرسٹ اتنے دنوں زندہ نہ رہا کہ وہ پروٹسٹینٹ کلیسا کے قیام کو مستحکم کر سکتا۔ اس کے ذلت آمیز برتاؤ اور انقلابی تجاویز سے ہر طرف بد دلی پھیل گئی تھی اور ۱۵۴۹ء میں وہ امرا کی ایک سازش کا شکار ہو کر بہت جلد قتل کر دیا گیا اس کے بعد اگرچہ اس کا سیاسی مخالف ڈیوک نارتھمبر لینڈ ذی اختیار ہو گیا مگر اس نئے متولی نے بھی فی الاصل وہی انتہائی پروٹسٹینٹ روش اختیار کی جو سمرسٹ کی تھی۔

اڈورڈ کا قبل از وقت رشد و بلوغ

لیکن نارتھمبر لینڈ اگر حامیانِ پوپ کے فریق سے کچھ مراعات کرنا بھی چاہتا تو خود نوعمر بادشاہ اس کا مخالف ہو جاتا۔ جیسا کہ بالعموم ناجائز تعلق سے پیدا شدہ بچوں کا حال ہوتا ہے، وہی حال اڈورڈ کا بھی تھا اس کے ذہنی و دماغی قوی میں غیر معمولی طور پر قبل از وقت بالیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے ماموں سمرسٹ نے

اسے بہت ہی سخت پروٹسٹنٹ تعلیم دی تھی اور وہ انجیل کو اس انہماک سے پڑھتا تھا جیسے کوئی کیلوِنی واعظ پڑھتا ہو۔ لیکن ۱۵۵۳ء میں اس کی طاقت میں ایسا صریحی زوال آگیا کہ جانشینی کا سوال اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد از روئے استحقاق میری کو وارث تاج و تخت ہونا چاہیئے تھا۔ میری اپنی اسپینی ماں کیتھرائن کی طرح بڑی ہی پکی رومن کیتھولک تھی۔ اس کی حکومت کے خیال سے نارتھمبرلینڈ کو خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ خود پروٹسٹنٹ تھا اور ایک حاشیۂ پوپ بادشاہ سے اس کا خائف ہونا بجا تھا۔ پس اس نے نوعمر بادشاہ کے احساسِ مذہبی پر اس تدبیر سے اثر ڈالا کہ وہ اس وصیت نامے کے لکھنے پر راضی ہو گیا کہ اس کی دونوں بہنیں میری اور الزبتھ تخت نشین ہونے سے محروم کر دی جائیں اور ہنری ہفتم کی پر نواسی لیڈی جین گرے[1] تخت نشین ہو جائے۔ ادھر اس دوران میں نارتھمبرلینڈ نے لیڈی جین گرے کا عقد پہلے ہی اپنے ایک بیٹے گلفرڈ ڈڈلی سے کر دیا تھا۔ اسطرح اسے یہ توقع تھی کہ خود اسکا اختیار و اقتدار برابر قائم رہے گا۔ جولائی ۱۵۵۳ء میں اڈورڈ کا انتقال ہو گیا۔

میری

(۱۵۵۳ - ۱۵۵۸)

میری کا خیر مقدم بہ حیثیت حکمراں کے۔	اڈورڈ کی سانس ٹوٹتے ہی نارتھمبرلینڈ نے لیڈی جین گرے کو ملکہ مشتہر کر دیا۔ لیکن نارتھمبرلینڈ اگر جین گرے کو کامیاب

---

[1] نسب نامہ لیڈی جین گرے

ہنری ہفتم
- ہنری ہشتم
- مارگریٹ
- میری = ڈیوک سفوک
  - فرنسیس = ہنری گرے
    - جین گرے

بنانے کی کچھ بھی توقع رکھتا تھا تو وہ بہت جلد باطل ہوگئی۔ عوام الناس نے اس کی اس قابل نفرت سازش کو معلوم کرلیا اور اپنے جائز حکمراں میری کے گرد جمع ہوگئے۔ انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ میری کا خیر مقدم کیا کیونکہ وہ نہ صرف انصافاً اسے اپنی ملکہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے عزیز ترین توقعات بھی انھیں ایسا کرنے پر مائل کر رہے تھے۔ قوم کا بیشتر حصہ اب بھی رومن کیتھولک تھا اور ایڈورڈ اور نارتھمبر لینڈ کے سخت قسم کے پروٹسٹنٹ طریق سے ان کے دلوں میں عداوت پیدا ہوگئی تھی۔ میری سے انھیں یہ توقع تھی کہ عشائے ربانی اور رومن کیتھولک طور وطریق پھر رائج ہو جائینگے، کیونکہ ان چیزوں کی وقعت ابھی قوم کے دلوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

لیڈی جین گرے

انگریزی قوم جب اپنے جائز بادشاہ کی طرف ایسی غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ مائل ہوگئی تو لیڈی جین گرے کی تاجپوشی کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوا کہ وہ تاجپوشی کے بعد ہی معزول کردی گئی اور نارتھمبر لینڈ کو اپنے اس حرص وجاہ طلبی کے معاوضے میں اپنا سر دینا پڑا۔ افسوس یہ ہے کہ لیڈی جین گرے جو میری کو معزول کرنے کی سازش سے بالکل بری تھی اور جس نے اپنی مرضی کے خلاف اپنے خسر کے کہنے سے تاج قبول کیا تھا اسے بھی یہی پاداش بھگتنا پڑی۔

میری نے مذہب کیتھولک کو تمام وکمال بحال کردینے کی تجویز سوچی

یہ یقینی ہے کہ اگر میری ایک معتدل مذہبی روش اختیار کرتی تو اس کا دور حکومت رعایا کی خواہشوں کو پورا کرنے والا ثابت ہوتا، لیکن میری مصالحت کے خیال تک کی روادار نہیں تھی۔ اس کی رگوں میں اسپینی خون دوڑ رہا تھا، اور اس لحاظ سے وہ اپنا فرض سمجھتی تھی کہ سب سے بڑھکر وہ اپنے مذہب کی سچی حامی ثابت ہو۔ پس اس کی تجویز یہ تھی کہ انگلستان کلیۃً پوپ کے اقتدار میں واپس چلا جائے یعنی مذہب کیتھولک تمام وکمال بحال ہو جائے۔ اسی میں اسے دھوکا ہوا۔ انگلستان کے

لوگ اگرچہ پرانے مذہبی رسوم پر قائم تھے مگر قانونِ تفوق مذہبی کو جس نے روم سے انگلستان کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا، تمام قوم نے پسند کر لیا تھا؛

قانونِ تفوقِ مذہبی منسوخ کر دیا گیا؛

میری کے عہد کے پہلے ہی کام نے اس کی روش کی طرف سے کوئی شک و شبہ باقی نہیں چھوڑا۔ پارلیمنٹ نے بے تامل ان تمام قوانین کو منسوخ کر دیا جو اڈورڈ کے وقت میں منظور ہوئے تھے، پرانے مذہب کو پھر قائم کر دیا اور نئے مذہب کی ممانعت کر دی جب شادی شدہ پادری خارج کر دئے گئے اور قدیم طریقۂ عبادت پھر رائج کر دیا گیا تو پھر گزشتہ برسوں کے کاموں کو مٹنے کے لئے جس آخری کارروائی کی ضرورت باقی رہ گئی تھی وہ اختیار کی گئی نومبر ۱۵۵۴ء میں پوپ کا وکیل کارڈنل پول لندن میں وارد ہوا اور جب پارلیمنٹ نے ۱۵۳۴ء کے قانونِ تفوقِ مذہبی کو منسوخ کر دیا تو پول نے باضابطہ انگریزی قوم کو پھر مادرِ کلیسا کے آغوش میں لے لیا؛

میری کا فلپ کے ساتھ عقد کرنا غیر ہر دلعزیز ہوا؛

پوپ کی حمایت میں میری کی حد سے بڑھی ہوئی روش نے عوام کی ہمدردی کو پہلے ہی سے زائل کر دیا تھا اب ۱۵۵۴ء میں ایک غیر ملکی شخص (چارلسِ پنجم کے بیٹے اور وارث) فلپ سے عقد کر لینے سے رعایا کو اس سے عداوت سی پیدا ہو گئی، مگر جسقدر مخالفت بڑھتی جاتی تھی اسی قدر میری کی ضد بھی بڑھتی جاتی تھی جو ٹیوڈروں کا عام خاصہ تھا اور اسی کا باعث تھا کہ اس نے دار و گیر کی وہ روش اختیار کی جسکی وجہ سے اس کے بعد کی پروٹسٹینٹ نسل نے اسے "خونخوار میری" کا لقب دیا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا عہدِ حکومت پروٹسٹینٹ شہیدوں کا دور مشہور ہو گیا ہے۔ ان اموات کی داستان بہت جانگداز ہے، ۱۵۵۵ء میں پینسٹھ آدمی اور ۱۵۵۶ء میں ستر آدمی ضرب تازیانہ سے ہلاک ہوئے۔ ان لوگوں نے موت کے وقت جس استقلال کا اظہار کیا اس نے انگلستان میں مذہب پروٹسٹینٹ کے مستحکم کرنے

میں اُس سے بدرجہا زیادہ نتیجہ پیدا کیا جو کیتھولک واعظوں کی ایک فوج کی فوج کے جوش وخروش سے پیدا ہوتا۔ اسقف رڈلی جب جلائے جانے کے لئے انبارِ ہیزم پر بٹھایا گیا ہے اسوقت اسقف لیٹمر نے اس سے کہا تھا کہ "اے رڈلی اسوقت مردوں کا سا کام کر دکھاؤ۔ خدا کے فضل سے ہم آج انگلستان میں وہ قندیل روشن کرینگے کہ یقین ہے کہ وہ کبھی گل نہ ہوگی"۔ یہ قول صحیح ثابت ہوا۔ لیٹمر اور رڈلی نے جو کام کر دکھائے ان کی وجہ سے انھیں پروٹسٹینٹ شہیدوں کی داستان میں سب سے اوّل جگہ ملی ہے۔ لیکن ایک اور ایسا شخص بھی اس دارو گیر کا شکار ہوا جو اگرچہ اپنے شریفانہ فعل میں ان سے فائق نہیں تھا مگر رتبے میں اُن سے بھی بلند تر تھا۔ یہ شخص کینٹربری کا معزول اسقف اعظم کرنمر تھا۔ وہ دو بادشاہوں کے عہد میں یہ خدمت انجام دے چکا تھا، اسکی طبیعت ہمیشہ اطاعت کی طرف مائل تھی اور یہی وجہ تھی کہ جب امتحان کا وقت آیا تو وہ ڈگمگا گیا اور اس نے اپنے عقیدے سے انکار کر دیا مگر جب موت آنکھوں کے سامنے آگئی تو اس کی ہمت پھر بلند ہوگئی۔ اس نے اپنا داہنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا اور ثابت قدمی کے ساتھ جما رہا اور استقلال کے لہجے میں یہ کہا کہ "یہی ہاتھ ہے جس نے عقیدے سے رجوع ہونے کی تحریر لکھی تھی اس لئے سب سے پہلے اسی کو سزا بھگتنا چاہیے"۔

فلپ کا ہاتھ سے نکل جانا

اگر اڈورڈ کی پروٹسٹنٹی انتہاپسندی نے لوگوں کو اس کی حکومت سے متنفر کر دیا تھا تو میری کی کیتھولک انتہاپسندی کا بھی یہی نتیجہ ہوا۔ بہت جلد وہ وقت آگیا کہ اس کی رعایا کی نفرت نے اس کے محل تک میں اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ ایک خاموش طبیعت و نازک مزاج عورت تھی اور اس کی عدم رواداری کا الزام اس سے زیادہ اُس زمانے کے حالات پر تھا اور نفرت کا جو طوفان اس کے خلاف پیدا ہو رہا تھا اس کا برداشت کرنا اسکی طاقت سے باہر تھا۔ وہ فلپ سے محبت کرتی تھی مگر فلپ کو اس کی کچھ پروا نہ تھی اور اس بیمار و پریشان حال عورت سے (جو خود اس سے عمر میں بارہ برس بڑی تھی) وہ اپنی اس بے پروائی کو پوشیدہ رکھنے کا کچھ خیال بھی نہ کرتا تھا

اس کے مصائب کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے شوہر کے کہنے سے فرانس کے ساتھ جنگ میں پھنس گئی، اس جنگ میں فلپ نے تو ہر طرح کا اعزاز حاصل کر لیا اور میری کو ہر طرح کی ذلتیں نصیب ہوئیں اور ۱۵۵۸ء میں سرزمینِ فرانس کے انگریزی مقبوضاتِ سابق میں سے آخری مقبوضہ (کیلے) بھی ہاتھ سے نکل گیا اس میں شک نہیں کہ کیلے کا نکل جانا در پردہ انگلستان کے لیئے باعثِ رحمت تھا، کیونکہ انگلستان کا تعلق براعظم سے منقطع ہو گیا اور وہ اپنے صحیح مقصد (یعنی سمندری قوت کے حصول) کی طرف متوجہ ہو گیا، مگر اس زمانے کے انگریزوں کے نزدیک کیلے کا سقوط ایک ناقابل برداشت ذلت تھی اور اس کا احساس میری سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں ہوا، اپنے انتقال کے چند روز پیشتر اس نے یہ کہا تھا کہ میں "جب مرونگی تو کیلے میرے دل پر کندہ ہو گا"۔ نومبر ۱۵۵۸ء میں اسکا انتقال ہو گیا۔

الیزبتھ

(۱۵۵۸ - ۱۶۰۳)

ملکہ الیزبتھ کا شاندار عہدِ حکومت

میری کے بعد اس کی سوتیلی بہن یعنی این بولن کی لڑکی الیزبتھ تخت نشین ہوی اور اس کے ساتھ اس دورِ حکومت کا آغاز ہوا جس کی شان و شوکت انگلستان کے تمام سابقہ بادشاہوں کی شان و شکوہ پر سبقت لیگئی۔ اس عہد میں مذہب پروٹسٹینٹ مضبوطی کے ساتھ انگلستان میں قائم ہو گیا۔ سمندر کی عظیم الشان سلطنت اسپین کو صلائے جنگ دیا گیا اور اسے شکست ہوی، اسوقت کے انگلستان کی زندگی کا نقشہ شیکسپیر اور اس کے ہمعصروں نے اِس صفائی کے ساتھ کھینچا ہے کہ اس عیش و تنعم کی کوئی نظیر نہ اس کے قبل ملتی ہے اور نہ اس کے بعد ہو۔

الیزبتھ کے عادات و اخلاق

الیزبتھ کی خوش قسمتی تھی کہ سولھویں صدی میں انگلستان کو

دفعۃً جو عروج حاصل ہوگیا وہ اسی کے نام سے وابستہ ہوگیا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی ضیا نے ایسی چکا چوند پیدا کر دی ہے کہ اس کا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن معائب اس میں اسی قدر موجود تھے جتنے عام آدمیوں میں ہوتے ہیں۔ اس میں نخوت، تلون مزاجی، اور معشوقانہ ریشہ دوانیوں کے عیوب خاص طور پر نمایاں تھے مگر یہ دشوار ہے کہ ان معائب کی وجہ سے اسکی اعلیٰ قابلیتوں پر پردہ پڑ جائے۔ اپنے تمام زمانۂ حکومت میں اس نے جملہ معاملات پر مدبرانہ قابو رکھا اور ہمیشہ غیر متزلزل عزم و استقلال کا اظہار کرتی رہی ؛

الیزبیتھ کی مذہب کی طرف سے بے پروائی ؛

الیزبیتھ مذہب کے معاملۂ عظیم میں جسے اس کے ہمعصر زندگی کا اہم ترین مسئلہ خیال کرتے تھے، نسبتاً سُستی معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ وہ بالطبع اعتدال کی طرف مائل تھی اسلیئے وہ اڈورڈ و میری دونو کے برباد کن غلو سے بچی رہی اور خوبیِ قسمت سے اسے ایسے امور کی فکر و جستجو پیدا ہوگئی جس سے انسان میں افتراق کے بجائے اتحاد پیدا ہوا ؛

پریوی کاؤنسل اور پارلیمنٹ

الیزبیتھ کی حکومت کے خاص اعضا پریوی کاؤنسل (مجلس شوریٰ خاص) اور پارلیمنٹ تھے۔ پریوی کاؤنسل سے تقریباً وہی مقصد حاصل ہوتا تھا جو اس زمانے کی کیبینٹ (مجلس وزرا) سے حاصل ہوتا ہے اور الیزبیتھ نے یہ التزام کر لیا تھا کہ کسی امر کے فیصلہ کرنے کے قبل اس مجلس کی رائے معلوم کر لیتی تھی۔ اس امر میں بھی وہ کچھ کم قابل ستائش نہیں ہے کہ اس نے بہت ہی عقلمند مشیروں کا انتخاب کیا تھا خاص کر ولیم سسل (لارڈ برلی) پر اس کا اعتماد کرنا بہت قابل تعریف ہے کیونکہ لارڈ موصوف اُس زمانے کے انگریز مدبروں میں سب سے بڑا شخص تھا۔ الیزبیتھ کو پارلیمنٹ کے بہ نسبت (جسے رعایا منتخب کرتی ہے) پریوی کاؤنسل سے (جسکا انتخاب وہ خود کرتی تھی) مشورہ کرنا زیادہ مرغوب تھا۔ اس لیئے الیزبیتھ کے عہد میں بھی پارلیمنٹ کی حالت وہی رہی جو دوسرے ٹیوڈر حکمرانوں کے دور میں رہ چکی تھی یعنی وہ شاہی مرضی کی مطیع ہی رہی۔ اصلی طاقت قریب قریب مطلق العنانانہ طور پر الیزبیتھ

ہی کے ہاتھ میں مجتمع تھی۔

الیزبیتھ نے ایک معتدل مذہبی روش اختیار کی۔

اُصلاح" کا مہتم بالشان مسئلہ وہ پہلا مسئلہ ہے جس سے الیزبیتھ کو دوچار ہونا پڑا۔ اڈورڈ نے انتہائی پروٹسٹنٹ طریق کی پیروی کرنی چاہی اور اس میں وہ ناکام رہا۔ میری نے اس کے برعکس سختی کے ساتھ رومن کیتھولک طریق پر چلنا چاہا اور اسے بھی ناکامی ہوی، پس اس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ دانشمندی کا اقتضا یہ ہے کہ ایک معتدل روش اختیار کی جائے جو ان دونوں کے بین بین ہو۔

قانونِ تفوقِ مذہبی و قانونِ اتحادِ عبادت۔

پس الیزبیتھ نے اس کام کی ابتدا یوں کی کہ ۱۵۵۹ء میں پارلیمنٹ سے "قانون تفوقِ مذہبی" اور "قانونِ اتحادِ عبادت" نافذ کرادیا۔ کلیسائے انگلستان اسوقت جس حالت پر قائم ہے اس کی بنیاد یہی دونوں قوانین ہیں۔ "قانونِ تفوقِ مذہبی" کی رو سے روم سے انگلستان کی آزادی کا پھر اعلان کردیا گیا اور الیزبیتھ کو ملک کے دنیاوی معاملات کی طرح دینی معاملات کا بھی حکمرانِ اعلیٰ مشتہر کردیا گیا۔ "قانونِ اتحادِ عبادت" کی رو سے پادریوں کو "کتاب ادعیہ" کے مقررہ طریقِ عبادت میں فرق کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی۔ یہاں یہ ذکر کردینا بے محل نہ ہوگا کہ بعد کو یہ بھی قرار دیا گیا کہ عقائد میں بھی اتحاد کی ضرورت ہے اور اس غرض کے لئے اڈورڈ کے وقت کے "چہل و دو عقاید" پر نظرثانی کرکے اب "سی و نہ عقائد" مرتب کیے گئے۔ اس طرح پر اینگلیکن کلیسا" مستقل طور پر قائم ہوگیا اور کم وبیش اس کی ہیئت وہی تھی جو آج ہے۔ اس کلیسا کو اسقفی کلیسا بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں اساقفہ کی حکومت ہوتی ہے۔

الیزبیتھ کا رویہ کیتھولکوں کی طرف

الیزبیتھ کی معتدل پروٹسٹنٹ روش انگریزی قوم کے بیشتر حصے کے خواہشات کے موافق تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سابقہ حکومتوں کے تیز تغیرات نے جو ایک غیر متیقن حالت پیدا کردی تھی وہ جاتی رہی اور بہت جلد اعتماد کی صورت قائم ہوگئی۔ اب آہستہ آہستہ پروٹسٹنٹ طریق انگریزی قوم کے دلوں میں جاگزیں ہونے لگا اور ازمنۂ وسطےٰ کے عقاید دلوں

سے خارج ہونے لگے۔ مگر ابھی ایک مدتِ دراز تک طرفدارانِ پوپ کی جماعت کو بھی ملک میں معقول اثر حاصل رہا تاہم صحیح معنوں میں الیزبیتھ مذہبی دارو گیر کرنیوالی حکمراں نہیں تھی۔ بیشک عبادت میں آزادی برتنے کی وہ روادار نہیں تھی اور جو رومن کیتھولک قومی کلیسا سے غیر حاضر ہوتے تھے انھیں غیر حاضری کا جرمانہ دینا پڑتا تھا لیکن جب تک کہ وہ سیاسی سازشوں کے مرتکب نہیں ہوتے تھے انھیں جسمانی سزا نہیں دیجاتی تھی ۔

پیورٹیین اور سپیریٹسٹ (انفراقی)

جس نسبت سے رومن کیتھولکوں کی تعداد و اہمیت گھٹتی جاتی تھی اسی نسبت سے ایک دوسری جماعت کی تعداد و اہمیت بڑھتی جاتی تھی۔ اس جماعت کے خیالات بھی اینگلیکن کلیسا کی طرف سے ایسے ہی خراب تھے جیسے رومن کیتھولکوں کے تھے، اگرچہ اس کے اسباب بالکل جداگانہ تھے۔ یہ انتہا پسند پروٹسٹینٹوں کی جماعت تھی جو الیزبیتھ کی میانہ روی سے خوش نہیں تھی اور کامل پروٹسٹینٹ انتظام کے لئے شور مچا رہی تھی۔ یہ پروٹسٹینٹ "نان کنفرمسٹ" (عام عبادت سے اتفاق نہ کرنے والے) کہلاتے تھے۔ یہ بھی دو فرقوں میں منقسم ہوگئے ایک "پیورٹیین"، دوسرے "سپیریٹسٹ"۔ پیورٹینوں کا اختلاف اعتدال کو لئے ہوئے تھا، انھوں نے اینگلیکن کلیسا سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کئے کیونکہ انھیں یہ امید تھی کہ وہ اسے اپنی تجویز سے موافق کرلینگے۔ ان کا یہ نام اولاً مذاق کے طور پر رکھا گیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ عبادت میں زیادہ پاکیزگی کے خواہاں تھے اس لئے ان کے اینگلیکن مخالف ان کو اس نام سے پکارنے لگے۔ اس پاکیزگی عبادت کا مقصد یہ تھا کہ اینگلیکن کلیسا میں جو بہت سے رومن کیتھولک طریقے باقی رہ گئے ہیں وہ خارج کردئے جائیں مثلاً عبادت میں گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا، سفید عبا پہننا اور قربان گاہ کی آرائش کرنا۔ سپیریٹسٹ (انفراقی) (جنھیں بانیِ فرقہ رابرٹ براؤن کے نام سے پیروانِ براؤن بھی کہتے تھے) اسدرجہ انتہا پسند تھے کہ وہ مصالحت کا نام تک نہیں سننا چاہتے تھے۔ وہ انگلستان کے سرکاری کلیسا کو رومی کلیسا سے کسی طرح افضل نہیں سمجھتے تھے اور اسلئے

انھوں نے وہاں کی عبادت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا اور اسطرح "اتحادِ عبادت" کے قانون کے بموجب سزا کے مستوجب بن گئے تھے ؛

الیزبیتھ کو مذہب پروٹسٹینٹ کی حمایت کیلئے مجبور ہونا پڑا

الیزبیتھ جب تخت پر بیٹھی ہے اسوقت اسکی مذہبی روش اس درجہ معتدل تھی کہ پوپ اور فلپ دونوں کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ دنوں تک اچھے رہے، مگر رفتہ رفتہ ایک طرح کی سرد مہری پیدا ہوتی گئی اور آخر ۱۵۷۰ء میں ملکہ کے خارج عن الملت کیئے جانے کی اشاعت نے یہ ظاہر کر دیا کہ صبر کی انتہا ہو گئی ہے۔ اسوقت انگلستان کی حیثیت یہ ہوتی جاتی تھی کہ وہ بلا قصد تمام دنیا کے پروٹسٹینٹوں کا سرگروہ بنتا جا رہا تھا۔ چونکہ رومی کلیسا کی قوت دوبارہ پر زور طور پر بڑھتی جا رہی تھی، اس سے یہ ہویدا تھا کہ اب زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ ان دونوں مذہبوں میں ہر طرف زور آزمائی شروع ہو جائے گی اور ان میں سے ایک کا سرگروہ انگلستان اور دوسرے کا اسپین ہوگا ؛

اسکاٹلینڈ کے معاملات

الیزبیتھ کے عہد کے ہر ایک فعل سے اس زور آزمائی کا زمانہ کچھ نہ کچھ قریب ہی آتا جاتا تھا، خاصکر اسکاٹلینڈ اور اس کی ملکہ میری اسٹوارٹ کے ساتھ الیزبیتھ کے تعلقات اور بھی باعثِ عجلت ہو گئے۔ اسکاٹلینڈ صدیوں سے انگلستان کا دشمن رہا تھا، اور دونوں ملکوں کی خصومت میں غالباً اسوقت سے زیادہ تلخی کبھی پہلے نہیں پیدا ہوئی تھی۔ ہنری ہفتم نے ازراہ دانشمندی یہ کوشش کی تھی کہ دونوں خاندانوں میں زیادہ یکجہتی و اتفاق پیدا ہو جائے اور اس خیال سے اس نے اپنی لڑکی مارگیرٹ کا عقد جیمز چہارم سے کر دیا تھا مگر اس تدبیر سے بھی جنگ نہ رک سکی جیمز چہارم اور جیمز پنجم دونوں کی ہمدردی فرانس کے ساتھ تھی اور دونوں انگلستان کے خلاف جنگ و جدل میں مارے گئے جیمز پنجم ۱۵۴۲ء میں مارا گیا جبکہ اس کی بیٹی اور اس کی وارث میری صرف چند ہفتے کی بچی تھی۔ میری اسٹوارٹ کا ہنری ہفتم کی اولاد میں ہونا اور بطن غالب ہنری ہشتم

شکر دہ میری اسٹوارٹ (۱۵۶۸ء)

کے سلسلۂ اخلاف کے منقطع ہو جانے کا گمان یہ ایسے

اسباب جمع ہوگئے تھے جن سے یہ توقع ہوگئی تھی کہ یہی لڑکی تختِ انگلستان کی وارث ہوگی۔ ۱۵۵۸ء میں جب میری ٹیوڈر کا انتقال ہوگیا تو ہنری ہفتم کی اولاد میں الیزبتھ کے سوا، میری اسٹوارٹ کا سا بلند رتبہ شخص کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ بلکہ رومن کیتھولکوں کی نظر میں تو اس کا حق الیزبتھ سے بھی بڑھا ہوا تھا کیونکہ یہ لوگ این بولن کی لڑکی (الیزبتھ) کو اولادِ ناجائز سمجھتے تھے۔ تختِ انگلستان کے اس تعلق کی وجہ سے ان دونوں عورتوں کو ایک دوسرے سے سخت نفرت ہوگئی تھی اور انہیں دونوں کی رقابت کی وجہ سے وہ طویل خونریز واقعات پیش آئے جنکا انجام میری کے قتل پر ہوا۔

میری کا فرانس کو بھیجا جانا

میری جب تختِ اسکاٹلینڈ کی ملکہ بنائی گئی ہے اسوقت وہ گود میں تھی۔ پس اس کی ماں جس کا نام بھی میری تھا اور جو فرانس کے خاندانِ گائس سے تعلق رکھتی تھی، اس کے بجائے بطور متولی کے کام کرنے لگی اور اپنی لڑکی کو انگریزی اثرات سے ہر ممکن طور پر بچانے کے لئے اس نے اسے فرانس بھیجدیا جہاں وہ جلد ترولیعہدِ سلطنت کے ساتھ منسوب ہوگئی۔ اس طرح انگلستان کے علی الرغم فرانس اور اسکاٹلینڈ کے اغراض ایک نئے رشتے سے مضبوط ہوگئے۔

اہل اسکاٹلینڈ کا مذہب پروٹسٹینٹ اختیار کرنا۔ ۱۵۶۰ء

میری (گائس) کو اسکاٹلینڈ میں بہت جلد انھیں مشکلات کا سامنا ہوا جو ”اصلاح“ کے معاملے سے اس زمانے کے ہر ایک حکمراں کو پیش آرہے تھے۔ اسی کے زمانۂ تولیت میں چند پرجوش کیلونی واعظوں نے جن میں جان فاکس (۱۵۰۵-۱۵۷۲) سب سے مقدم تھا، نئے عقیدے کا اعلان شروع کردیا تھا اور اس میں انہیں کامیابی ہورہی تھی۔ کچھ دنوں تک دونوں طرف پلہ برابر رہا مگر جب امرا نے اس طمع میں آکر کہ کلیسا کی زمینیں ان کے قبضے میں آجائینگی، ان واعظوں کا ساتھ دینا شروع کردیا تو اس ملک میں ”اصلاح“ کی کامیابی یقینی ہوگئی۔ میری (متولیہ) نے مایوس ہوکر فرانسیسی فوج کی مدد سے پروٹسٹینٹوں کو زیر کرنا چاہا مگر اس میں اسے کامیابی

نہیں ہوی جسکی خاص وجہ یہ تھی کہ پرنس الیزبیتھ اسکاٹلینڈ کے باغیوں کو مدد دیرہی تھی۔ آخراسے ۱۵۶۰ء میں معاہدہ اڈنبرا پر دستخط کرنا اور فرانسیسی فوج کو واپس بھیجنا پڑا۔ چونکہ اسی سال اس کا انتقال ہوگیا اور ملکۂ میری ابھی فرانس ہی میں تھی اسوجہ سے پروٹسٹینٹ امراد فعتہً ملک کے مالک بن گئے اور ایک پارلیمنٹ کے وسیلے سے جونانکس کے دوستوں پر مشتمل تھی انھوں نے اسکاٹلینڈ کے نئے مذہب پرسبیٹرین کو ۱۵۶۰ء میں باضابطہ قائم کردیا۔

میری کا اسکاٹلینڈ میں آنا ۱۵۶۱ء

اسوقت تک ملکہ میری نے جو دوسرے ملک میں اقامت پذیر تھی اسکاٹلینڈ کے دور دراز ملک کے معاملات سے زیادہ تعلق نہیں رکھا تھا۔ اس کا شوہر فرانسس دوم حال ہی میں (یعنی ۱۵۵۹ء میں) فرانس کا بادشاہ ہوا تھا، اور میری ٹیوڈر کے انتقال کے بعد (یعنی ۱۵۵۸ء) سے رومن کیتھولکوں کے ایک بہت بڑے حصے کی تائید کی وجہ سے وہ (میری اسٹوارٹ) اپنے کو انگلستان کی بھی ملکہ سمجھتی رہی تھی، مگر ۱۵۶۰ء نے اس کے توقعات کو بہت ہی درہم و برہم کردیا اس کے شوہر فرانسس کا انتقال ہوگیا اور انگلستان میں الیزبیتھ ایک حد تک مضبوطی کے ساتھ جم گئی۔ صرف اسکاٹلینڈ، میری کے لیئے باقی رہ گیا تھا اور چونکہ اسکاٹلینڈ کو اپنے حکمراں کی ضرورت تھی اسوجہ سے ۱۵۶۱ء میں میری بزودی تمام ادھر کی عازم ہوگئی۔

میری کے مشکلات

میری جب اسکاٹلینڈ میں پہنچی ہے اسوقت اس کی عمر صرف انیس برس کی تھی اور ملک میں وہ بالکل بیگانہ تھی اس میں اس امر کا اور اضافہ کرلیا جائے کہ کیسے خودسر امرا سے اسے سابقہ پڑا تھا اور چونکہ وہ خود رومن کیتھولک تھی اس وجہ سے اس کی پروٹسٹینٹ رعایا اسے شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی تھی، یہ سب ایسے مشکلات جمع ہوگئے تھے کہ میری سے کوئی برتر و عاقل تر شخص بھی اسے حل نہیں کرسکتا تھا۔

میری کے عادات واخلاق

میری اگرچہ اس کام سے عہدہ برآ نہو سکی مگر اس میں بہتک

قابل قدر خوبیاں موجود تھیں۔ اس کی پرورش فرانس میں ہوئی تھی اور اسکی شائستگی و نفاست پسندی دربارِ ویلاس کے لیئے زیب و زینت تھی۔ اسیں ذہانت و خوبصورتی بلکہ ایک ایسی دلفریبی موجود تھی کہ جو شخص بھی اس کے سامنے آتا تھا وہ مغلوب ہوجاتا تھا۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ میری اپنے خواہشات نفسانی کی بندی تھی اور اس میں اور الزبیتھ میں یہی بڑا فرق تھا۔ الزبیتھ ہر امر میں اپنے فرض ملکی کو مقدم رکھتی تھی اور ایک مدبر کی طرح سے کام کرتی برخلاف ازیں میری اپنی محبت و نفرت کی مطیع بنی رہتی تھی اور ہر کام میں وہ انداز اختیار کرتی تھی جو عورتوں ہی کو زیبا ہوسکتے تھے؛

میری کا عقد ۱۵۶۵ء میں میری نے اپنے پھوپھی زاد بھائی لارڈ ڈارنلی سے عقد کیا اور اسی وقت سے ہر کام میں خرابی پڑی۔ لارڈ ڈارنلی ایک مغرور، بد اطوار و نااہل شخص ثابت ہوا۔ اس نے میری کے مخالف امرا کے ایک فریق کے ساتھ سازش کی اور ان سے ملکہ میری کے ایک اطالوی سکرٹری (وزیر) کو ۱۵۶۶ء میں قتل کر ڈالا۔ میری کو ڈارنلی سے جو کچھ بھی محبت تھی وہ اب نفرت سے بدل گئی اور جب فروری ۱۵۶۷ء میں ڈارنلی اڈنبرا سے قریب ہی ایک مکان میں مار ڈالا گیا تو فوراً یہ خیال پھیل گیا کہ اس جرم سے میری کا بھی تعلق ہے۔ یہ بہت جلد معلوم ہوگیا کہ اس جرم کا اصل مرتکب ارل باتھول تھا۔ یہ ایک بڑا ہی شیطان سیرت و جوانمرد شخص تھا اور ملکہ سے اسے گہرا عشق تھا مگر سوال یہ ہے کہ آیا ملکہ بھی اس سازش میں شریک تھی یا نہیں؟۔ یہ سوال بار بار اٹھایا گیا ہے مگر کبھی اس کا شافی جواب نہیں ملا۔ لیکن اس قتل کے بعد جو امر پیش آیا اس سے میری نے اپنی نیک نامی میں ایسا دھبا لگا دیا کہ پھر وہ چھوٹ نہ سکا۔ اس نے نہ صرف باتھول پر سختی کے ساتھ مقدمہ نہیں چلایا بلکہ اس قتل کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس سے شادی کر لی؛

اسکاٹلینڈ کی بغاوت اسکا جو نتیجہ ہونے والا تھا، وہ پہلے ہی سے قیاس میں آسکتا تھا۔ اس کی رعایا نے اس کے اخلاق اور اس کے برتاؤ سے

ہراساں ہو کر بغاوت کردی، میری نے اگرچہ بڑی پامردی سے مقابلہ کیا مگر اسے شکست ہوگئی اور ۱۵۶۸ء کے شروع ہوتے ہوتے اس کا کوئی معاون و مددگار باقی نہیں رہ گیا۔ کامیابی سے ناامید ہو کر اس نے اب اسکاٹلینڈ کو اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور خود الیزبیتھ سے پناہ کی خواہاں ہوئی۔ ادھر ان لوگوں نے میری کے شیرخوار بچے جیمز کو بادشاہ مشتہر کردیا۔ میری کی یہ کارروائی کچھ خوش آئند نہیں ثابت ہوی۔ وہ الیزبیتھ کی قیدی بنگئی اور تیس برس بعد اپنا سر دیکر اسے اس قید سے رہائی ملی۔

اسپین سے کشمکش

انگلستان کی ملکہ نے اپنی ایک رشتے کی بہن سے جو اسکی پناہ کی خواہاں تھی ایسا غیر فیاضانہ برتاؤ کیوں کیا اس کا پتا یورپ کی سیاسی حالت سے چل سکتا ہے۔ ہمیں دوبارہ یہ یاد کرنا چاہیے کہ یہ "جوابی اصلاح" کا زمانہ تھا اور جس قدر اس تحریک کو وقعت و پختگی حاصل ہوتی جاتی تھی اسی قدر انگلستان و اسپین کی کشمکش کا یقین ہوتا جاتا تھا۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ جسقدر یہ نازک وقت قریب آتا جاتا تھا اسی قدر انگریزوں کی طبیعت لوہے کی طرح سخت ہوتی تھی، ان کو اپنی قوت کا احساس تھا اور اس لیئے وہ خود چاہتے تھے کہ یہ مہیب طوفان برپا ہو جائے۔ فرانسس ڈریک اور دوسرے لوٹ مار کرنے والے اشخاص بحر اوقیانوس میں اسپینیوں کو پریشان کر رہے تھے اور ولیم (دالئے آرنج) کے ماتحت نیدرلینڈز میں آزادی کی جنگ کے لیئے سپاہی بھرتی ہو رہے تھے۔ آخر جب الیزبیتھ، ہالینڈ کے باغیوں کو علانیہ مدد دینے لگی تو پھر فلپ کے ضبط و تحمل کی انتہا ہوگئی اور اس نے انگلستان کے مقابلے کے لیئے ایک عدیم المثال جنگی بیڑا تیار کیا۔

میری کا قتل ۱۵۸۷ء

فلپ کی انگلستان پر حملہ آور ہونیکی افواہ اور اسکے ساتھ ہی میری کے رومن کیتھولک مؤیدوں کی جدید سرگرمی نے اس بدنصیب ملکہ اسکاٹلینڈ کی زندگی کا خاتمہ کردیا اور فروری ۱۵۸۷ء میں وہ قاتل کے شکنجے میں قتل کردیگئی۔

انگریزوں کا آرمیڈا کے مقابلے کے لئے تیاری کرنا

دوسرے سال اسپین و انگلستان کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ فلپ نے آخر الامر ایک سو بتیس جہاز جمع کر لیے (جنھیں فخریہ طور پر اسکا ناقابل فتح "آرمیڈا" کہا جاتا ہے) اور انھیں سواحلِ انگلستان کی طرف روانہ کر دیا۔ جزیرے کی یہ سلطنت اپنے خطرے سے پوری طرح آگاہ تھی۔ اس غیر ملکی حملہ آور کے مقابلے تمام مذہبی اختلافات فراموش کر دئے گئے اور ان کے بجائے ایک قومی جوش پیدا ہو گیا جس نے تمام فریقوں کو متحد کر دیا۔ اس جوش و اتحاد کی صریحی شہادت یہ ہے کہ انگریزوں نے اسپینیوں سے بھی زیادہ جہازات جمع کر لیئے جنکی آخری تعداد کسی طرح سے ایک سو ستانوے سے کم نہ تھی اگرچہ وسعت کے اعتبار سے یہ جہاز اسپین کے طویل و عریض جہازوں کے ہم پلہ نہ تھے، مگر اپنی تیزی رفتار، عمدگی سامان، اور ملاحوں کی مہارت تامہ کی وجہ سے انھوں نے جسامت کے فرق کی تلافی ضرورت سے زیادہ کر لی تھی

آرمیڈا کی شکست

جولائی ۱۵۸۸ء میں ابھی اسپینی بیڑا انگلستان کے مغربی ساحل کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ چھوٹے چھوٹے تیز رفتار انگریزی جہاز ہر طرف سے اس کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ آبنائے سے گزرنے میں آٹھ روز کا وقت لگ گیا اور اس اثنا میں اسپینی جہازوں کو جو نقصان پہنچا اس کی درستی کے لیئے انھیں بندرگاہ کیلے کی طرف مڑ جانا پڑا۔ یہاں انگریزوں کے چھ آگ لگانے والے جہاز ان کے درمیان پہنچ گئے اور انھوں نے اسپینی جہازوں کو اس درجہ بیکار کر دیا کہ امیر البحر نے اس مہم کو ترک کر دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے عقب میں آبنائے کا راستہ رکا ہوا ہے تو اس نے اسکاٹلینڈ کے گرد ہو کر وطن کو واپس جانا چاہا مگر راستے میں اسے طوفان نے آلیا اور دشمن کے ہاتھوں تباہ ہونے میں جو کسر باقی رہ گئی تھی اسے پورا کر دیا۔

آرمیڈا نقطۂ بازگشت

انگلستان محفوظ ہو گیا، اور اس سے بڑھکر یہ ہوا کہ تمام دنیا میں مذہب پروٹسٹنیٹ کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ آرمیڈا

کے ساتھ رومن کیتھولک مذہب کی بازگشت اپنے انتہائے اوج کو پہنچ گئی تھی اور اس کی ناکامی کے ساتھ ہی اس میں ایسا جزر شروع ہوا کہ پھر نہ رک سکا۔

الیزبیتھ کی زندگی کے آخری برس

الیزبیتھ کے اعتبار سے آرمیڈا کی آمد کا زمانہ اس کے شاندار عہد کا آفتاب نصف النہار تھا۔ اسوقت سے اس کی رعایا نے اسے اپنی قومی ظفرمندی کے مرادف سمجھ لیا اور اس کی اس طرح پرستش کرنے لگی گویا وہی انگلستان کی روح ہے، مگر اس کی خانگی زندگی میں آہستہ آہستہ گھن لگنے لگا تھا، وہ اب بڈھی ہوگئی تھی، اس کے کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ تنہا زندگی بسر کرتی تھی۔ وہ آخری شخص جس سے اسے سچی الفت تھی ارل اسکس تھا، مگر اس الفت سے سوائے رنج والم کے اسے کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ اسکس نے اس کے (الیزبیتھ کے) خلاف سازش کی اور ۱۶۰۱ء میں قتل کردیا گیا۔ آہستہ آہستہ رنج وغم کا احساس بڑھتا گیا اور آخر ۱۶۰۳ء میں ملکہ کا انتقال ہوگیا۔

انگلستان نے سمندر کو اپنا گہوارہ بنالیا۔

خیال کرنے کی سب سے عجیب وغریب بات یہ ہے کہ انگلستان نے اس دور میں کیسی کیسی مختلف ترقیاں کیں۔ درحقیقت اس دور میں ایک نئی ترقی کا راستہ کھل گیا کیونکہ الیزبیتھ کے عہد حکومت میں اہل انگلستان کو پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ ان کی حکومت کا اصلی میدان سمندر رہے۔ ڈریک، ڈیوس اور فروبشر کے ایسے جلیل القدر جہازرانوں نے دنیا کے بعید ترین ملکوں کا سفر کیا اور اگرچہ انھوں نے کوئی نوآبادی نہیں قائم کی اور سر والٹر رالے نے ورجینیا وغیرہ میں جو کوششیں کیں وہ قبل ازوقت ثابت ہوئیں مگر آیندہ کے لئے مستعمری شہنشاہی قائم کرنے کا خیال انگریزوں کے دلوں میں اسی زمانے سے پیدا ہوگیا۔ اسوقت صرف یہ ہوا کہ دنیا کے مختلف حصص کے ساتھ نفع بخش تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ اسپین سمندروں کا تنہا مالک بنا ہوا تھا اور انگلستان نے اسوقت تک اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی تھی

مگر الیزبیتھ کے انتقال کے قبل اس نے فضائے سمندر میں اپنا کافی اثر پیدا کرلیا تھا۔ پس اینگلو سیکسن قوم کے دنیا میں پھیلنے کے وقت کو اسی "دو نیک ملکہ بس"، کے زمانے سے شمار کرنا چاہئے۔ اس قوم کی وسعت زمانہ جدید کی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔

طرز زندگی کی وسعت

تجارت کی ترقی کے ساتھ دستکاری و دولت میں بھی ترقی ہوئی اور معاشرت کی سطح بھی بلند ہوگئی جس کا اظہار پر تکلف لباس، درباری آداب، اور تھیٹر اور فنون لطیفہ کی وسیع سرپرستی سے ہوتا تھا۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ انگلستان بالکل نیا بن گیا تھا۔ اطالوی "نشاۃ جدیدہ" نے انگلستان کو بھی اپنے فیاضانہ انعامات کی بارش سے محروم نہیں رکھا تھا اور اس سے قوت حیات اور وسعت ذہنی کا ایک ایسا عالم پیدا ہوگیا جس نے اس دور کو تاریخ کے علمی دوروں میں بہت بلند جگہ دیدی۔

شیکسپیر اور بیکن

جس فن نے اس نئے طرز زندگی کو غیر فانی بنادیا وہ ڈراما ہے اور کرسٹوفر مارلو (م ۱۵۹۳)، بن جانسن (م ۱۶۳۷) اور ولیم شیکسپیر (م ۱۶۱۶) اس آسمان کے چاند و سورج ہیں۔ لیکن علم و فن کے دوسرے میدان بھی خالی نہیں رہے، ادمنڈ اسپنسر (م ۱۵۹۹) نے زبان انگریزی کی سب سے بڑی مثنوی "فیری کوئین"، لکھی اور فرانسس بیکن فلسفی (م ۱۶۲۶) نے لوگوں کو حصول واقعات کے لئے براہِ راست فطرت کی طرف متوجہ کرکے سائنس میں ایک نئی روح پھونک دی۔

باب (۲۲)

ندرلینڈز کی بغاوت اور ہفت صوبجات متحدہ کی کامیابی

(۱۵۶۲-۱۶۴۸)

ندرلینڈز تحت حکومت والیان برگنڈی ؔ

یورپ کا وہ حصّہ جسے قدیم زمانے سے ندرلینڈز یا ممالک نشیبی کہتے آئے ہیں وہ کم وبیش موجودہ ہالینڈ و بلجیم پر محتوی ہے۔ ازمنۂ وسطےٰ میں ندرلینڈز میں متعدد جاگیری امارتیں یا صوبے قائم تھے اور ان کو ڈچی (امارت ڈیوک) کاؤنٹی (امارت کاؤنٹ) یا لارڈ شپ (ریاست) کہتے تھے (مثلاً ڈچی بریبانٹ، کاونٹی فلینڈرز یا کاونٹی ہالینڈ وغیرہ ناموں سے مختلف حصے موسوم تھے) یہ سب حصّے عملی حیثیت سے غیر ملکی طاقتوں کے اقتدار اور خود ایک دوسرے سے آزاد تھے اگرچہ اس میں کوئی حصّہ ایسا نہ تھا جس پر جرمنی یا فرانس کسی نہ کسی طرح کا جاگیری استحقاق جتانے سے باز آگئے ہوں۔ ازمنۂ وسطےٰ کے آخری زمانے میں خاندان برگنڈی نے (جو شاہان فرانس کے خاندان کی ایک شاخ تھی) یہ کوشش کی تھی کہ ان سب صوبوں کو ایک سلطنت میں مستحکم و مجتمع کرلیں، اور یہ سلطنت اپنے مشرقی و مغربی دونوں ہمسایوں سے آزاد ہو مگر قبل اس کے کہ یہ تجویز کامیاب ہوتی چارلس (دلیر) کے انتقال کے ساتھ ۱۴۷۷ء میں اس خاندان کا سلسلۂ ذکور منقطع ہوگیا۔ چارلس کے بعد فرانس کے بادشاہ لوئیس یازدہم نے امارت برگنڈی پر (جو فرانس کی ماتحت ریاست تھی) قبضہ کرلیا مگر خاص ندرلینڈز چارلس کی بیٹی میری کو مل گیا اور جب اس نے شہنشاہ میکسیملین سے عقد کرلیا تو ندرلینڈز

خاندانِ برگنڈی کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس "اصلاح" کے زمانے میں ندرلینڈز پر چارلس پنجم کی حکومت قائم تھی۔

اقوام کلٹ و ٹیوٹن

ندرلینڈز میں دو قومیں آباد ہیں کلٹ اور ٹیوٹن اور بحیثیت مجموعی یہ دونوں قومیں بہت اچھی طرح ایک دوسرے کے ساتھ بسر کرتی رہی ہیں۔ کلٹ تعداد میں کم ہیں، فرانسیسی زبان سے نکلی ہوئی زبان بولتے ہیں اور ان شمالی اقطاع میں آباد ہیں جو اب بلجیم کہلاتا ہے۔ ٹیوٹن بلجیم کے نصف شمالی حصے اور تمام ہالینڈ میں آباد ہیں۔ اگرچہ فی الاصل نسل و زبان کے اعتبار سے وہ سب ایک ہی ہیں مگر اتفاقات تاریخی نے انھیں کئی حصوں میں منقسم کر دیا ہے، یہ لوگ "فلیمش"، "بلجمی ٹیوٹن" "ڈچ" اور "ہالینڈی ٹیوٹن" کہلاتے ہیں اور جرمن پراکرت بولتے ہیں جنھیں باہم بہت ہی خفیف سا فرق ہے۔

ملک کی مادی خصوصیات، بند اور نہریں

ان نشیبی ممالک کا بہت بڑا حصہ سمندری سطح سے پست ہے اور صدیوں کی جانبازانہ کوشش سے بند باندھ باندھ کر سمندر سے حاصل کیا گیا ہے، یہی بند اسے غرقاب ہونے سے روکے ہوئے ہیں، لیکن ندرلینڈز کو آدمیوں کے رہنے کے قابل بنانے کے لیئے صرف ایک ہی دشمن (سمندر) کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا ہے۔ رائن، میوز اور شلٹ کے ایسے دریاؤں کی موسمی طغیانی سے بھی جان و مال کو کچھ کم خطرہ نہیں تھا، ان کا مقابلہ جس بلند حوصلگی سے کیا گیا وہ اپنی عظمت و وسعت میں ان بندوں سے کم نہیں تھی۔ اس سیلاب کے دفع کرنے کے لیئے نہروں کی تدبیر نکالی گئی اور بتدریج اسے تکمیل کو پہنچایا گیا۔ یہ نہریں تمام ملک میں جال کیطرح سے پھیلی ہوئی ہیں اور دریاؤں کے پانی کو ایک وسیع قطع زمین پر تقسیم کر دیتی ہیں۔ ہالینڈ و بلجیم میں اس کثرت سے آبی راستے اگرچہ اولاً ضرورت کی وجہ سے وجود میں آئے مگر وہ ان کیلیئے ایک بڑی برکت ثابت ہوئے۔ ان کی وجہ سے وہاں کے میدان یورپ کے بہترین سبزہ زار بن گئے اور تجارت کے لیئے وسیع شاہراہیں مہیا ہو گئیں

جوہر اعتبار سے کم خرچ، پائیدار و خوش منظر ہیں۔

مذہب پروٹسٹنٹی کا مسئلہ

چارلس پنجم کا عہد حکومت ندرلینڈز کی مادّی ترقیات کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا اور صرف ایک خصوص (یعنی مذہب) میں ناکامیاب رہا۔ جرمنی میں پروٹسٹنٹ مذہب کا جو ہیجان پیدا ہو گیا تھا اس کے لئے سرحدی تفریق کوئی شے نہیں تھی اور اوائل ہی زمانے میں وہ ان نشیبی ممالک میں بھی پہنچ چکا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ "ڈائٹ" کے والیان ملک کے زیر اثر ہونے کے باعث چارلس کو جرمنی میں ایک تباہ کن لیت ولعل کی روش اختیار کرنی پڑی تھی مگر وہ ایسا شخص نہیں تھا کہ جب اسے قوت حاصل ہو جائے اسوقت بھی وہ تذبذب میں رہے۔ ندرلینڈز میں جب لوتھر کا ارتداد ظاہر ہوا تو بڑی بیرحمانہ مخالفت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا گیا اور چارلس کے عہد کے ساتھ ہی ساتھ یہ مخالفت بھی بڑھتی گئی۔ عدالت انکیوزشن (عدالت احتساب مذہبی) جو اسپین میں بہت زور ۔۔۔ تھا اپنا نفرت انگیز کام انجام دے رہی تھی، ندرلینڈز میں بھی قائم کر ۔۔۔ ور جائدادوں کا ضبط ہونا، قید میں ڈالا جانا، اور آگ میں زندہ جلایا جانا روزمرہ کے واقعات ہو گئے۔ اس پر بھی مذہب پروٹسٹنٹ کا وجود فنا نہ ہو سکا بلکہ لوتھر کے سابق خیالات پر طریق کیلون سے ۔۔۔ اضافہ ہو گیا اور اس نے ان خیالات کو اور تقویت دیدی اور چارلس کے اختتام عہد ۔۔۔ وقت "زندقہ وارتداد" ہمیشہ سے زیادہ مستحکم بنیاد پر قائم ہو گیا تھا۔

فلپ کی تخت نشینی

چارلس نے جرمنی میں اپنی ناکامی سے شکستہ خاطر ہو کر ۲۵ اکتوبر ۱۵۵۵ء کو ندرلینڈز کی اسٹیٹس جنرل (مجلس ملکی) کے ایک باضابطہ اجلاس میں ۔۔۔ و تاج سے دست بردار ہو کر اپنے فرزند و ولیعہد فلپ دوم کو بادشاہ بنا دیا اور اس طرح چارلس کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ فلپ کی طبیعت میں اسپینیوں کی سی سختی و خشونت کی کچھ کمی نہ تھی اور وہ اپنے باپ سے بھی کم اس امر کی

اہلیت رکھتا تھا کہ ندرلینڈز کے مذہبی مشکلات کا کوئی خاطر خواہ انتظام کر سکے۔ اس نے انکیوزشن (عدالت اختیار مذہبی) کے کاموں کو اور تیز کر دیا اور نئے عقیدے کے مجرموں کے لیئے جو آگ روشن کی گئی اس نے کم و بیش تمام ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ باشندگانِ ملک کا غالب حصہ اگرچہ اب بھی مذہب کیتھولک کا پیرو تھا مگر عدالت اختیار مذہبی کی بیدردانہ روش سے جو نفرت پیدا ہوگئی اس میں وہ پروٹسٹینٹ سے کسی طرح کم نہ تھے اور ان میں بھی بدد لی کی آگ اندر ہی اندر سلگنے لگی جس کا کسی نہ کسی وقت بھڑک اٹھنا یقینی تھا؛

فرانس کے ساتھ فلپ کی جنگ؛

لیکن ندرلینڈز کے پروٹسٹینٹوں کی دار و گیر کے علاوہ فلپ کے لیئے دنیا میں اور بھی کام تھے۔ اس نے یہ رائے قائم کی کہ اس کا باپ فرانس کے ساتھ مدتوں سے جو لڑائیاں لڑ رہا تھا اگر وہ (فلپ) ایک فیصلہ کن ضرب سے اس کا خاتمہ کر دے تو یہ اس کے لیئے ایک بڑی ناموری کا باعث ہوگا۔ اس نے ایک زبردست مہم کی تیاریاں شروع کر دیں، اور فرانسیسیوں کو ۱۵۵۷ء میں بمقام سنٹ کوئنٹن، اور ۱۵۵۸ء میں گریولائز میں شکستیں دیکر اُن کو معاملات کے طے کرنے پر آمادہ کر دیا جس کا سرانجام ۱۵۵۹ء کی صلح کیٹو کیمبرسس پر ہوا۔ اس صلح سے اطالیہ اور ندرلینڈز کے متعلق فرانس کی طویل رقابت کا سر دست خاتمہ ہوگیا اور ان دونوں ملکوں میں اسپین کی سیادت تسلیم کر لیگئی۔ اس کام کی تکمیل کر کے فلپ نے اسپین جانے کا ارادہ کیا اور اپنی سوتیلی بہن مارگیرٹ (پرما) کو ندرلینڈز میں اپنا قائم مقام بنا کر ۱۵۵۹ء میں خود جہاز پر سوار ہوگیا اور پھر اس کے بعد کبھی ندرلینڈز میں اس کا واپس آنا نہیں ہوا؛

مارگیرٹ بذاتِ خاص ایک معقول حد تک اعتدال پسند عورت تھی مگر جن اسپینی مشیروں نے اس پر قابو حاصل کر رکھا تھا، انھیں فلپ نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ سخت گیری کے موجودہ طریق کو برقرار رکھیں

پس قوم کی برگشتگی برابر جاری رہی۔ امرا کو اس امر پر غصہ تھا کہ ان کے قدیمی اثر کو زائل کر کے اس کے بجائے غیر ملکی ندیموں اور درباریوں کے اثر کے بڑھانیکی کوشش کیجارہی ہے، ان امرا کے سرگروہ شہزادہ ولیم (آرنج) اور کاؤنٹ اگمنٹ تھے۔ دوسری طرف عوام الناس اس امر سے

بدولی کی زیادتی

برافروختہ تھے کہ اسپینی فوج ملک میں مقیم کر دیگئی تھی اور قابل نفرت عدالت اختیار مذہبی کی مستعدی بڑھتی جارہی تھی اس بددلی سے صاف صاف بغاوت کے سامان مہیا ہو رہے تھے۔

امرا کا تعرض

اولاً امرا کی کارروائیوں سے بغاوت کا علم بلند ہوا۔ ۱۵۶۵ء میں طبقۂ امرا کے چند تیز مزاج ارکان نے ایک اتحاد قائم کیا جس کی غرض یہ تھی کہ عدالتِ اختیار مذہبی کو برطرف کر دیا جائے، اس عدالت کے متعلق انھوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کی کارروائی "خدا کے نام کی ایک بڑی بے عزتی اور نِدرلینڈز کی کامل تباہی کا باعث ہے"۔ جس تحریر میں انھوں نے یہ شکایت کی تھی اس میں انھوں نے یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ بادشاہ کے بدستور وفادار ہیں وہ شاہی خاندان سے تعرض نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا تعرض اس خرابی کے متعلق تھا جو اس خاندان نے اختیار کر رکھی تھی۔ ۵/ اپریل کو ان امرا میں سے تین سو اشخاص برہنہ پا ملک کے دارالسلطنت بروسلز سے گزرتے ہوئے متولیہ کے محل کو گئے تاکہ اپنی شکایات کی ایک تحریر خود اس کے ہاتھ میں دیں۔ اس کے بعد ایک دعوت ہوئی جس میں ان لوگوں نے بے انتہا جوش کے ساتھ

گداگر

"گداگر"، کا نام اختیار کیا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنی درخواست لیکر حاضر ہوئے تو متولیہ کے کسی درباری نے حقارۃً ان پر "گداگر"، کا آوازہ کسا، (اور بعد کو ان لوگوں نے یہی نام اختیار کر لیا)۔

بغاوت عام ۱۵۶۶ء

ان "گداگروں"، کی اس دلیرانہ کارروائی کی ہر طرف تعریف ہونے لگی۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ قوم کا غصہ جو بہت دنوں سے

دبا ہوا تھا وہ بھی اب بیقید ہوکر پھوٹ نکلا۔ متولیہ کی حکومت کی مطلق کوئی حقیقت باقی نہیں رہی، اور تمام لوگ جو کسی نہ کسی طرح سے کے ظلم و ستم کے شکار ہوے تھے انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وقت آگیا کہ جس قید و بند میں وہ جکڑے ہوئے ہیں اسے توڑ ڈالیں۔ آخر یہ ہیجان و اضطراب (جسے کیلوینی ناصحوں نے بہت ہوشیاری کے ساتھ پختہ کر دیا تھا) ایک پرغضب بغاوت کی صورت میں بھڑک اٹھا۔ کیتھولک گرجوں پر حملے کر دئے گئے، ان کی منقش کھڑکیاں اور بزرگوں کی تصویریں توڑ ڈالی گئیں اور صلیبوں اور قربان گاہوں کو پاش پاش کر دیا گیا۔ ان بت شکنوں نے فنونِ لطیفہ کو جو نقصان پہنچایا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اس جوشِ غضب کے زور کے گھٹتے گھٹتے کئی ہفتے گزر گئے اور مہینوں تک یہ نہ ہوسکا کہ حکومت ملک کے امن پسند طبقے سے اتنی کافی قوت جمع کر سکتی کہ ان باغیوں کو دبا سکے۔ فلپ کو اس سے انتباہ ہوجانا چاہئے تھا مگر سوال یہ ہے کہ وہ کچھ سمجھنا چاہتا بھی تھا یا نہیں؟

فلپ نے انتقام لینے کی تجویز کی اور آلوا کو روانہ کیا ۱۵۶۷ء

بہت ہی ممکن ہے کہ امرا نے جن باتوں کا مطالبہ کیا تھا یعنی عدالت اختبار مذہبی کی موقوفی اور رواداری مذہب کا اعلان، اگر یہ دونوں باتیں عمل میں آجاتیں تو تمام مشکلات کا خاتمہ ہوجاتا مگر یہ خیالات اس زمانے کے حکمرانوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، اور فلپ کے ایسے متعصب حامئ پوپ کے لئے تو وہ گناہ کبیرہ سے کم نہ تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ حال کے قائم شدہ انتظام کی تصدیق کر کے متولیہ کی مدد کرتا اس نے ایک خوفناک انتقام کی تجویز سوچی۔ اس کے بہترین سپہ سالاروں میں ایک سپہ سالار ڈیوک الوا بھی تھا۔ وہ ایک سپاہی منش اور متعصب شخص تھا اور اپنے وقت کے اسپینیوں کا کامل نمونہ تھا۔ اپنے بادشاہ اور اپنے مذہب کے متعلق اُسکا جوشِ عقیدت انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اسی کو فلپ نے ندرلینڈز کو سزا دینے کے لئے متعین کیا اور ۱۵۶۷ء کے موسم گرما میں آلوا دس ہزار اعلیٰ درجے کی

اسپینی فوج کو لئے ہوئے بروسلز میں پہنچ گیا۔ خوف و دہشت اس کے مقدمۃ الجیش کا ہراول۔ فوج کی آمد کے کچھ ہی قبل شہزادہ آرنج سرحد کو عبور کر کے محفوظ ہو گیا؛

مجلسِ خونریز

الوا نے فوراً ہی فوجی تشدد جاری کر دیا۔ ایک مجلس (جو تاریخ میں "مجلس خونریز" کے نام سے مشہور ہے) اس غرض سے مقرر کی گئی کہ گزشتہ بدامنی میں جن لوگوں نے حصہ لیا ہے اُن کا کھوج لگا دے۔ ہزاروں آدمیوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور انھیں پھانسیاں دیدی گئیں، ہزارہا ملک سے بھاگ گئے۔ کاؤنٹ اگمنٹ نے شہزادہ آرنج کے ساتھ بھاگنے سے انکار کر دیا تھا اسے اس غرض سے قتل کر دیا گیا کہ دوسرے بددل امرا کو عبرت حاصل ہو جائے؛

ولیم (آرنج)

ادھر ملک پر یہ مصیبت نازل تھی ادھر ولیم (آرنج)[1] ملک کے آزاد کرانے کی تدابیر میں سرگرم تھا۔ اب اسکی زندگی کا وہ شاندار دور شروع ہوا جس میں اس نے ملک کی آزادی کو مستحکم کر دیا اور اپنے ملک کا بطل اعظم و شہید قوم بن گیا۔ بہت سے سپہ سالار اور بہت سے مدبر اس سے اعلیٰ و افضل ہوئے ہیں لیکن جس شے نے ولیم کو یادگار زمانہ بنا دیا ہے وہ مصائب میں اس کا مستقل رہنا ہے، اور اسی وجہ سے وہ ولیم خاموش کہلانے لگا ہے؛

ولیم کی ۱۵۶۸ء کی مہم ناکام رہی

ولیم جو کچھ روپیہ فراہم کر سکا اس سے اس نے ۱۵۶۸ء کے موسم بہار میں ندرلینڈز پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک فوج جمع کی۔ اسے اعتماد یہ تھا کہ اندرونی ملک کی بغاوت سے اسے مدد ملجائے گی مگر اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ اہل ملک الوا کی سختیوں سے اسقدر سہمے ہوئے تھے کہ کسی نے جنبش تک نہ کی۔ الوا کے پاس ولیم

---

[1] آرنج، فرانس میں دریائے رون کے کنارے پر ایک چھوٹی سی امارت ہے جو بوسیلۂ عقد ولیم کے خاندان کو حاصل ہو گئی تھی؛

سے بہتر پیدل فوج موجود تھی، پس اس نے بلا وقت ولیم کی فوج کا مقابلہ کر کے اسے برباد کر دیا۔

لیکن اپنے عمدہ موقع کے فائدے کو الوا نے خود بہت جلد ضائع کر دیا، اس نے کمان کو اسقدر جھکایا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ سنہ ۱۵۷۱ء میں ملک کی حالت کی طرف سے مطمئن ہو کر اور خزانے کی ضروریات سے مجبور ہو کر اس نے ایک ایسا سخت محصول لگانے کی جرأت کی جس کی کوئی نظیر نہیں ملسکتی ہے، یہ محصول "دسویں پنی" (Tenth Penny) کے نام سے موسوم ہے اس تجویز کے بموجب ہر ایک تجارتی معاملت پر دس فیصدی محصول لگا دیا گیا، اس سے وہ روزمرہ کی خرید و فروخت بھی مستثنے نہیں تھی جو خانگی ضروریات کے لیئے کیجاتی تھی۔ غصے کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ سوداگروں کے پاس اس کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ وہ تمام کاروبار معلق کر دیں اور دکانیں بند کر کے بیٹھ رہیں، اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔

ندرلینڈز کے باغیوں کی پہلی کامیابی سنہ ۱۵۷۲ء

اس نازک موقع پر باغیوں کو جنگی معرکے میں پہلی کامیابی نصیب ہوئی، اور اسی معرکے کے وقت سے اہل ندرلینڈز کی خودمختاری کی عام تحریک کا آغاز ہوا، سمندر کے ڈچ قزاق جو "بحری گداگر"، کہلاتے تھے، دفعتہً برل کے چھوٹے سے قصبے پر ٹوٹ پڑے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی سے تمام ملک میں ایک برقی لہر دوڑ گئی اور ولیم (آرنج) چار برس سے جس اندرونی بغاوت کی توقع میں لگا ہوا تھا وہ بغاوت بھی اس کامیابی کے ساتھ ہی برپا ہو گئی اور مختلف شہروں نے یکے بعد دیگرے اسپینی فوج محافظ کو اپنے حدود سے خارج کرنا شروع کر دیا، اس خصوص میں صوبجاتِ ہالینڈ و زیلینڈ خاص طور پر ممتاز ہیں۔ یہی دونوں صوبے مخالفت کے پیشرو بن گئے تھے انھوں نے اب ولیم کو اپنی مدد کے لیئے اپنا "اسٹیڈ ہولڈر"، (حکمران) بنا کر بلا لیا تھا اور آخر تک مقابلہ کرنے کے لیئے تیار ہو گئے تھے۔

اندرونی بغاوت رک گئی۔

مگر الوا بھی آسانی سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا تھا، اس نے

فوراً ہی اس نئی بغاوت کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ اپنی شاندار اسپینی فوج کے ذریعے سے اس نے متعدد کامیابیاں حاصل کرلیں اور مکلن، ہارسن اور ان متعدد مقامات سے جن پر اس نے دوبارہ قبضہ کیا ایسا سخت انتقام لیا اور ایسی خونریزی کی کہ ہر ایک خونچکان داستان اپنی آپ نظیر بن گئی۔ مگر اس مرتبہ اہل ملک نے ہمت کا جواب ہمت سے دیا تھا اور بہت جلد انھوں نے زیادتی کا جواب بھی زیادتی سے دینا شروع کر دیا۔ برل کی کامیابی ایک طویل جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ؎

الوا کی واپسی ۱۵۷۳ء

بہت جلد دوست و دشمن دونوں پر عیاں ہو گیا کہ الوا میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ اس کام سے خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکے۔ ”مجلس خونریز“ اور ”عدالت اختیار مذہبی“ کے ذریعے چھ برس (۱۵۶۷-۱۵۷۳) حکومت کرنے کا انجام صرف تباہی و بربادی پر ہوا اور اپنی گردو پیش کی اس بربادی سے بہوت ہو کر اس نے (۱۵۷۳ء) میں یہ خواہش کی کہ اسے واپس بلا لیا جائے ؎

الوا کے بجائے رکیوسنس اسپینی گورنر جنرل مقرر ہوا (۱۵۷۳-۱۵۷۶) وہ ایک فہمیدہ و اعتدال پسند شخص تھا اور اگر الوا کے وقت میں حالت اس حد تک خراب نہ ہو چکی ہوتی تو اسے کچھ نہ کچھ کامیابی ہو جاتی۔ اس نے ”مجلس خونریز“ کو برطرف کر دیا اور عام معافی کا اعلان کر دیا، لیکن اس پر بھی ہر شخص اسے شک کی نظر سے دیکھتا رہا۔ اس لیئے اسے ان باقی صوبوں کو فوج کی مدد سے زیر کرنا پڑا۔ اس کے دور حکومت کا سب سے زیادہ قابل ذکر واقعہ لیڈن کا محاصرہ (۱۵۷۳-۱۵۷۴) ہے جب رسد کی کمی کی وجہ سے یہ محسوس ہونے لگا کہ شہر ہاتھ سے نکل جائے گا تو ولیم نے ایک انتہائی کارروائی کرنے کا عزم کر لیا۔ اس نے یہ حکم دیدیا کہ بند کاٹ دئے جائیں۔ سمندر کا پانی جب کھیتوں اور میدانوں میں بھرنے لگا تو ”گداگر“ اپنے جہازوں میں جمع ہو گئے یہاں تک کہ وہ اپنی دلیرانہ کوشش سے شہر کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ اس واقعے سے بہت اچھی طرح یہ ظاہر ہو جاتا ہے

کہ اہل ندرلینڈز کی مقاومت کس مایوسانہ حد کو پہنچی ہوئی تھی ؛

رکیوسنس کا انتقال اور گنٹ کی مصالحت ؛

۱۵۷۶ء میں رکیوسنس کا انتقال ہوگیا، اور اس سے فی الاصل بغاوت کو اور وسعت حاصل ہوگئی۔ اسوقت تک بغاوت شمال کے صوبوں تک محدود تھی جہاں عام طور پر کیلون کا طریقہ پروٹسٹنٹ اختیار کرلیا گیا تھا، اور جنوب کے صرف انھیں بعض بعض شہروں میں اس کا اثر تھا جو اس کیلونی طریقے کی طرف مائل تھے۔ پروٹسٹینٹ مذہب کا قدم جہاں جہاں پہنچ گیا تھا وہاں اس کے ساتھ ہی اسپین کی حکومت سے انحراف پیدا ہوگیا تھا۔ اسپین کے خلاف ندرلینڈز کے جنوبی صوبوں کے شکایات بھی یقیناً اسی قدر بڑھے تھے جسقدر شمال کے شکایات تھے مگر چونکہ اہل جنوب رومن کیتھولک عقیدے پر قائم تھے اس لیئے اسپین کی حکومت سے انھیں کچھ نہ کچھ الفت ہمیشہ باقی رہی۔ لیکن رکیوسنس کے انتقال کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے تو شمال وجنوب، ٹیوٹن وکلٹ پروٹسٹینٹ وکیتھولک غرض سارا "متحدہ ندرلینڈز"، اسپین کی مخالفت میں ایک ہوگیا۔ اس صورت کے پیدا ہونے کا باعث یہ ہوا کہ رکیوسنس کے انتقال کے بعد اسپینی سپاہیوں کو کوئی قابو میں رکھنے والا نہیں باقی رہا تھا اور ان سپاہیوں نے جس شہر کو پایا لوٹ لیا اور خاص کر دولتمند دار السلطنت اینٹورپ میں تو انھوں نے شور قیامت برپا کردیا، اس سے ایک عام خوف وتنفر پیدا ہوگیا۔ اس بیقید ظلم وستم سے جو غصہ پیدا ہوا اس نے تمام ملک کو ایک کردیا اور گنٹ کی "مصالحت"، میں جنوب وشمال نے اپنے متحد الغرض ہونے کا اعلان کردیا اور اپنے ستانیوالے کے خلاف مشترکہ مقاومت کرنے کے لئے تیار ہوگئے ؛

شمال وجنوب دونوں اپنے اپنے طریقے پر چل نکلے ؛

دورِ انقلاب کا یہ سب سے زیادہ نمایاں ودرخشاں زمانہ تھا مگر اس کا کچھ نتیجہ نکلنے والا نہیں تھا۔ مقامی رقابت اور مذہبی بے اعتمادی پہلے سے موجود تھی، رکیوسنس کے جانشین ڈان جان (آسٹروی ۱۵۷۶-۱۵۷۸) اور ڈیوک پرما (۱۵۷۸-۱۵۹۲) پر فطرت

اشخاص تھے اور انھوں نے اس رقابت و بے اعتمادی کو اس درجہ بھڑکایا کہ گنٹ کی "مصالحت" بہت جلد کالعدم ہوگئی اور شمال وجنوب کے درمیان ایسی حدفاصل قائم ہوگئی جس کے اثرات اسوقت تک پائے جاتے ہیں، یعنی ایک طرف پروٹسٹینٹی ہالینڈ اور دوسری طرف رومن کیتھولکی بلجیم قائم ہوگئے۔

اتحاد اٹرچیٹ ۱۵۷۹

الگزنڈر فارنس (ڈیوک پرما) ایک بڑا ہی قابل سپہ سالار تھا اور بالتخصیص اسی کی وجہ سے یہ ہوا کہ جنوبی صوبجات اسپین کے قبضے میں رہگئے اس نے ان صوبے والوں کے تعصبات کو سمجھ لیا اور ازراہ عیاری تملق سے کام لیتا اور ان کے سیاسی حقوق کے بحال کردینے کا وعدہ کرتا رہتا تھا۔ اگر فلپ برابر اس کے کام میں مداخلت نہ کرتا رہتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ شمالی حصے کو وہ دوبارہ فتح کرلیتا۔ پس گنٹ کی "مصالحت" سے جو یہ توقع پیدا ہوگئی کہ تمام ندرلینڈز، اسپین کے خلاف متحد ہو جائے گا رفتہ رفتہ وہ توقع زائل ہوگئی اور ولیم خاموش نہایت رنج کے ساتھ اس سے قطع امید کرنے پر مجبور ہوگیا۔ تاہم اس کے اعتماد و اعتقاد میں مطلق تزلزل نہیں پیدا ہوا اور بہت جلد وہ اس امر میں کامیاب ہوگیا کہ ایک چھوٹے پیمانے پر بغاوت وانحراف کا انتظام مکمل کرسکے۔ اسوقت مقاومت کا تقریباً تمام کام علیحدہ علیحدہ صوبوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ۱۵۷۹ء میں شمال کے صوبوں نے جنکی تعداد[لہ] آخر میں سات تک پہنچ گئی تھی مدافعت کو ترقی پذیر حالت میں لانے کے لیئے "اتحاد اٹرچیٹ"، قائم کیا۔ اتحاد اٹرچیٹ کے شرائط سے تاریخ میں ایک نئی سلطنت کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہی شرائط جمہوریہ ہالینڈ کے نظام سلطنت کی حیثیت سے قریب قریب حال کے زمانے تک قائم رہے۔

فلپ کا ولیم کو مردود و مقہور قرار دینا

فلپ نے اسوقت تک یہ سمجھ لیا تھا کہ اس تمام مقاومت کا پشت پناہ ولیم خاموش ہے اور اچھے یا برے کسی ذریعے سے اگر اس سرگروہ سے نجات ملجائے تو پھر بغاوت قابو میں آجائے گی۔ ولیم سے

لہ۔ ہالینڈ۔ زیلینڈ۔ اٹرچیٹ۔ گلڈرلینڈ۔ اوورسیل۔ گرونگن۔ فریزلینڈ۔

آزادی کی حمایت ترک کرانے میں جب رشوت سے کام نہ چلا تو شاہ اسپین نے اسے مردود و مقہور قرار دیکر یہ اعلان کر دیا کہ اس کا خون مباح ہے اور اس کے سر کاٹ لانے کے لیئے ایک رقم مقرر کردی۔ اس مذہبی جنون کے زمانے میں بہت سے لوگ اس طمع میں پھنس گئے۔ پس اس میں ذرا بھی استعجاب نہیں ہوسکتا کہ ولیم کی زندگی پر ناپاک حملے کثرت سے ہونے لگے تھے۔ آخر برگنڈی کے ایک رومن کیتھولک جوشیلے شخص بالتھیسر گیرڈ نامی نے ایک موقع پر جبکہ وہ (ولیم) اپنے ڈلفٹ کے محل کے زینے سے اتر رہا تھا اس پر گولی چلائی اور اس کا خاتمہ ہوگیا (۱۰ جولائی ۱۵۸۴ء)۔

ولیم کا مارا جانا ۱۵۸۴

ولیم کی موت اہل ہالینڈ کے لیئے ایک سخت مصیبت ثابت ہوئی، اور اس کے بے وقت وقوع نے اس کے نقصان کو اور بڑھا دیا۔ عین اسی وقت ڈیوک پرما فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا اپنے دشمنوں کے حدود مملکت کو برابر کم کرتا جارہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہالینڈ اور زیلینڈ کے سوا اس وقت تک بمشکل کوئی اور صوبہ مخالفت پر قائم رہ سکا تھا۔ بااینہمہ ان دونوں صوبوں نے اپنی مقاومت میں کچھ کمی نہیں کی۔ ولیم کا سترہ سالہ لڑکا مورس (جو خاص طور پر ذہین و طباع تھا) "اسٹیڈ ہولڈ" (حکمراں) اور فوجی سپہ سالار ہوگیا اور اس کے پہلو بہ پہلو جان (بارنیولڈ) کے سے عاقل و مدبر وزیر اعظم[1] کا اثر بھی بڑھتا جاتا تھا۔

انگلستان سے مدد کا ملنا

پھر بھی اگر بیرون ملک سے مدد نہ ملجاتی تو اس نئی جمہوریۂ ہالینڈ کا بچ جانا بہت مشکل تھا۔ ولیم ہی کی زندگی میں بارہا یہ کوشش ہوچکی تھی کہ اس جنگ میں فرانس یا انگلستان کو دلچسپی پیدا ہوجائے مگر ان میں کوئی بھی اس امر پر آمادہ نہ کیا جاسکا کہ وہ اپنی قسمت کو تمامہ نیدرلینڈز کے ساتھ وابستہ کردیتا۔ مگر انگلستان کے پروٹسٹنٹوں نے بہت

[1] ہالینڈ و زیلنڈ کے وزیر اعظم کو "پنشنری" یا "گرینڈ پنشنری" کہتے تھے۔

زور شور کے ساتھ اپنا خیال اہل ہالینڈ کی طرفداری میں ظاہر کر دیا تھا، اور الزبیتھ نے ہوا کا رخ دیکھکر خفیہ طور پر ولیم کو روپیہ سے مدد دینا شروع کر دیا۔ آخر ۱۵۸۵ء میں اس نے اپنی پہلی علانیہ امداد روانہ کی یعنی اپنے مورد عنایت ارل لیسٹر کے تحت میں انگریزی سواروں کا ایک دستہ وہاں بھیجدیا۔

فلپ نے اپنا رخ انگلستان کیطرف پھیر دیا۔

اگرچہ لیسٹر بالکل ہی نا قابل ثابت ہوا، اور ۱۵۸۷ء میں وہ ذلت کے ساتھ پسپا ہو گیا مگر اس کی مداخلت سے اہل ہالینڈ کو ذرا دم لینے کا موقع مل گیا اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسی مداخلت نے ہالینڈ کو بچا لیا جو شکار قریب قریب فلپ کے قابو میں آچکا تھا اسے چھوڑ کر وہ اب بڑے پر غضب طور پر انگلستان کیطرف پلٹا۔ اسکے بعد کے برسوں میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصلی غرض کو بھول گیا تھا اور اس کا تمام تر خیال اولاً انگریزوں کی طرف بعد ازاں فرانسیسی ہیوگیناٹوں کی طرف منعطف ہو گیا تھا۔ چنانچہ آرمیڈا کی ۱۵۸۸ء کی بتاہی کے بعد وہ ۱۵۸۹ء سے ۱۵۹۸ء تک پروٹسٹینٹ ہنری (نیور) کے خلاف فرانس کی مہموں میں مشغول رہا اور اس کے بعد اسپین کی طاقت میں عام طور پر ایسی ابتری وتباہی پیدا ہو گئی کہ اب ہمیشہ کے واسطے یہ ناممکن ہو گیا کہ اسپین اگلے سے زور کے ساتھ اس نوعمر جمہوریہ پر حملہ کر سکے۔ پھر بھی فلپ دوم بہت شدت کے ساتھ نیدرلینڈز کے خلاف قائم رہا۔ اسپنے بہت بڑے سپہ سالار ڈیوک پرما کے انتقال (۱۵۹۲ء) کے بعد بھی اس نے جنگ کو جاری رکھا، ڈیوک کی صلاح تقریباً ہمیشہ نیک ہوا کرتی تھی مگر قریب قریب ہمیشہ بیکار ہی جاتی تھی۔ فلپ سوم جو اپنے باپ (فلپ دوم) ہی کے مانند پر غرور تھا ۱۵۹۸ء میں اس کا جانشین ہوا اور اس نے بھی اولاً اپنے باپ ہی کی سی سختی کے ساتھ صلح کے متعلق کچھ سننے سے انکار کر دیا، لیکن اس تمام زمانے میں اہل ہالینڈ کا ستارۂ اقبال بلند ہوتا جا رہا تھا۔ مورس ایک بہت ہی

مورس کے فتوحات

دلیر سپاہی تھا خاص کر محاصروں کے قائم کرنے میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی، وہ تمام مقامات کو یکے بعد دیگرے اسپینوں سے لے رہا تھا، دوسری طرف ہالینڈ کے بہادر جہازراں

اپنے وطنی وغیر ملکی سمندروں کو اسپینوں کے جہازات سے پاک وصاف کر رہے تھے ؛

بارہ برس کی عارضی صلح اور صلح وسٹ فیلیا

اندریں حالات اسپین کو آخر بدرجۂ مجبوری یہی مناسب معلوم ہوا کہ اپنی باغی رعایا سے شرائط طے کرے۔ اسپین کا غرور اس امر کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اپنی شکست کو مان لے اور اس سلطنتِ جمہوری کو فوراً تسلیم کر لے۔ اس لئے اس نے اس امر سے زیادہ کچھ کرنا پسند نہ کیا کہ (۱۶۰۹ء میں) "بارہ برس کی عارضی صلح کر لی"۔ یہ اس جنگ کا اختتام تھا مگر خود اس اختتام کا انجام بھی کچھ اچھا نہ ہوا۔ ۱۶۲۱ء میں جب اس عارضی صلح کا زمانہ ختم ہوا تو جنگ سی سالہ کے شعلے یورپ میں بھڑک چکے تھے، اور اگرچہ اسپین نے اس ابتری و پریشانی سے فائدہ اٹھانا چاہا مگر اس چھوٹی سی جفاکش قوم نے اس پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ اہل ہالینڈ کو مطیع کرنے کی اس دوسری کوشش کو پہلی کوشش سے بھی زیادہ بیکار کر دیا۔ جب ۱۶۴۸ء کی صلح وسٹ فیلیا نے جرمنی کی طویل جنگ کا خاتمہ کر دیا تو اسپین آخر اپنی بہت بڑی ذلت کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس مشہور زمانہ صلح نامے پر دستخط کرنے والی جرمنی اور دوسری طاقتوں کے ساتھ اسپین نے بھی جمہوریۂ ہالینڈ کی خودمختاری کو تسلیم کر لیا؛

اندرون ملک کی کشمکش

اس نئی سلطنت جمہوری کے اندرونی معاملات کی کیفیت یہ رہی کہ "اتحاد اٹرخت" کے بعد سے دو صدی تک اس کے اندرون ملک کے معاملات اس محور پر چکر کھاتے رہے کہ مقامی و مرکزی ارباب حکومت کے اقتدار کیا ہوں، یہ رقابت دلچسپی سے خالی نہ تھی اتحاد اٹرخت نے مرکزی حکومت کے طور پر ایک "مجلس سلطنت" اور "مجلس عامہ" (اسٹیٹس جنرل) قائم کی تھی مگر ان مجلسوں کے اختیارات بہت سختی کے ساتھ محدود تھے اور ساتوں مقامی حکومتیں ان پر بہت رقیبانہ نظر رکھتی تھیں۔ اس مسئلہ اتحاد پر ایک اور امر کا اضافہ ہو گیا جو ایک بڑی حد تک مختلف طبقوں کی جنگ بن گیا۔ تمام صوبوں میں سیاسی اقتدار دولتمند متوسط طبقے کے لئے محدود

تھا مگر یہ ایک فطری امر تھا کہ عام لوگوں نے بھی حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا، اور خاندان آرینج کی تائید کی وجہ سے اس مطالبے کو جلد تر بہت بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ عوام اس امر پر زور دے رہے تھے کہ خاندانِ آرینج کو آگے بڑھا کر بادشاہ بنا دیں، اور شہروں کے ذی اثر و قابو یافتہ اشخاص سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہالینڈ کے مختلف فریقوں میں یہی امر کئی صدیوں تک ما بہ النزاع بنا رہا۔

تجارتی و تعلیمی خوشحالی و ترقی

اس زمانے کی ایک قابل لحاظ خصوصیت یہ ہے کہ دوران جنگ میں اس سلطنتِ جمہوری کی تجارتی و تعلیمی حالت برابر ترقی کرتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس جانبازانہ جد و جہد نے قوم میں ایک ناقابل تسخیر قوت پیدا کر دی ہے کہ جیسے وہ اپنے حسب خواہش جس راستے پر چاہے لگا دے۔ سمندر کے کنارے کی یہ چھوٹی سی سلطنت (جسے انسانی طاقت نے فتوائے قدرت کے خلاف قابلِ سکونت بنا لیا تھا) سترہویں صدی میں نہ صرف یورپ کی سیاسی طاقتوں میں ایک بڑی طاقت بن گئی بلکہ درحقیقت تجارت اور صنعت و حرفت کی بعض شاخوں میں وہ سب کی پیشرو ثابت ہوئی، اس زمانے کے مروجہ سائینس میں سب قوموں سے زیادہ اضافہ کیا، اور مصوروں کا ایسا گروہ و سلسلہ قائم کیا جو نشاۃ جدیدہ کے زمانے کے اطالوی مصوروں سے شاید ہی کچھ کم درجے پر ہو۔ ہیوگو گروٹیس (م ۱۶۴۵)، قانون بین الاقوامی کا بانی، اسپینوزا فلسفی (م ۱۶۷۷) رمبرانٹ (م ۱۶۶۹) اور فرانس ہالس (۱۶۶۶) مصوران کے نام اس امر کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ تہذیب و تمدن کی تاریخ میں "صوبجات متحدہ" کو ایک بہت ہی اعلیٰ جگہ حاصل ہے۔ اس قوم کی تجارت کو جزائر ہند میں خصوصیت سے وسعت حاصل تھی اور انھیں مقامات میں اہل ہالینڈ کی سب سے زیادہ پائیدار اور سب سے زیادہ نفع بخش نو آبادیاں قائم ہوئیں اگرچہ کسی زمانے میں ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں ان کی اور بھی نو آبادیاں تھیں۔ صوبۂ ہالینڈ میں ایمسٹرڈم

کا شہر وسیع ہالینڈ کی تجارت کا مرکز تھا اور جسطرح آج لندن تمام دنیا کی ساہوکاری کا کام انجام دیرہا ہے اور روپیہ کا بازار اسی کے قبضے میں ہے وہی حال اس زمانے میں ایمسٹرڈم کا تھا۔

اسپینی صوبوں کا انحطاط

جنوب کے صوبے جو بدستور رومن کیتھولک تھے اور جو بڑی ہی فرمانبرداری کے ساتھ اسپینی حکومت کے مطیع بنے رہے ان کے ساتھ جو کچھ پیش آنیوالا تھا وہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ اس کے بعد سے ان پر اسپینی ندرلینڈز کے نام سے حکومت ہوتی رہی اور اپنے سیاسی جوش کے ضائع کر دینے کے بعد بہت جلد وہ اپنی مادی ترقی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی قوت و طاقت سب تلف ہو گئی۔

باب (۲۳)

۱۵۹۸ء (فرمان نینٹس) اور ۱۶۲۹ء کی مذہبی قرار دادوں تک فرانس میں "اصلاح" کے حالات

۱۵۱۵ء میں فرانسس اول تخت فرانس پر متمکن ہوا۔ ۱۴۹۴ء میں جب چارلس ہشتم نے اطالیہ پر حملہ کیا ہے اسوقت سے شاہان فرانس کی آنکھ برابر اس جزیرہ نما پر لگی ہوئی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دماغوں سے جنوب کا خیال کسی طرح زائل نہیں ہوتا اور اگرچہ وہ اپنے فتوحات سے بار بار بیدخل کئے گئے مگر وہ ہمیشہ ہمت کر کے پھر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ فرانسس ایک نو عمر اور سپاہیانہ جوش سے بھرا ہوا شخص تھا۔ تخت نشین

ہوتے ہی وہ بعجلت تمام کوہستانِ آلپس کے پار پہنچا اور ۱۵۱۵ء میں بمقام میریگینو ڈیوک ملان کے سوئٹزرلینڈی اجیر سپاہیوں کے مقابلے میں ایک نمایاں فتح حاصل کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ملان پر اس کا قبضہ ہو گیا، مگر اس کامیابی نے بالطبع اسپین کی رقابت کو اور تیز کر دیا پس (۱۵۲۱ء میں) چارلس نے

فرانس اور چارلس کی رقابت جب اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ ورمز کی ڈائٹ میں جرمنی کے معاملات طے ہو چکے ہیں تو اس نے فوراً ہی ملان سے فرانس کے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے بعد فرانسس و چارلس میں وہ طویل مخاصمت شروع ہوئی جس کے واقعات کی کیفیت تاریخ جرمنی کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔ یاد ہوگا کہ ان دونوں بادشاہوں کی لڑائیوں کے واقعات میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ جنگ پیویا کا ہے جہاں ۱۵۲۵ء میں فرانسس گرفتار ہو گیا اور ۱۵۲۷ء میں روما غارت ہوا۔

"اصلاح" کی ابتدا اطالیہ کے متعلق اسپین کے ساتھ اس معرکہ آرائی سے کے علاوہ فرانسس کے دور حکومت کے سلسلے میں فرانس کے اندر "اصلاح" کے کاموں کی ابتدا ہونے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فرانسس کی نشو و نما "نشأۃ جدیدہ" کے پُرلطف انداز میں ہوئی تھی اور اسے مذہبی اصلاح کے معاملات سے نہ دلچسپی تھی اور نہ وہ اسے سمجھتا تھا۔ لیکن اس کی رعایا کا حال بالکل اس سے جداگانہ تھا۔ ان کے لئے کسی طرح یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس زمانے کے اس سب سے بڑے معاملے کا اثر نہ قبول کرتی۔

مصلحین کا گروہ فرانس میں اصلاح کے آغاز کو لوتھر سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اور مقامات کی طرح یہاں بھی "تجدید علوم" کے ساتھ ساتھ سلطنت و مذہب میں اصلاح کی خواہش پیدا ہو گئی اور اس نئی صدی کے آغاز میں چند منتخب افراد حالات موجودہ کے خلاف اعتراضات کا تہیہ کرنے لگے تھے۔ جسوقت لوتھر جرمنی میں ہلچل پیدا کر رہا تھا اُس سے کچھ قبل ہی مصلحین کا ایک چھوٹا سا گروہ (جس میں قابل احترام لیفیبر سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا) خرابیوں کے رفع کئے جانے کا وعظ کہنے لگے تھے

اور انھوں نے معقول اثر پیدا کر لیا تھا۔

فرانسس نے دار و گیر کی روش اختیار کی۔

پیرس کا رومن کیتھولک مدرسہ ساربون (جو خود کو پرانے عقیدے کا محافظ سمجھتا تھا) اس اثر کے مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہوگیا، مگر اس خود نما درسگاہ کی مخالفت اسوقت تک چنداں وقعت نہیں رکھتی تھی جب تک کہ خود بادشاہ اس کی جانبداری پر مائل نہ ہوگیا۔ یہ امر جنگ پیویا (۱۵۲۵ء) کے بعد واقع ہوا، جب کہ فرانسس کو اپنی شکست و گرفتاری کے اثرات کو مٹاتے کے لئے پوپ کی امداد اور اپنی رومن کیتھولک رعایا کی موافقت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسوقت سے فرانسس کے انداز میں تذبذب پیدا ہوگیا مگر اس کی عدم رواداری برابر بڑھتی گئی۔

ہنری دوم نے اس دار و گیر کو جاری رکھا۔

فرانسس کا بیٹا ہنری دوم اس کا جانشین ہوا۔ (اس کا عہد حکومت ۱۵۴۷ء سے ۱۵۵۹ء تک رہا) وہ اپنے خوش خلق باپ کی طبیعت کے بالمقابل ایک دوسری ہی طبیعت کا شخص تھا۔ اس کی سخت مزاجی سے یہ قیاس قائم ہو سکتا ہے کہ رومن کیتھولکوں کے جوشِ جنون کے اظہار کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ اپنی تاجپوشی ہی کے دن ہنری دوم نے یہ وعدہ کیا کہ "وہ اپنی مملکت میں ان تمام لوگوں کا قلع قمع کر دے گا جنھیں کلیسا مردود قرار دے گا"۔ اس مقدس کوشش میں اگر اسے کامیابی نہیں ہوئی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ظلم و ستم کا جو جوش اس کے دل میں بھرا ہوا تھا، پروٹسٹنٹوں کا جوش مقاومت اس سے بڑھا ہوا تھا۔ زندیقوں اور مرتدوں کے خلاف فرمان پر فرمان شائع ہونے لگے اور بہت سے لوگ قتل بھی کیے گئے لیکن نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ان شہیدوں کے خون نے جس عقیدے پر مہر تصدیق لگا دی تھی اس نے لوگوں کے دلوں میں اسقدر مضبوطی سے جڑ پکڑ لی کہ پروٹسٹنٹ طریقے پر عبادت کرنے والوں کا گروہ برابر بڑھتا ہی جاتا تھا۔

پروٹسٹنٹوں نے سیاسیات میں بھی دخل دینا شروع کیا۔

اس سراپا تعصب ہنری کا ۱۵۵۹ء میں انتقال ہوگیا۔ اسکے

انتقال کے وقت تک فرانس کے پروٹسٹینٹ اس تمام دار و گیر کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ انھوں نے نہ تو بغاوت کا وعظ کہا اور نہ سیاسی اثر حاصل کرنے کی فکر کی۔ وہ محض ایک مذہبی گروہ بنے رہے مگر اب انھوں نے ایک سیاسی فریق کی حیثیت پیدا کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ ایک بڑی حد تک اس تغیر کا باعث وہ سیاسی ابتری تھی جو ہنری کے انتقال کے بعد غیر متوقع طور پر پیدا ہو گئی تھی۔

فرانسس دوم کی تخت نشینی کے وقت کی حالت

ہنری کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا فرانسس دوم تخت نشین ہوا، وہ اسوقت صرف سولہ برس کا تھا اور جسمانی اور دماغی طور پر بہت ہی کمزور تھا، حکومت کی اصلی ذمہ داریوں کو وہ اٹھا نہیں سکتا تھا اور اس کی بیوی میری (ملکۂ اسکاٹلینڈ) بھی (جو ایک بہت ہی زیرک عورت تھی) اس ذمہ داری کو قبول نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ بھی بہت ہی کمسن تھی۔ ان وجوہ سے اصلی اختیار میری کے دو ماموں کے ہاتھ میں آگیا، یہ دونوں خاندان گائس کے رکن تھے

خاندان گائس

ایک ان میں سے سپاہی منش ڈیوک فرانسس تھا اور دوسرا ایک اہل کلیسا کارڈنل لورین تھا۔

کیتھرائن ڈی میڈیسی

لیکن ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کا خیال یہ تھا کہ خاندانِ گائس کے دربار اور تمام ملک پر اس طرح چھا جانے سے خود ان کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، ان میں سب سے مقدم خود فرانسس دوم کی ماں کیتھرائن ڈی میڈیسی تھی وہ فلورنس کے برسر حکومت خاندان کی رکن تھی۔ حکومت و اقتدار کے انتہائی شوق کے ساتھ اس نے اپنی طبیعت میں اپنی قوم کے کچھ اور بھی مخصوص صفات کا اضافہ کر لیا تھا۔ جودتِ طبع، معاملاتِ خارجہ کی مہارت اور کامل بیباکی کے اوصاف اس میں پوری طرح موجود تھے لیکن اکثر جس مذہبی جنون کا اس پر الزام لگایا جاتا ہے اس میں بہت کچھ مبالغے سے کام لیا گیا ہے، اور اگر آئندہ کے مذہبی جھگڑوں میں بعض اوقات اس کی کارروائیاں بدنما نظر آتی ہیں تو نظر غور

سے دیکھنے سے اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سب نتیجہ تھا اس کے سیاسی حرص و طمع کا۔ لیکن چونکہ کیتھرائن کے سیاسی طریقوں میں سازش و رازداری کو بہت نمایاں جگہ حاصل تھی اور علانیہ و آشکارا دشمنی سے وہ بچتی رہتی تھی اس لیئے خاندانِ گائس کی مخالفت میں سب سے بڑھا ہوا زور شور اس کی طرف سے نہیں بلکہ خاندانِ باربن کی طرف سے ظاہر ہوا۔ خاندان

خاندان باربن

باربن اور شاہی خاندان دونوں یک جدی تھے اور اس زمانے میں اس خاندان کے ممتاز ارکان اینتھانی (شاہ نیور) اور لوئش (شہزادۂ کانڈی) تھے۔ اینتھانی کو شاہی کا لقب خود اپنے حق سے نہیں حاصل تھا بلکہ فرانس و اسپین کی سرحدوں کے درمیان نیور کی جو چھوٹی سی بادشاہت قائم تھی اس کی ولیۂ عہد سے نکاح کر لینے سے اسے یہ لقب حاصل ہو گیا تھا۔ خاندانِ باربن کا یہ خیال کچھ بھی خلاف قیاس نہیں تھا کہ شاہی فرانس کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے لیئے ان کا استحقاق خاندانِ گائس سے بڑھا ہوا ہے، اور جب انہوں نے دیکھا کہ انہیں مسلمہ طور پر اقتدار و اختیار سے خارج کیا جا رہا ہے تو انھوں نے یہ فکر کی کہ جسقدر مخالف عناصر ہیں سب کو متحد کر کے گائس کی مخالفت کیجائے انھیں عناصرِ مخالفانہ میں ایک عنصر مظلوم ہیوگیناٹ[1] کا بھی تھا اور چونکہ ہیوگیناٹ اور "باربن" دونوں کو خاندانِ گائس سے یکساں نفرت تھی اس وجہ سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ ان میں ارتباط اور ارتباط سے اتحاد پیدا ہو گیا۔ اصلاح شدہ مذہب کے اختیار کرنے میں اینتھانی نے تو بے اعتقادی و تذبذب سے کام لیا مگر کانڈی نے زیادہ استحکام کے ساتھ اسے قبول کر لیا طبقۂ امرا میں سے جو لوگ اس خاندان کے موئد تھے ان میں سے بھی بہتوں نے ان کی مثال کی تقلید کی اور اس طرح فرانس میں مذہب پروٹسٹنٹ رفتہ رفتہ

[1] غالباً یہ لفظ ہیوگیناٹ اولاً براہ تمسخر فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کی نسبت استعمال ہوا تھا۔ نہ تو اس لفظ کا ماخذ قابلِ اطمینان طور پر معلوم ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی صاف واضح ہوتے ہیں ۔

سیاسی سازش کے ساتھ مخلوط ہوگیا۔

کولگنی

ان تمام بلند پایہ ہیوگنیاٹوں میں وہ ایک شخص واحد جس نے دوست و دشمن سب سے اپنی وقعت تسلیم کرالی گیسپرڈ دی کولگنی ہے۔ وہ مانٹمورنسی کے جلیل القدر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور فرانس میں امیر البحر کے عہدے پر ممتاز تھا۔ اگرچہ سیاسی اغراض سے وہ بھی خالی نہیں تھا مگر اسے یہ اعلیٰ فخر حاصل ہے کہ وہی ایک شخص تھا جو اپنے عقیدے کو ایسی چیز نہیں سمجھتا تھا جس کی خرید و فروخت ہو سکے اور جس نے مرتے دم تک ایک سے عزم و استقلال کے ساتھ اپنے مذہب کی خدمت کی۔

خانہ جنگی لابد و لازمی ہوگئی

تخت شاہی کے گرد جو فریق جمع تھے ان کے ان تعلقات کی وجہ سے وہ سازشیں شروع ہوئیں جن کا انجام فرانس کی طویل مذہبی لڑائیوں پر ہوا۔ کسی ایک فریق پر ان لڑائیوں کے الزام لگانے کی کوشش بے سود ہے۔ جب شاہی اختیارات کے عمل میں لانے والے کمزور ہو جائیں، طبائع میں مذہبی حیثیت سے مصالحت کی قابلیت باقی نہ رہے (جیسا کہ سولھویں صدی کے فرقوں کی خصوصیت تھی) اور فتنہ انگیز و حریص امرا کا ایک پر قوت غول جمع ہو جائے تو پھر خانہ جنگی سے چارہ کار ہی کیا ہے۔ ناظرین سے اب یہ استدعا ہے کہ وہ اس ہنگامہ خیزی سے متعلق خاص خاص حالات پر نظر ڈالیں۔

چارلس نہم (۱۵۶۰ء ۔ ۱۵۷۴ء) کیتھرائن بہ حیثیت متولیہ

دائم المرض فرانسس دوم کا دسمبر ۱۵۶۰ء میں انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کی بیوہ میری نے جب دیکھا کہ فرانس میں اس کے اثر و رسوخ کا زمانہ ختم ہوگیا ہے تو وہ اسکاٹلینڈ کو چلی گئی۔ خاندان گائس کے ارکان کی قوت کا دار و مدار زیادہ تر میری کے اوپر تھا، اس کے چلے جانے کے بعد انھیں فوراً یہ محسوس ہوگیا کہ ان کی قوت کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ فرانسس کا جانشین اس کا بھائی چارلس نہم ہوا۔ وہ دس برس کی عمر کا ایک کمزور سا لڑکا تھا۔ اس کی صغر سنی میں اس کی ماں

کیتھرائن ڈی مڈیسی نے سلطنت کا کام بہ حیثیت متولیہ کے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح آخر کیتھرائن کی آرزو پوری ہوگئی، لیکن اس نئی حیثیت کا سنبھالنا آسان نہیں تھا کیونکہ خاندانِ گائس اور خاندانِ باربن، دونوں اس کی طرف رقابت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے نہایت میانہ روی کے ساتھ یہ عزم کرلیا کہ وہ ان دونوں متخاصم فرقوں کے درمیان توازن کا طریقہ قائم رکھیگی۔ پس اس نے دونوں کے نمائندوں کو اپنی مجلس شوریٰ میں طلب کیا اور ایک فرمان جاری کیا جس سے ہیوگیناٹوں کو ایک محدود حد تک رواداری حاصل ہوگئی۔ فرانس میں مذہبی مشکلات کے طے کرنے کے متعلق یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش تھی۔ اس کا بھی انجام ناکامیابی پر ہوا اور اگر اس امر میں کچھ شک باقی رہ گیا تھا تو اب وہ رفع ہوگیا کہ کسی قسم کی مصالحت و رواداری سے ایسے لوگوں کا اطمینان نہیں ہوسکتا جو سولہویں صدی کے پروٹسٹینٹوں اور رومن کیتھولکوں کی طرح دیوانہ وار اسی امر پر اڑے ہوں کہ اپنے خیالات میں ایک ذرہ برابر فرق نہونے دینگے اور انھیں تمامہا پورا کرکے رہینگے۔ ایک طرف رومن کیتھولک اس امر سے کشیدہ خاطر تھے کہ کیتھرائن نے اسقدر مراعات کیوں کی دوسری طرف پروٹسٹینٹوں کو یہ شکایت تھی کہ کچھ قیود باقی کیوں رہ گئے اور ان دونوں فریقوں کے زیادہ جوشیلے پیرووں میں کبھی کبھی بغیر کسی قسم کے اشتعال کے بھی سخت مقابلہ ہوجاتا تھا اور اکثر خوفناک زیادتیوں تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔

وسیی کا قتل عام

انھیں مقابلوں کے دوران میں (۱۵۶۲ء میں) "وسیی کے قتل عام" کا واقعہ پیش آگیا جس سے تذبذب کا خاتمہ ہوگیا اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ ڈیوک گائس اپنے مسلح خادموں کی ایک جماعت کے ساتھ دیہات میں سفر کررہا تھا۔ اتفاق سے وسیی میں اس کا گزر ہیوگیناٹ کی ایک جماعت پر ہوا جو عبادت کی غرض سے کسی انبار خانے میں جمع ہوگئی تھی۔ تیز کلامی کے بعد مقابلہ شروع ہوگیا اور ڈیوک کے سوار ہوکر روانہ ہونے کے قبل ہی قبل چالیس پروٹسٹینٹ

مر کر گر چکے تھے اور بہت سے زخمی ہو گئے تھے۔ اس سے ان کے برادران دینی میں ایک خوفناک برہمی پیدا ہو گئی اور جب اس قانون شکنی پر ڈیوک گائس سے فوراً ہی جواب نہیں طلب کیا گیا تو کانڈی و کالگنی بھی مسلح ہو کر میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔

جنگ کی نوعیت

اس طرح فرانس کی مذہبی جنگوں کا آغاز ہوا اور یہ لڑائیاں ۱۵۹۸ء کے فرمان نینٹس کے جاری ہونے تک ختم نہ ہوئیں ان لڑائیوں کے نتائج دوسری صدی میں بھی بہت دنوں تک ملک کی پریشانی کا باعث بنے رہے۔ ہمارے مقصد کے لیئے یہ مناسب ہے کہ ہم ۱۵۶۲ء سے ۱۵۹۸ء تک کے زمانے کو ایک ہی جنگ کا زمانہ سمجھ لیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس درمیان میں لڑائیاں اکثر فرضی التوائے جنگ اور جھوٹے معاہدوں کی بنا پر موقوف بھی ہو جاتی تھیں[1] اس صدی کی اور مذہبی لڑائیوں کی طرح اس لڑائی میں بھی خلاف انسانیت ظلم و تعدی، آتشزدگی، غارتگری، قتل عام و خونریزی کے دھبے ہر جگہ نمایاں ہیں۔ پروٹسٹینٹ و کیتھولک دونوں درندگی پر آمادہ ہو گئے اور اپنے ملک کو ویران کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سینٹ جرمین کی صلح

۱۵۷۰ء کے سینٹ جرمین کے معاہدے نے جب پروٹسٹینٹوں کو بہت سی ایسی رعایتیں دیکر جو ابتک انھیں حاصل نہ تھیں، عارضی طور پر جنگ و جدال کے دروازے کو بند کیا تو اس کی

[1] اس سلسلے میں حسب ذیل آٹھ لڑائیاں علٰحدہ علٰحدہ شمار کی گئی ہیں۔
جنگ اول ۱۵۶۲-۱۵۶۳۔ جنگ دوم ۱۵۶۶-۱۵۶۸۔ جنگ سوم ۱۵۶۸-۱۵۷۰ (جسکا خاتمہ صلحنامہ سینٹ جرمین سے ہوا) جنگ چہارم ۱۵۷۲-۱۵۷۳۔ جنگ پنجم ۱۵۷۴-۱۵۷۶۔ جنگ ششم ۱۵۷۷۔ جنگ ہفتم ۱۵۷۹-۱۵۸۰۔ جنگ ہشتم (جو تین ہنریوں کی لڑائی کہلاتی ہے) ۱۵۸۵-۱۵۸۹ یہ جنگ ایک دوسری صورت سے فرمان نینٹس (۱۵۹۸) تک جاری رہی۔

ابتدا کرنے والے سرگروہوں میں سے بہت سے لوگ دنیا سے گزر گئے تھے۔ اینتھانی (نیور) اپنے سابق کے دوست ہیوگیناٹوں کے خلاف (جنھیں اس نے غدارانہ طور پر چھوڑ دیا تھا) ایک جنگ کے دوران میں ۱۵۶۲ء میں مارا گیا۔ ڈیوک گائس ۱۵۶۳ء میں قتل کر دیا گیا اور کانڈی ۱۵۶۹ء میں ناواجب طور پر ایک حملے میں مارا گیا۔ اب ہیوگیناٹ فریق کا سرگروہ، اینتھانی کا نوجوان بیٹا ہنری (شاہِ نیور) تھا مگر اس کی ذہنی رہبری سردست کالگنی کو حاصل ہو گئی تھی۔

ایک معتدل روش کی ترقی

اس اثنا میں فرانس میں ایک معتدل جماعت بھی پیدا ہو گئی تھی جس نے یہ کوشش کی کہ سینٹ جرمین کی صلح کو ایک مستقل قرار داد بنا لے۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ اس خونریزی میں ملک کی قوت زائل ہو رہی تھی اور دونوں فریق تباہ ہو رہے تھے، اس کا اگر کچھ نفع تھا تو فرانس کے دشمنوں کو تھا۔ دونوں جانب کے ذی ہوش اشخاص (جن میں کالگنی زیادہ نمایاں تھا) اس جنگ وجدل کی حماقت کو سمجھنے لگے تھے اور خود شاہِ چارلس (جو اب حدِ بلوغ کو پہنچ گیا تھا) اسی خیال کی طرف مائل تھا۔ با ایں ہمہ دونوں جانب شکوک وعناد اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ بنائے مخاصمت کے بتمامہ رفع کرنے کی اس کوشش کے قبل ہی وہ واقعہ پیش آگیا جو اس تمام جنگ جدال میں سب سے زیادہ مہیب واقعہ ہے یعنی اسی دوران میں سینٹ بارتھولومو کا قتلِ عام واقع ہوا۔

ہنری (نیور) اور مارگیرٹ (ویلائس) کا عقد

صلح سینٹ جرمین کے بعد کالگنی پیرس میں آگیا تھا اور بڑی عجلت کے ساتھ اس نے بادشاہ پر وسیع اثر پیدا کر لیا تھا۔ نوجوان بادشاہ اسطرف مائل معلوم ہوتا تھا کہ اس اندرونی تنازعہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے اور ملک کی متحدہ قوت کو فرانس کے قدیمی دشمن اسپین کی طرف پھیر دے۔ اس مقصد کے ابتدائی مرحلے کے طور پر اس نے اپنی بہن مارگیرٹ اور نیور کے نوجوان

بادشاہ ہنری کے درمیان مناکحت کی رائے قرار دی۔ شاہِ چارلس کی دعوت پر ہیوگیناٹ اپنے سردار کی تقریب عقد میں شامل ہونے کے لئے بڑی کثرت کے ساتھ پیرس میں جمع ہوگئے۔ یہ تقریب ۱۸۔ اگست ۱۵۷۲ء کو انجام پائی۔

اس عقد سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پروٹسٹینٹوں کی کامیابی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔ کالگنی کا ستارہ اقبال جب سے رواداری کی شعاعیں پھیل رہی تھیں، برابر بلند ہوتا جاتا تھا اور خاندانِ گائس اور ان کے حد سے بڑھے ہوئے کیتھولک موئدین کو جو عدم مصالحت کے اصول پر قائم تھے زوال ہوتا جاتا تھا۔ لیکن اس قدامت

کالگنی کے خلاف کیتھرائن اور خاندانِ گائس کا اتفاق

پرست فریق نے جب یہ دیکھا کہ اب تباہی سر پر آگئی ہے، تو عالم مایوسی میں وہ ہر ایک کام کے لئے تیار ہو گیا، اس اثنا میں دفعتہً اسے ایک غیر متوقع مدد ملگئی، کیتھرائن ڈی مڈیسی ابتداءً خاندان گائس کے ساتھ بھی اس سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی تھی جتنا تعلق ہیوگیناٹوں سے تھا کیونکہ اس کا مقصد اصلی خود طاقت حاصل کرنا تھا، اب جو اس نے یہ دیکھا کہ بادشاہ پر اس کا اثر باقی نہیں رہا ہے بلکہ اس کے بجائے کسی اور کا اثر قائم ہو گیا ہے تو اس نے اپنی جبلی کینہ توزی و جوش کے ساتھ کالگنی کو اپنی نفرت کا آماجگاہ بنا لیا۔ اس کے دل میں یہ آگ بھڑک رہی تھی کہ کسی طرح اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو دوبارہ حاصل کرے۔ پس اب اس نے خاندان گائس کے ارکان سے مراسلت شروع کی ۲۲ اگست کو کالگنی جب اپنے مکان میں داخل ہو رہا تھا تو ایک گولی جو اس کے سینے پر چلائی گئی تھی اس کے بازو میں لگی۔ بادشاہ خوفزدہ ہو کر بعجلت تمام اپنے اس مشیر کے بستر کے پاس پہنچا اور غصے میں آکر اس نے یہ قسم کھائی کہ اس کے قاتل اور اس کے شریکوں سے بہت ہی سخت و عام انتقام لیگا۔

سینٹ بارتھولومیو کا قتل عام

کیتھرائن اور خاندانِ گائس کے ارکان اس خوف سے پریشان ہو گئے کہ مبادا پتہ چل جائے اور ان کو سزا ملے اس لیئے انھوں نے ایک تدبیر ایسی سوچی جس سے بادشاہ کے خیال انتقام کو کسی اور طرف پھیر دیں اور وقتی ہیجان میں انھوں نے سینٹ بارتھولومیو کے قتل عام کا منصوبہ گانٹھا۔ پس اس مشہور قتل عام کو جیسا کہ ابتک خیال کیا جاتا ہے، یورپ کے تمام رومن کیتھولک سرگروہوں کی ایک مرتب سازش کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اسے ایک مایوس گروہ کی خونریزی کی اضطراری حرکت سے منسوب کرنا چاہیئے۔ کیتھرائن ڈی میڈیسی اور ارکانِ خاندان گائس اس کے بانی تھے اور پیرس کے تندمزاج رومن کیتھولک آبادی ان کا آلۂ کار تھی۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ سب سامان کے تیار ہو جانے کے بعد بادشاہ کی منظوری کیونکر حاصل کی گئی، اس کا سمجھنا مشکل ہے جبتک کہ ہم یہ نہ جان لیں کہ بادشاہ ایک بہت ہی کمزور و بزدل شخص تھا اور دھوکے اور خوف میں پڑ کر وہ ہر ایک کام کے کرگزرنے کے لیئے تیار ہو جاتا تھا۔ ۲۴۔ اگسٹ کو سینٹ بارتھولو کی تقریب کے دن اتوار کو صبح سویرے پیرس کے گرجوں سے خوف کی گھنٹی سنائی دی۔ اس اشارے کے پاتے ہی رومن کیتھولک باشندے چپکے سے اپنے گھروں سے نکل گئے، اور ان مقامات کو گھیر لیا جن پر پہلے سے نشانات لگائے گئے تھے کہ یہاں ہیوگیناٹ رہتے ہیں۔ اس ہیجان غضب کا ایک پہلا شکار کالگنی بھی تھا اور ہنری ڈ گائس نے اپنے ہیوگیناٹ رقیب کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرایا۔ اس رات کو شہر کی تمام سڑکیں خون سے بھری ہوئی تھیں اور صوبجات میں کئی روز بعد تک دارالصدر کی تقلید جوش وخروش کے ساتھ ہوتی رہی۔ ہنری دنیور) صرف اس طرح موت سے بچ سکا کہ اس نے بروقت اپنے عقیدے سے انکار کر دیا۔ دو ہزار آدمی پیرس میں اور آٹھ ہزار آدمی فرانس کے دیگر حصص میں اس خوفناک جوش جنون کے شکار ہو گئے۔ اس زمانے کی

طبیعت کا جو رنگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رومن کیتھولک دنیا نے جب اس خبر کو سنا تو اپنے مخالفوں سے نجات پانے کے اس آسان طریقے پر اپنے اظہارِ مسرت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی اور اس معاملے میں پوپ اور فلپ (شاہِ اسپین) سب سے بڑھے ہوئے تھے ؛

ہنری سوم ۱۵۷۴-۱۵۸۹

اب جنگ مع اپنے تمام مہیب حادثات کے پھر فوراً ہی جاری ہوگئی ۱۵۷۴ء میں چارلس نہم کا انتقال ہوگیا اور ہیوگیناٹوں کا یقین یہ تھا کہ وہ اس صدمے میں مر گیا کہ وہ سینٹ بارتھولومیو کے جرم عظیم میں کیوں شریک ہوا۔ اس کا بھائی ہنری سوم اس کے بجائے تخت نشین ہوا جب ہنری کے آخری بھائی ڈیوک النسان کا انتقال ہوگیا اور ہنری کے کوئی وارث نہیں رہا تو مذہبی سوال کے ساتھ جانشینی کا سوال بھی پیدا ہوگیا اور اس کشمکش میں ایک نئی دلچسپی کا اضافہ ہوگیا ؛

ہنری (نیور) کے جانشین ہونیکی توقع ؛

ملک کے قانون کے موافق ہنری کے انتقال کے بعد تاج سب سے قریبی مرد رشتہ دار کیطرف منتقل ہو جانا چاہیے تھا اور یہ شخص ہنری (نیور) تھا جو شاہی خاندان کی شاخ باربن کا سب سے مقدم شخص تھا۔ مگر ہنری مذہباً ہیوگیناٹ اور اپنی آئندہ رعایا کے حصۂ کثیر کے مذہب کا دشمن تھا۔ پس جب اسکی جانشینی اغلب ہوگئی تو ہنری (گائس) اور اس کے پیروؤں نے "معاقدہ مقدس" قائم کیا جس نے یہ عہد کیا کہ وہ کلیسا کے مفاد کو مقدم رکھیگا خواہ اس میں خود بادشاہ ہی کی مخالفت کیوں نہ لازم آجائے چونکہ یہ معاقدہ مقدس اس زمانے کے رائج الوقت مذہبی جوش کے عین موافق تھا اس لیے فرانس کے تمام رومن کیتھولک اس کے گرد جمع ہونے لگے اور زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پایا کہ ہنری سوم نے یہ دیکھ لیا کہ اس کے پہلو بہ پہلو ایک اور بادشاہ پیدا ہوگیا ہے جو حقیقت میں

اس سے بھی زیادہ صاحب اقتدار بن گیا ہے، یہ شخص اس کا سابق دوست اور معاقدہ کا موجودہ سرگروہ ہنری (گائس) تھا۔ اس نے اپنے شاہی فرض کے لحاظ سے جب یہ کوشش کی کہ متخاصم فرقوں میں اس کی درمیانی حیثیت برقرار رہے اور ملک میں امن قائم رہے تو اس نے یہ دیکھا کہ اہل معاقدہ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ کسی قسم کی صلح پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک فرانس بہت جلد تین لشکر گاہوں میں منقسم ہوگیا۔ دونوں مذہبوں کے انتہا پسند دو طرف تھے جن میں سے ایک کا سرگروہ ہنری (گائس) اور دوسرے کا ہنری (نیور) تھا اور تیسرا اعتدال پسند فریق ان دونوں کے درمیان تھا جس کا سرگروہ خود شاہ ہنری تھا؛

تینوں ہنریوں کی جنگ

اس کے بعد جنگ کا جو مرقع پیش آیا وہ تینوں ہنریوں کی کشمکش سے موسوم ہے یہ کشمکش ۱۵۸۵ء سے ۱۵۸۹ء تک جاری رہی اور ملک میں ایک نئی ابتری برپا ہوگئی۔ شاہ ہنری نے امن وامان قائم رکھنے کے لیئے ہر ایک ممکن سعی وتدبیر سے کام لیا یہانتک کہ وہ اس پر بھی آمادہ ہوگیا کہ اصلی اختیارات شاہی "معاقدہ" کے سرگروہ کے ہاتھ میں دیدے مگر آخر غصے میں آکر دسمبر ۱۵۸۹ء میں اس نے یہ عہد کرلیا کہ اپنی ذلت کا خاتمہ کردے گا۔ اس نے ہنری (گائس) کو اپنے کمرے میں بلایا اور اسطرح دغا دیکر اسے اپنے محافظوں سے قتل کرادیا۔ لیکن اہل "معاقدہ" اب ہیبت زدہ ہوکر اپنے سرگروہ کے قاتل سے منحرف ہوگئے اور پیرس اور فرانس کے تمام رومن کیتھولکوں نے ہنری کی معزولی کا اعلان کردیا۔ اس عالم مایوسی میں بادشاہ بھاگ کر ہنری (نیور) کے پاس پہنچا اور اپنی ہیوگیناٹ رعایا کے ساتھ اسپنے دار الصدر پر بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک پر از جنوں ڈومینکی راہب بزور اس کے پاس پہنچ گیا اور اسے چاقو سے ہلاک کردیا (اگست ۱۵۸۹ء) اس طرح خاندان ویلائس کا خاتمہ ہوگیا۔ اب بحث صرف تاج کے جائز

دعویدار ہنری (نیورے) اور معاقدہ کے درمیان تھی اور اہل "معاقدہ" ہنری سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے ؎

ہنری چہارم اور معاقدہ مقدس

یہ نیا ہنری یعنی ہنری چہارم خاندان باربن کا پہلا بادشاہ تھا وہ ایک جری سپاہی، زیرک حکمراں اور خوش خلق شخص تھا۔ اس کے پیرو اسے ایک نمونۂ کمال سمجھتے تھے مگر فرانس میں اس کے پیروؤں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ملک میں زیادہ حصّہ رومن کیتھولکوں کا تھا اور ہنری یہ جانتا تھا کہ ان کی وفاداری آہستگی کے ساتھ حاصل ہوگی اور جبر و تشدد سے تو یقیناً اس کا حاصل ہونا ناممکن تھا۔ اس لئے اس نے دانشمندی و صبر کے ساتھ انھیں اپنے مقاصد کی صداقت کے یقین دلانے اور ان سے اپنے کو بادشاہ تسلیم کرانے کی کوشش شروع کی اگر "معاقدۂ مقدس" کو تخت کے لئے ہنری کا کوئی موزوں و مناسب رقیب ملجاتا تو یقیناً ہنری کا خاتمہ ہوجاتا مگر اس کے دعوائے تخت و تاج میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی اور یہی اس کی قوت کا باعث تھا۔ سردست کسی نے ہتیار رکھدینے کا خیال نہیں کیا ہنری نے متعدد معرکے سر کئے خاص کر جنگ ایوری (۱۵۹۰) میں کامیابی حاصل کی مگر معاقدۂ مقدس کو فلپ (شاہ اسپین) کی تائید حاصل تھی اور اسوجہ سے اس کا منتشر کرنا دشوار تھا۔

ہنری عقیدہ پروٹسٹنٹ سے تائب ہوگیا۔

آخر ہنری اس نہ ختم ہونے والی کشمکش سے عاجز آگیا اور اس نے ایک قطعی کارروائی کا عزم بالجزم کرلیا۔ اس نے ۱۵۹۳ء میں اپنے عقیدے سے رجوع کرلیا اور دوبارہ رومن کیتھولک کلیسا میں داخل کرلئے جانیکی خواہش ظاہر کی۔ اس کارروائی کا اس نے جو نتیجہ سونچا تھا وہ صحیح ثابت ہوا کیونکہ معاً تمام فرانس نے اسے بادشاہ تسلیم کرلیا اور "معاقدۂ مقدس" شکست ہوگیا جنگ بند ہوگئی اور فروری ۱۵۹۴ء میں کامل اعزاز و احترام کے ساتھ مقام چارٹس میں ہنری کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی اور مارچ میں اس نے

اپنے دارالسلطنت پر انھیں اہل پیرس کی انتہائی شادمانی و مسرت کے ساتھ قبضہ کیا جو سینٹ بارتھولو کے روز اس کا سر کاٹنے کے لئے شور مچا رہے تھے ؎

ہنری کے فعل کا بجا ہونا۔ ہنری کے اس تبدیل مذہب کے متعلق رایوں میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، مگر اسے زیادہ طوالت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ ایک خالص سیاسی چال اور نتیجے کے اعتبار سے ایک کامیاب چال تھی۔ ہنری نے اگرچہ قسیس کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ اس تبدیل مذہب کا تعلق اس کے ایمان سے ہے مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کے دل پر اس کا اثر بہت کم تھا اپنے اس انحراف کی نسبت اس نے بہت خوش طبعی کے ساتھ اپنے دوستوں سے یہ کہا تھا کہ "پیرس کی قدر و قیمت اس سے بہت بڑھی ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ قداس میں شرکت کر لی جائے"؎

فرمان نینٹس ۱۵۹۸ء اس مسلم شدہ بادشاہ کا پہلا اہم کام یہ تھا کہ اپنے ملک کو مستقل مذہبی سکون کا فائدہ پہنچائے۔ اس مقصد کے لئے جو فرمان تجویز ہوا تھا وہ اپریل ۱۵۹۸ء میں نینٹس میں شائع ہوا، اگرچہ یہ اس قسم کی رواداری کا حکم نہیں تھا جو ہمارے اس زمانے کے خیالات کو مطمئن کر سکے مگر اسوقت کے اعتبار سے یہ بہترین حکم تھا۔ اس فرمان نینٹس کی رو سے بڑے بڑے امرا اور قوم کو یہ اجازت ملگئی کہ چند معینہ جگہوں میں وہ پروٹسٹینٹ طریق پر عبادت کا انتظام قائم کر سکیں۔ مزید براں قانون کی نظر میں اس نے ہیوگیناٹوں کو رومن کیتھولکوں کے برابر سطح پر قائم کر دیا اور ان وعدوں کی ضمانت کے طور پر چند قلعہ بند شہر ہیوگنیاٹوں کے حوالے کر دیئے گئے جنمیں لاروشیل سب سے زیادہ اہم تھا یہی آخری کارروائی خانہ جنگی کے دوبارہ شروع ہونے کا باعث ہوئی کیونکہ یہ ایک خطرناک رعایت تھی اور اس نے ہیوگنیاٹوں کو سلطنت کے اندر ایک آزاد مسلح قوت بنا دیا؎

ہنری نے اسپین کی جنگ کو بھی ختم کر دیا۔ ۱۵۹۸ء

اسی ۱۵۹۸ء میں ہنری نے اسپین کے ساتھ بھی جنگ کو ختم کر دیا، یہ جنگ اسوجہ سے قائم ہو گئی تھی کہ حکومتِ اسپین "معاقدۂ مقدس" کی طرف سے مداخلت کرتی تھی۔ ہنری اگرچہ اس امر کو ناپسند نہیں کرتا تھا کہ اپنے اس دخل در معقولات کرنے والے ہمسائے کے خلاف پورے زور کے ساتھ جنگ کو جاری رکھے مگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے ملک کی موجودہ حالت غیر ملکی فتوحات حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے اور اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی قوت کو آئندہ کے لئے محفوظ رکھے۔ اس لئے اس نے ۱۵۹۸ء میں صلحنامہ وروِنس پر اس شرط سے دستخط کر دیئے کہ دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کے مقبوضہ ممالک کو واپس کر دیں۔

ہنری اور سلی کی اندرونی حکومت۔

اب جبکہ فرانس کو اپنے ملک کے اندر و باہر امن حاصل ہو گیا تھا تو ہنری نے پوری توجہ کے ساتھ اپنے تباہ شدہ ملک کو دوبارہ بحال کرنے کی کوشش شروع کی۔ اپنے پروٹسٹینٹ وزیر ڈیوک سلی کی مدد سے اس نے ملک کے مالیات کو پھر درست کر دیا، تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دی اور جب برسوں کی محنت کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ ایک منتظم و خوشحال سلطنت پر حکمراں ہے، اسوقت اس نے غیر ملکی معاملات کی طرف پھر اپنی توجہ منعطف کی۔

ہنری کا خاندان ہیپسبرگ کو ذلیل کرنیکی تجویز سوچنا۔

خاندانِ ہیپسبرگ کو (جس کے دو سلسلے ایک اسپین میں اور دوسرا آسٹریا میں حکمراں تھا) وہ اب بھی فرانس کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ ہنری نے یہ قطعی ارادہ کر لیا کہ اسپین اور خاندانِ ہیپسبرگ کے زوال سے فرانس و خاندان بار بن کو ترقی دے۔ ۱۶۱۰ء میں جرمنی کے مقامی تنازع سے ہیپسبرگ کے خلاف مداخلت کرنے کا اسے ایک حیلہ ہاتھ آگیا اور وہ اس موقع سے کام ہی لینے کی فکر میں تھا کہ ایک نیم مجنون رومن کیتھولک متعصب ریولک نامی نے خنجر بھوک کر اسے

ہنری کی موت

مار ڈالا۔ فرانس کے لوگ آج تک شاہ ہنری کو محبت سے

یاد کرتے ہیں، اور اسے جو ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی تھی اس میں اس کے کسی جانشین کے اثر سے فرق نہیں آیا۔

میری ڈی مڈیسی کی تولیت (۱۶۱۰ء تا ۱۶۴۳ء)

ہنری کے انتقال کے وقت اس کا بیٹا لوئس سیزدہم صرف نو برس کا تھا، اس لئے ہنری کی دوسری بیوی میری ڈی مڈیسی کے تحت میں تولیت قائم کی گئی۔ چونکہ میری ڈی مڈیسی ایک کمزور عورت تھی اور خوشامدیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی رہتی تھی اس لئے امیروں اور ہیوگیناٹوں نے جنہیں ہنری نے بزور دبا رکھا تھا پھر سر اٹھایا اور فرانس میں نئی خانہ جنگیاں برپا کر دینا چاہیں۔

رشلو

فرانس اگر اس مصیبت سے بچ گیا تو صرف کارڈنل رشلو کی وجہ سے۔ یہ اہل کلیسا جب ۱۶۲۴ء میں سب وزیروں سے ممتاز درجہ پر پہنچا ہے اسوقت متولیہ ملک کے بجائے بادشاہ خود حکومت کرنے لگا تھا مگر اس تغیر سے حالات میں کچھ اصلاح نہیں ہوئی جسکی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ سست و عامیانہ طبیعت کا شخص تھا اور رشلو کو سخت مشکل کا سامنا پیش آیا مگر خوش قسمتی یہ تھی بادشاہ اپنے وزیر کی قابلیتوں کا پوری طرح قدرداں تھا اور اپنے انتقال کے وقت تک مہمات ملکی کو بالکل اسی وزیر کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا۔ ۱۶۲۴ء سے ۱۶۴۲ء تک اٹھارہ برس رشلو کارکن رہا۔ رشلو نے بہ حیثیت مجموعی اپنے اس غیر معمولی اقتدار سے روشن خیالی کے ساتھ حب وطن کی خدمت انجام دی۔ اس نے اپنے دو مقاصد قرار دے لئے تھے ایک یہ کہ قومی بادشاہت کو قوت دے اور اسکے لئے لازمی تھا کہ وہ امرا اور ہیوگیناٹوں کی طاقتوں کو توڑ دے۔ دوسرے یہ کہ فرانس کے حدود کو وسیع کرے، اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے ملک کے قدیم رقیب اسپین و خاندان ہیپسبرگ سے پھر جنگ جاری کر دے۔

اس نے امرا کو پامال کر دیا

امرا کی سیاسی طاقت کے توڑنے میں رشلو کو بغیر مقاومت کے کامیابی نہیں نصیب ہوئی اس نے یہ تجویز کی کہ امرا

قانونِ ملک کے تابع ہوں اور جب انھوں نے سازشوں اور شورشوں کے ذریعے سے اس کی مخالفت کی تو اس نے ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا جس سے باقی امرا نے خوفزدہ ہو کر اطاعت قبول کر لی۔

اس نے ہیوگیناٹ کو بھی پامال کر دیا۔

ہیوگیناٹ کا معاملہ اس سے زیادہ سخت ثابت ہوا۔ فرمان نینٹس کی رو سے انھیں علاوہ رواداری کے (جو بالکل بجا و درست تھی) سیاسی قوت بھی حاصل ہو گئی تھی یعنی وہ فوج اور قلعہ بند شہروں کے مالک ہو گئے تھے ہنری چہارم کے انتقال کے بعد سے وہ اکثر فسادات برپا کرتے رہتے تھے اور ان کی بعض کارروائیوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ فرانس سے قطع تعلق کر لینا چاہتے ہیں۔ رشلو یہ ارادہ کئے ہوئے تھا کہ وہ ایسا نہ ہونے دے گا۔ وہ ان کی آزادی عبادت کو بحال خود برقرار رکھنے پر آمادہ تھا کیونکہ وہ اگرچہ پادری تھا مگر غالی و متعصب نہیں تھا، مگر اُن کے دعوائے خودمختاری کا وہ روادار نہیں تھا۔ پس اس نے اُن کے خلاف احتیاط کے ساتھ ایک مہم کی تیاری کی جس کا پورا زور ۱۶۲۸ء کے روشیل کے محاصرے میں ظاہر ہوا۔ لاروشیل پروٹسٹینٹوں کے قلعوں میں سب سے

لاروشیل (۱۶۲۸) اور ۱۶۲۹ء کی مصالحت

بڑا قلعہ تھا اور اگرچہ روشیل کے باشندوں نے انگریزوں کی مدد سے بڑی ہی دلیرانہ مدافعت کی مگر وہ آخر میں مجبور ہو گئے کہ خود کو کارڈنل کے حوالے کر دیں۔ فتحیاب ہونے پر بھی رشلو اپنے رواداری کے اصول پر ثابت قدم رہا اور اس نے ایک صلحنامے پر دستخط کر دیئے۔ جو اولاً اہل روشیل کے ساتھ ہوا اور اسکے بعد دوسرے ہیوگیناٹوں کے ساتھ بھی ہو گیا اس میں اس نے فرمان نینٹس کے تمام حقوق بدستور قائم رکھے صرف غیر معمولی سیاسی طاقت کو خارج کر دیا۔

ہیپسبرگ سے دشمنی

جب فرانس کے اندرونی خرخشے اس طرح رفع ہو گئے اور تمام رعایا کے ہر قسم کے طبقے بادشاہ کے قانون کے تحت میں آ گئے، اسوقت رشلو کو موقع تھا کہ وہ اپنے منصوبے کے دوسرے

حصے کی طرف توجہ کرے اور خاندان ہیپسبرگ کو نیچا دکھائے۔ اُسکی اس کارروائی کے لئے ایک امر نہایت مفید مطلب یہ پیش آگیا تھا کہ جنگ سی سالہ کی وجہ سے جرمنی کا شیرازہ درہم و برہم ہو رہا تھا۔ رشلو کی طبیعت میں تدبر سیاسی کا وصف خلقۃً موجود تھا اس نے یہ محسوس کرلیا

جنگ سی سالہ میں فرانس کا دخل

کہ اگر وہ رومن کیتھولکوں کے خلاف (جنکی پشت پناہی خاندان ہیپسبرگ یعنی شہنشاہ و اسپین کر رہے تھے) جرمنی کے پروٹسٹینٹوں کی مدد کرے گا تو وہ جلد یا بدیر فرانس کے لئے مستقل فوائد حاصل کرلے گا۔ اس کی تدریجی مداخلت نے آخر جرمنی کی اس جنگ میں شاہ فرانس کی یہ حیثیت پیدا کردی کہ جدھر وہ شریک ہوتا ادھر کا پلہ بھاری ہو جاتا اور جب ۱۶۴۸ء میں اس کشمکش کا خاتمہ صلح وسٹ فیلیا پر ہوا تو اسوقت فرانس یورپ کا آمر مطلق بن گیا تھا۔ رشلو اس نتیجے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہا (کیونکہ ۱۶۴۲ء میں اس کا انتقال ہوچکا تھا) مگر اس موقع پر فرانس نے جو فوائد حاصل کئے ان کو اسی کی مدبرانہ طریق حکومت کی طرف منسوب کرنا چاہئے۔

رشلو مطلق العنانی کا حامی تھا

رشلو کی نسبت اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فرانس میں مطلق العنان بادشاہی کے پیدا کرنے کا باعث ہوا۔ اس میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے کیونکہ فرانس کے بادشاہ صدیوں پہلے سے اس مقصد میں کوشاں تھے، لیکن اگر رشلو کو اس مطلق العنانی کا بانی نہ کہا جائے تو اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اس کا ترقی دینے والا ضرور تھا۔ ابھی ابھی اس امر پر توجہ دلائی جاچکی ہے کہ اس نے کسطرح امرا کے طبقے کو باقاعدہ دبایا۔ علاوہ اس کے اس نے "اسٹیٹس جنرل" کے طلب کرنے سے انکار کردیا اور اسطرح اسے بیکار و بے مصرف بنادیا۔ یہ "اسٹیٹس جنرل" ملک کے پرانے جاگیرداری طرز کی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) تھی یہ جماعت ۱۶۱۴ء کے بعد پھر ۱۷۸۹ء تک مجتمع نہیں ہوئی اور اس دوران میں بادشاہ کے اختیار پر کوئی زیادہ موثر روک نہیں تھی۔ پس اگرچہ رشلو کی ذات سے

فرانس کو بہت فائدے پہنچے مگر یہ سوال پھر بھی باقی رہجاتا ہے کہ آیا شاہی اقتدار کے غیر محدود حد تک بڑھ جانے سے اٹھارھویں صدی میں جو خرابیاں پیش آئیں اُن کی ذمہ داری بھی ایک حد تک اس پر عائد ہوتی ہے یا نہیں ؟

باب (۲۴)

جنگ سی سالہ و صلح وسٹ فیلیا

جرمنی میں مذہبی مناقشے جاری رہے ؛

۱۵۵۵ء کی صلح آگسبرگ نے جرمنی میں پہلی مذہبی جنگ کا اس طرح خاتمہ کیا کہ رومن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے دعاوی میں ہمواری پیدا کرنا چاہی مگر اس کوشش میں نہ تو کامیابی ہوئی اور نہ کامیابی ہوسکتی تھی۔ جو دفعہ "تحفظ کلیسائی" کے نام سے موسوم تھی وہ اس غرض سے وضع کی گئی تھی کہ رومن کلیسا کی زمینیں آئندہ دنیاوی اغراض میں نہ لیجائیں مگر اس دفعہ کے منظور ہونے کے بعد ہی کامیاب مذہب پروٹسٹنٹ نے ہر طرف مداخلت شروع کردی۔ اس طرح رومن کیتھولکوں کو اپنے رقیبوں کے خلاف ایک جائز وجہ شکایت پیدا ہوگئی۔ دوسری دقتوں اور دشواریوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ صلح آگسبرگ کے تھوڑے ہی دنوں بعد طریق کیلون، جرمنی کے جنوب و مغرب میں پھیل گیا مگر چونکہ صلح آگسبرگ میں صرف طریق لوتھر کا ذکر ہوا تھا اس لئے طریق کیلون کو قانونی جواز نہیں حاصل ہوسکا۔ چنانچہ اس نئے طریق مذہب کی ہستی بہت خطرے میں

پڑی ہوئی تھی۔

تینوں فرقوں میں جس طرح برابر مناقشہ جاری تھا اور جس نے ملک کی ہر ایک ڈائٹ میں غوغا مچا رکھا تھا اس کے دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے کہ اتنے دنوں تک بھی صلح کیونکر قائم رہی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپس کی رقابت اور کشمکش کو زیادہ سخت صورت میں لانے کے نتائج کے خوف سے لوگ انتہائی کارروائیوں سے رکے ہوئے تھے۔ یہ عارضی صلح جو اس صدی کے بعد تک قائم رہی، کچھ زمانے کے لئے ضرور پروٹسٹنٹوں کے حسب مطلب تھی۔ لوتھر وکیلون دونوں کے پیرووں کو اپنے مقاصد کی اشاعت میں کچھ بھی وقت نہیں ہوئی تھی اور بہت جلد شمالی جرمنی کا تمام علاقہ پکّی طور پر پروٹسٹنٹ بن گیا، ادھر جنوب میں خود آسٹریا و بویریا کے اندر (جنھیں رومن کیتھولک مذہب کا پشت پناہ سمجھا جاتا تھا) ارتداد کا زہر بہت مہلک طور پر سرایت کرتا جاتا تھا بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ رومن کیتھولک مذہب کو جرمنی سے خارج کر دینے کے لئے صرف اتنی ہی بات کی دیر ہے کہ پیروانِ لوتھر اور پیروانِ کیلون آپس کے جھگڑوں کو چھوڑ کر اپنی قوت کو منتظم کر لیں۔

مذہب کیتھولک کی قوت کی بازگشت

پروٹسٹنٹوں سے اس انضباط کا انجام پانا دشوار تھا اور رومن کیتھولک جس خواب غفلت میں پڑ گئے تھے اس سے چونک کر انھوں نے ٹرنٹ کی مجلس میں فرقۂ جزوٹ کی سرکردگی میں اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر لیا اور دلیرانہ طور پر جرمنی کو پھر فتح کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ شہنشاہ رُڈلف (۱۵۷۶-۱۶۱۲) کے وقت سے کیتھولکوں ایک نئی قوت کا اظہار ہو رہا تھا۔ فرقۂ جزوٹ کے لوگ حکمراں کیتھولک خاندانوں کے محلوں میں بار پانے لگے اور وائنا و میونخ کو اپنے کاموں کا مرکز بنا کر وہ اپنے حدود اثر کو برابر وسعت دیتے جا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے کام کو پائیدار جوش اور پرسکون احتیاط کے ساتھ انجام دیا۔ وہ اپنے حکمراں آقاؤں کے لئے توبہ قبول کرنیوالے قسیس یا وزرائے سلطنت کا کام انجام دیتے، اور دونوں صورتوں میں ان کی ملکی حکمتِ عملی پر اثر ڈالتے تھے۔ انھوں نے مدرسے اور دار العلوم قائم کئے، تمام متزلزل العقائد فرقوں میں اپنے مبلغ بھیجے اور بہت سے

پروٹسٹنٹوں کو اس خبر نے حیرت میں ڈال دیا کہ ان لوگوں نے متعدد حکمرانوں اور بعض یورپ کے ملک کو دوبارہ قدیم مذہب میں داخل کرلیا ہے۔

پروٹسٹنٹ یونین (اتحاد) اور کیتھولک لیگ (معاقدہ)

اوائل سترھویں صدی میں بازگشت مذہب کی کشش اسقدر بڑھ گئی کہ زیادہ پرجوش پروٹسٹنٹوں نے ۱۶۰۸ء میں حفاظت باہمی کی غرض سے ایک یونین (اتحاد) قائم کیا اسکے جواب میں دوسرے سال (۱۶۰۹ء میں) رومن کیتھولکوں نے اسی قسم کا اپنا ایک انتظام (دہولی لیگ) (معاقدہ مقدس) کے نام سے قائم کیا۔ اسکے بعد سے جرمنی دو لیگ " و " یونین " کے دو متخاصم لشکر گاہوں میں منقسم ہو گئی جن میں ہر ایک موقع آجانے پر دوسرے کے خلاف جنگ کے لئے تیار رہتا تھا۔ ان حالات میں عام رائے یہ ہوتی جاتی تھی کہ بیشمار مختلف فیہ مذہبی مسائل کا اس خطرناک طور پر معلق رہنا مناسب نہیں ہے بلکہ ادھر یا ادھر قطعی طور پر ان کا فیصلہ ہوجانا چاہئے، لیکن ان دونوں مذہبی لشکر گاہوں کے متعلق اس فرق کو اول ہی سے ذہن میں محفوظ رکھنا چاہئے کہ ایک طرف تو رومن کیتھولک ایک لائق و قابل شخص مکسیملین ڈیوک بوریا کے تحت میں مضبوطی کے ساتھ منضبط تھے دوسری طرف پروٹسٹنٹ اپنے قدیمی اختلافات کی وجہ سے اپنے کیلونی رئیس فریڈرک (والئی صوبہ رائن) کو محض تذبذب کے ساتھ مدد دیتے تھے؛

بوہیمیا کے معاملات

یہ دونوں فرقے جنگ کے شروع کرنے کے لئے جس موقع کے منتظر تھے آخر بوہیمیا کے حالات نے وہ موقع مہیا کردیا۔ بوہیمیا کی بادشاہت جس میں سلافی و جرمن قومیں آباد تھیں خاندان ہیپسبرگ کے مقبوضات میں داخل تھی۔ لوتھر کے مذہب نے بوہیمیا میں بھی جڑ پکڑ لی تھی اور ایک مدت کی دار و گیر کے بعد ۱۶۰۹ء میں شہنشاہ رڈلف نے ایک فرمان اس مضمون کا جاری کیا کہ اس مذہب کے ساتھ رواداری برتی جائے مگر رڈلف اور اس کا جانشین متھیاس (۱۶۱۲ - ۱۶۱۹ء) دونوں بوہیمیا کے پروٹسٹنٹوں کے ساتھ اس قسم کی رعایت محض ضرورت سے کرتے تھے اور رواداری کے فرمان کے بعد بھی وہ انھیں ستاتے رہے، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عنان صبر

پروٹسٹینٹوں کے ہاتھ سے جاتی رہی اور ۱۶۱۸ء میں وہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ انھوں نے قصر پریگو پر جو شہنشاہ کے نائبوں کی جائے اقامت تھا حملہ کردیا اور اپنے ستانے والوں کو پکڑ کر بہت بری طرح دریچوں سے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد انھوں نے خود اپنی ایک حکومت قائم کی اور جس جنگ کے لیئے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ برسوں سے انتظار کررہے تھے اس کے لیئے صلائے عام دیدی اور جنگ سی سالہ شروع ہوگئی؛

جنگ سی سالہ کے چار حصے

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ آسانی کی غرض سے جنگ سی سالہ کو چار حصوں میں تقسیم کرکے بیان کیا جائے۔ دور بوہیمیا وپلیٹینیٹ (۱۶۱۸-۱۶۲۳)، دور ڈنمارک (۱۶۲۵-۱۶۲۹)، دور سویڈن (۱۶۳۰-۱۶۳۵) دور فرانس وسویڈن (۱۶۳۵-۱۶۴۸) غالباً اس جنگ کی سب سے زیادہ حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ بوہیمیا کے ایک مقامی تنازع سے شروع ہوکر اس نے تمام یورپ کو اپنے اثر میں لے لیا متذکرۂ بالا تقسیم سے اس کے حلقۂ اثر کی تدریجی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلے یہ جنگ بوہیمیا سے جنوب جرمنی کیطرف بڑھی (جسے بوہیمیا و پلیٹینیٹ کا دور کہتے تھے) پھر آہستہ آہستہ یہ آگ شمال جرمنی اور اس کے قریب ترین ہمسایہ کیطرف چلی (یہ ڈنمارک کا دور ہے) اور آخر الامر اس شعلے نے یکے بعد دیگرے تمام ممالک یورپ کو اپنی لپیٹ میں لیلیا یہاں تک کہ یہ جنگ صرف جرمنی کی کشمکش نہیں رہی بلکہ اولاً اس نے مذہب پروٹسٹنٹ و مذہب کیتھولک کے ایک عام تصادم کی صورت اختیار کی، اس کے بعد یورپ کے جلیل القدر خاندان ہیپسبرگ و بار بن کی حصول فوقیت کی نوعیت میں بدل گئی؛

بوہیمیا وپلیٹینیٹ کا دور۔ پریگو کے باغیوں نے اپنی حکومت کے قایم کرتے ہی پروٹسٹنٹ یونین (اتحاد) سے مدد کی درخواست کی اور جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ پہلی ہی مہم کے دوران میں ناقابل شہنشاہ متھیاس کا انتقال ہوگیا (۱۶۱۹ء) اور ممالک ہیپسبرگ ایک ایسے شخص کی طرف منتقل ہوگئے جو بالکل ہی دوسری طبیعت کا شخص تھا۔ یہ شخص فرڈیننڈ دوم تھا؛

فرڈیننڈ دوم
۱۶۱۹ - ۱۶۳۷

فرڈیننڈ دوم (۱۶۱۹ - ۱۶۳۷) کی پرورش فرقہ جزوٹ کے زیر نگرانی ہوئی تھی اور اس میں رومن کیتھولکوں کی سی تنگدلی و جوش کے ساتھ ہی بہت سے مسیحی اوصاف بھی ایسے موجود تھے جسمیں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ تخت نشین ہوتے ہی اسکی اکثر مملکت نے اسے بادشاہ تسلیم کرلیا اور شہنشاہی انتخاب کنندوں پر خاندان ہپسبرگ کے زمانہ دراز کی فوقیت کا اتنا قوی اثر تھا کہ اگرچہ انتخاب کنندوں میں سات میں سے تین پروٹسٹنٹ تھے مگر ان سب نے اسی کو شہنشاہ منتخب کردیا فرڈیننڈ کو یہ خیال ہوا کہ اتنا کچھ حاصل ہونے کے بعد اب اسے بوہیمیا کے واپس لینے کی کارروائی کرنا چاہئے۔ اس نے کیتھولک لیگ (معاقدہ) سے مدد کی درخواست کی اور اس لیگ کے رئیس میکسیملین والئی بویریا نے بڑی آمادگی کے ساتھ اسے منظور کیا۔

میکسیملین والئی بویریا

میکسیملین اور فرڈیننڈ دونوں نے ایک ساتھ ایک ہی سے جزوٹ اثرات کے تحت میں پرورش پائی تھی اور میکسیملین جو ایک غیر معمولی قابلیت کا شخص تھا ہمیشہ اس امر کا متمنی رہتا تھا کہ وہ روما کیلئے کچھ کرسکے۔ اب بوہیمیا میں جو نئی صورت حالات پیدا ہوگئی اس سے اس خواہش میں بہت اضافہ ہوگیا۔ بوہیمیا کے پروٹسٹنٹوں نے اپنے کو مضبوط کرنے کے لئے حال ہی میں (۱۶۱۹ء میں) صوبۂ رائن کے کاونٹ اور اپنے ''اتحاد'' (یونین) کے رئیس فریڈرک کو شاہ بوہیمیا منتخب کرلیا تھا۔ میکسیملین نے (جو ''معاقدہ'' کا سرگروہ تھا) اپنا یہ فرض سمجھا کہ اپنے رقیب کو اس طرح بے روک اس اعزاز پر فائز نہونے دے۔

جنگ وہائٹ ہل
۱۶۲۰ء

۱۶۲۰ء میں وہ مہم پیش آئی جس نے بوہیمیا کا نیا بادشاہ فریڈرک اپنے کام کے لئے بالکل نااہل ثابت ہوا۔ عین پراگو کے سامنے ''وہایٹ ہل'' کی لڑائی میں شہنشاہ اور ''معاقدہ'' کی متحدہ فوجوں نے باغیوں کی فوج کو بالکل منتشر کردیا۔ خود فریڈرک کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور فرڈیننڈ اور اس کے جزوٹ حامیوں نے

فوراً ہی بوہیمیا پر قبضہ کر کے اسے رومن کیتھولک عقیدے کیطرف باز آنے پر مجبور کر دیا۔

کیتھولکوں نے پلٹینیٹ پر قبضہ کر لیا۔

کیتھولک اگر اپنی اس پہلی کامیابی پر قانع ہو جاتے تو جنگ ختم ہو جاتی، مگر اپنے صلاح کاروں کے اصرار سے مجبور ہو کر شہنشاہ نے یہ منظور کر لیا کہ وہ ایک جدید و وسیع تر مہم کا انتظام کرے۔ اس نے پلیٹنیٹ کے شکست خوردہ کاؤنٹ فریڈرک کو شہنشاہی کی جانب سے مردود و ملعون قرار دیکر میکسیملین کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ اس کے ممالک پر (جو جنوب جرمنی میں رائن سے بوہیمیا تک ایک نامربوط حالت میں پھیلے ہوئے تھے اور پلٹینیٹ کے نام سے موسوم تھے) قبضہ کرے۔ اس زیادتی پر پیروان لوتھر بھی جو ابتک بے پرواہی برت رہے تھے برافروختہ ہو گئے اور اس شہنشاہی حکم کو عمل میں لانیکے قبل میکسیملین کی فوجوں کو بہت سی مہیں سر کرنے کی ضرورت پڑی۔

اس صورتِ حالات سے بقیہ حصص یورپ کو بھی دلچسپی پیدا ہونے لگی۔

اب ایک نیا خطرہ یہ پیدا ہو گیا کہ ایک طرف تمام دنیا کے پروٹسٹنٹوں نے اپنے جرمنی کے ہم مذہبوں کی شکست پر اظہار رنج و تاسف کیا اور دوسری طرف سارے یورپ کے رومن کیتھولکوں نے شہنشاہ کی فتح کو خود اپنی فتح سمجھکر خوشی کے شادیانے بجائے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابھی تک مذہب سب سے زیادہ قوی الاثر تھا۔ پس فریڈرک کی ان مصیبتوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ اُسے غیر ملک کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں کی ہمدردی حاصل ہو گئی خاصکر شاہ انگلستان جیمز اول اس کا زیادہ ہمدرد بن گیا کیونکہ جیمز کی بیٹی الیزبتھ، فریڈرک کے حبالۂ نکاح میں تھی لیکن جن بڑی بڑی سلطنتوں کو فریڈرک سے ہمدردی پیدا ہوی وہ سب اسوقت خود اپنے کسی نہ کسی جھگڑے میں پھنسی ہوی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ جو سلطنت اس معاملے میں کچھ زوردار عملی مداخلت کر سکتی تھی وہ صرف ڈنمارک کی سلطنت تھی۔

جنگ ڈنمارک (۱۶۲۵-۱۶۲۹) ۱۶۲۵ء میں کرسچین چہارم شاہ ڈنمارک نے جرمن

پروٹسٹینٹوں کے سخت ترین فریق کی التجاؤں پر توجہ کی اور ان کا سرگروہ بننا منظور کر لیا۔ اس لئے جنگ کا میدان اب دفعتہً جنوب سے شمال کی طرف منتقل ہو گیا؛

پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فوجوں کا مقابلہ؛

رومن کیتھولکوں کو پھر پوری فتح حاصل ہو گئی کیونکہ وہ پروٹسٹنٹوں کی فوجوں کے مقابل میں دو فوجیں میدان جنگ میں لائے اور ان کی فوجیں ان کے پروٹسٹینٹ حریفوں کی فوجوں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے فائق تھیں۔ ان دونوں فوجوں میں سے پہلی فوج کا سامان کیتھولک لیگ نے کیا تھا اور یہ فوج میدان وہائٹ ہل کے فاتح ٹلی کے زیر کمان تھی۔ دوسری فوج بوہیمیا کے ایک امیر ولنسٹین نامی کی شخصی کوششوں سے حال ہی میں مرتب ہوئی تھی اور ولنسٹین نے اس فوج کو شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا؛

ولنسٹین نے ایک شہنشاہی فوج تیار کر دی؛

ولنسٹین آگے چل کر شہنشاہ کی جانب سے بہت بڑے کام انجام دینے والا تھا اپنے خزانے کے خالی ہو جانے کی وجہ سے شہنشاہ اس وقت فی نفسہ محض "لیگ" کی فوجوں کی مدد سے جنگ کر رہا تھا۔ ولنسٹین نے اب یہ دلیرانہ تجویز پیش کی کہ خود شہنشاہ کے لئے ایک ایسی فوج تیار کی جائے جس کا کچھ بار شہنشاہ پر نہ پڑے۔ اس کی یہ تجویز اس قدر صاف تھی کہ ہر شخص نے اس کا یقین کر لیا یعنی فوج کا خرچ اس طرح چلایا جائے کہ روپے کی امداد لوگوں پر جبراً عائد کی جائے۔ ولنسٹین کی شخصی کشش اور بڑی بڑی تنخواہوں اور غنیمتوں کے وعدے نے بہت جلد اس کے گرد سربازوں کی ایک کثیر تعداد جمع کر دی۔ ان لوگوں کو نہ رومن کیتھولک مذہب کی پرواہ تھی اور نہ پروٹسٹینٹ مذہب سے غرض تھی وہ آنکھ بند کر کے صرف اپنے سردار کی خدمت کرنا چاہتے تھے؛

ولنسٹین اور ٹلی کے فتوحات؛

۱۶۲۶ء میں ٹلی اور ولنسٹین اپنے پروٹسٹنٹ مخالفوں کی فوجوں کو بالکل تہس نہس کر کے ڈنمارک پر حملہ کرنے کیلئے

بڑھے۔ کرسچین نے کچھ زمانے تک اپنی طاقت بھر مدافعت کی مگر آخر اسے ہار ماننا پڑی ۱۶۲۹ء میں اس نے بخوشی صلحنامہ لیوبک پر دستخط کر دیئے جس کے شرائط یہ تھے کہ اس کا ملک اسے واپس ملجائے اور وہ یہ وعدہ کرے کہ آئندہ جرمنی کے معاملات میں دخل نہ دے گا۔

ولنسٹین کے شہنشاہی تجاویز

لیوبک کے صلحنامہ پر ابھی دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ ولنسٹین نے تمام شمال جرمنی کو (جہاں پروٹسٹنٹ اثر غالب تھا) اپنی فوجوں سے بھر دیا۔ اس کی حیرت انگیز طبیعت کسی اور ہی وسیع و نازک تجویز کے پخت و پز میں لگی ہوی تھی جس کا ماحصل یہ تھا کہ والیان ملک کی مقامی طاقتوں کو برباد کر کے شہنشاہ کے تحت میں متحدہ جرمنی کی ایک زبردست سلطنت قائم کر دیجائے اور اس کے پس پردہ وہ خود کام کرتا رہے۔ اس کی کامیابی میں کہیں سے کوئی رخنہ نہیں پڑا یہاں تک کہ وہ بحر بالٹک کے بندرگاہ اسٹرالسنڈ پر پہنچ گیا۔ اس شہر کے نسبت اس نے غصے میں آکر یہ قسم کھائی تھی کہ اگر وہ لوہے کی زنجیروں سے آسمان سے بھی جکڑا ہوگا تب بھی اس پر قبضہ کر کے رہے گا، مگر وہ اس شہر پر قبضہ نہ کر سکا اور مجبوراً اسے پسپا ہونا پڑا۔ اس شہر نے اپنی مدافعت ضرور کی مگر اس کے ساتھ ہی اس کے بچ جانے کا سبب یہ بھی تھا کہ گسٹیوس اڈلفس (شاہ سویڈن) در پردہ اسے سامان رسد بہم پہنچا رہا تھا۔ یہ بادشاہ کچھ دنوں سے جنگ جرمنی میں مداخلت کرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا مگر اس میں اس وجہ سے تاخیر ہو رہی تھی کہ پولینڈ کے ساتھ اس کی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ جب اس جنگ کو فتح کر کے وہ بذات خاص جرمنی میں آنے کی تیاری کر رہا تھا تو کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اس کے منصوبوں کے عملدرآمد میں بہت آسانی پیدا ہو گئی۔

فرمان استرداد ۱۶۲۹ء

اسٹرالسنڈ کی رکاوٹ کے باوجود ۱۶۲۹ء میں رومن کیتھولکوں کی کامیابیاں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھیں۔

صلح لیوبیک نے ڈنمارک کو اس جدوجہد سے خارج کر دیا تھا۔ جرمنی کے تمام عرض و طول میں کوئی فوج ایسی نہ تھی جو شہنشاہ کا مقابلہ کر سکتی اور ولنسٹین اور ٹلی شمال و جنوب کو ہر طرح پر روکے ہوئے تھے۔ اس شاندار موقع سے فرڈیننڈ دوم کے دل میں یہ طمع پیدا ہوئی کہ پروٹسٹینٹ مذہب پر ایک کاری ضرب لگانا چاہئے چنانچہ ۱۶۲۹ء میں اس نے "فرمان استرداد" شایع کر دیا، جس میں پروٹسٹینٹوں کو یہ حکم دیا تھا کہ صلح آکسبرگ (۱۵۵۵ء) کے بعد سے کلیسا کی جسقدر زمینیں ان کے قبضے میں آئی ہیں وہ واپس کر دیں۔ چونکہ اسکا اثر دو ابرشیات عظمیٰ، ۱۲ نوابرشبوں اور بہت سی خانقاہوں پر پڑتا تھا بس اس سے جرمنی کی زمین کا ایک بہت بڑا حصہ متاثر ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ سست و کاہل پیروان لوتھر بھی اس جوش عام کے گرداب میں پھنس گئے، کچھ دیر کے لئے تمام اختلافات فراموش کر دیئے گئے اور وہ مضبوطی کے ساتھ متفق ہو کر اس مخالفت کے دوبارہ زندہ کرنے پر آمادہ ہو گئے جو کیتھولکوں کی کامیابی کے بحر مواج کے سامنے شکست ہو گئی تھی:

ولنسٹین کی برطرفی

پروٹسٹینٹوں کی خوش قسمتی سے شہنشاہ نے ایک دوسری کارروائی ایسی کی جس سے خود اس کے کاموں میں خرابی واقع ہو گئی۔ ولنسٹین کی وحشیانہ جنگ جوئی اور سب سے بڑھ کر اس کی شہنشاہی حکمت عملی نے (جس نے رومن کیتھولک و پروٹسٹینٹ دونوں مذہب کے والیانِ ملک کو گرداب بلا میں پھنسا دیا تھا) سب کو اس سے متنفر کر دیا تھا۔ پس ۱۶۳۰ء میں "ریٹسبان (واقع رجنسبرگ) کی ڈائٹ" میں انھوں نے بہت شدت کے ساتھ اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ شہنشاہ کچھ دیر تک متردد رہا مگر آخر اس مطالبہ کو منظور کر لیا اور ولنسٹین کو عین اسی موقع پر اپنی فوج سے علحدہ ہونا پڑا جب فرڈیننڈ کے مقابلہ میں بدترین سامان جمع ہو رہا تھا:

گسٹوس اڈالفس کے اس میدان میں آنے کے وجوہ

جنگ سویڈن کا دور (۱۶۳۰-۱۶۳۵) ولنسٹین کی علحدگی تقریباً اسی وقت واقع ہوئی جب اہل سویڈن کی فوج

گسٹیوس اڈلفس کے تحت میں جرمنی میں اتری ہے۔ شاہ سویڈن کے معاملات جرمنی میں اس طرح دخل دینے سے اس کا منشا کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اغراض بھی نہایت آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے ذاتی اغراض اس جنگ کے محرک تھے۔ سویڈن بحر بالٹک کی سلطنت تھی اور کچھ دنوں سے وہ اس فکر میں تھی کہ بحر بالٹک کو وہ "سویڈن کی خلیج" بنالے۔ روس و پولینڈ کے خلاف گسٹیوس اڈلفس جو لڑائیاں لڑا اُن کا منشا بھی اسی بلند حوصلہ خیال کا پورا کرنا تھا، اور عملی طور پر اس نے سویڈن کے لئے پرشیا تک بحر بالٹک کا تمام ساحل محفوظ کر لیا تھا۔ ولنسٹین نے جب یہ کوشش کی کہ شمالی ساحل پر شہنشاہ کی قوت کو مستحکم کر دے تو اس سے بالیقین ایک سویڈنی محب وطن کے دل میں خطرات کا خیال پیدا ہوا ہوگا اور ولنسٹین کی کامیابیوں سے خائف ہو کر رفتہ رفتہ گسٹیوس کو یہ یقین ہو گیا ہوگا کہ اس کی سلطنت کی سلامتی اس میں ہے کہ خاندان ہیپسبرگ کو شکست ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایک پرجوش پروٹسٹینٹ تھا اور جس مقصد کو وہ عزیز رکھتا تھا اس کے لئے جنگ کرنے کے لئے بھی آمادہ تھا۔ بعض مورخوں کی یہ کوشش بالکل فضول تھی کہ ریاضی کے اصول پر اس امر کی صحیح صحیح پیمائش کی جائے کہ اس میں سے کونسا خیال اس کے دل میں غالب تھا۔ گسٹیوس کے ایسے قابل اشخاص جنہیں بلند خیالی کے ساتھ ضرورت وقت اور واقعات نفس الامر کی قوت کے احساس کا اجتماع ہوتا ہے وہ ہمیشہ اپنے کاموں میں ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جو مختلف خیالات میں توازن کو لئے ہوئے ایک درمیانی روش پر حاوی ہوتا ہے۔ بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو گسٹیوس اس جدوجہد کے دم آخر میں ایک فرشتۂ رحمت کی طرح آپڑا اور فوراً ہی صورت حالات میں ایسی وسعت ہو گئی کہ دونوں مذہبی فرقوں میں جو وحشیانہ جدوجہد جاری تھی کچھ دیر کے لئے اس کی سطح بلند ہو گئی۔

جرمنی کے والیان ملک کی روش ۱۶۳۰ء

جرمنی میں اترنے کے بعد گسٹیوس نے یہ کوشش کی کہ پروٹسٹنٹ والیان ملک سے اتحاد پیدا کرلے انھوں نے بھی اس کی مدد کو غنیمت سمجھا مگر جرمنی کو ایک غیر ملکی شخص کے ہاتھ میں دیدینے میں انھیں جائز طور پر تامل ہوا۔ گسٹیوس ابھی ان والیان ملک سے مراسلت ہی کر رہا تھا کہ ایک دوسری جانب سے اسے مدد حاصل ہوگئی، رشلو نے اب ہیوگیناٹوں پر پورا قابو حاصل کرلیا تھا (کیونکہ ۱۶۲۸ء میں لاروشیل مسخر ہوچکا تھا) اور گسٹیوس کی طرح وہ بھی اس امر پر آمادہ تھا کہ خاندان ہیپسبرگ کے خلاف پرزور کارروائی کرے۔ ان حالات میں یہ امر بعید از قیاس نہیں تھا کہ فرانس و سوئڈن آپس میں اتحاد قائم کرلیں چنانچہ ۱۶۳۱ء میں یہ اتحاد مکمل ہوگیا اور اس کے بعد سے جنگ کی روش کا مدار اسی اتحاد پر آرہا، لیکن سردست فرانس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ سوئڈن کو روپے سے مدد دے۔

میگڈبرگ کی ناراضی ۱۶۳۱ء

اس تمام زمانے میں گسٹیوس پروٹسٹنٹ والیان ملک کی شرکت کے انتظار میں شمال میں ٹھیرا رہا۔ یہ والیان ملک ابھی مذبذب ہی میں پڑے ہوئے تھے کہ ور لیگ" کی فوج نے (۱۶۳۱ء میں) ٹلی کے تحت میں پروٹسٹنٹ کے پروٹسٹنٹوں کے بہت بڑے شہر میگڈبرگ پر قبضہ کرلیا اور اسے لوٹ کر بالکل تباہ و تاراج کردیا۔ اس تباہی عام میں سپاہیوں نے بیس ہزار باشندوں کو قتل کر ڈالا۔ شہنشاہ کی طرف سے برابر دست درازیاں جاری تھیں اور اس کی وجہ سے برہمی پہلے سے موجود تھی۔ اس قتل عام نے اس برہمی میں اور اضافہ کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پروٹسٹنٹ والیان ملک اور بالخصوص جرمنی کا سب سے بڑا حکمران (یعنی والئ سیکسنی) سب کے سب شاہ سوئڈن کی طرف ہوگئے۔ والئے سیکسنی کا ایسا مقتدر شخص جب گسٹیوس کا حلیف بن گیا تو اب اس کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ ٹلی کے مقابلے کے لئے جنوب کی طرف بڑھے اور اپنے پس پشت اسے کسی قسم کی

جنگ برٹینفلڈ ۱۶۳۱ء

شورش کا اندیشہ نہ رہے۔ لپزگ کے قریب مقام برٹینفلڈ میں ایک بہت بڑی جنگ واقع ہوئی جس میں شاہ سوئیڈن نے اپنے کمال سپہ رانی اور اپنی فوج کے انضباط کی وجہ سے ٹلی کی آزمودہ کار سپاہ کو شکست دیکر تمام دنیا کو

گسٹیوس جرمنی کے پروٹسٹنٹوں کا ہیرو بن جاتا ہے

حیرت میں ڈال دیا (ستمبر ۱۶۳۱ء)۔ برٹینفلڈ کی فتح سے تمام جرمنی، گسٹیوس کے قدموں کے نیچے تھی۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز تغیر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ایک برس پہلے تک ملک کی باگ رومن کیتھولکوں کے ہاتھ میں تھی مگر اب ان کی حالت ویسی ہی ردی ہوگئی جیسی اس سے قبل پروٹسٹنٹوں کی تھی پروٹسٹنٹ جنھیں گسٹیوس نے مصیبتوں سے نجات دلائی تھی وہ ہر جگہ اس کا خیر مقدم بے انتہا جوش مسرت کے ساتھ کرتے تھے اور اس وجہ سے وہ بغیر کسی قسم کی مخالفت کے جرمنی سے گزرتا ہوا رائن تک پہنچ گیا۔

ولنسٹین کا امداد کیلئے آنا

موسم بہار میں گسٹیوس نے پھر میدان میں قدم بڑھایا اور اب کے اس نے میکسملین و فرڈیننڈ کے دارالسلطنت میونچ و وائنا پر براہ راست حملہ کرنا چاہا۔ میونچ اس کے قبضے میں آگیا اور معلوم ہوتا تھا کہ وائنا کی قسمت پر بھی مہر لگ چکی ہے مگر اس اندوہناک مصیبت کے وقت فرڈیننڈ کو پھر ولنسٹین کی یاد آئی اور وہ اس سے مدد کا خواستگار ہوا۔ یہ سپہ سالار اپنی برطرفی کے وقت سے اپنی جاگیر میں پڑا ہوا تھا۔ جب فرڈیننڈ کا ایلچی طلب امداد کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے بے پروائی کا اظہار کیا مگر آخر زیادہ خوشامد سے وہ ایسے شرائط کے ساتھ ایک فوج جمع کرنے پر آمادہ ہوگیا جس سے عملی طور پر اس کی سپہ سالاری کو بالکل آزادانہ حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس نے جب اپنا جھنڈا بلند کیا تو اس کے پرانے کار آزمودہ سپاہی اپنے اس عزیز سردار کے علم کے نیچے جمع ہوگئے۔

جنگ لٹزن
نومبر ۱۶۳۲ء

۱۶۳۲ء کے موسم گرما میں اس زمانے کے دو سب سے بڑے سپہ سالار ولنسٹین اور گسٹیوس ایک دوسرے کے بالمقابل میدان میں آ گئے۔ نیورمبرگ کے گرد کچھ دنوں کی بیکار چالوں کے بعد (جس میں ولنسٹین کو کسیقدر بہتر موقع حاصل ہو گیا) دونوں فوجیں آخری جنگ آزمائی کے لیئے نومبر میں لیپزگ کے قریب مقام لٹزن پر ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ اس روز فوجوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی۔ اہل سوئڈن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی اور ان کے مقابلے میں اسیقدر شہنشاہی فوج بھی تھی۔ سوئڈن کی فوج جب گھٹنوں کے بل دعا کے لیئے جھکی اور قرنا نوازوں نے لوتھر کا یہ نغمہ بجایا کہ "وہ ہمارا زبردست قلعہ ہمارا خدا ہے"، تو گسٹیوس نے حملے کا حکم دیدیا۔ مقابلہ بہت طویل و سخت ہوا مگر میدان اہل سوئڈن کے ہاتھ رہا لیکن یہ فتح انھیں بڑی گران قیمت پر حاصل ہوئی۔ سواروں کے ایک حملے میں گسٹیوس اپنے جوش تہور میں دشمن کی صفوں میں اسقدر دور نکل گیا کہ ان کے اندر گھر کر رہگیا اور قتل ہو گیا۔

اہل سوئڈن کو بمقام نارڈلنجن شکست ہو گئی ۱۶۳۴ء

گسٹیوس کے جن مددگاروں نے اس کے زیر نظر تعلیم پائی تھی اور اب وہ چانسلر اکسنسٹرن کی ہدایت کے مطابق (جو گسٹیوس کی خوردسال لڑکی ملکہ کرسٹینا کی نیابت کر رہا تھا) کام کر رہے تھے انھوں نے اپنے حاصل کردہ مفاد کو چند برسوں تک قائم رکھنے کی کوشش کی مگر ۱۶۳۴ء میں شہنشاہ کے بیٹے فرڈینینڈ (اصغر) کے تحت میں شہنشاہی افواج سے بمقام نارڈلنجن شکست اٹھانا پڑی اور وہ جنوبی جرمنی کو خالی کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ ولنسٹین اس وقت شہنشاہی فوج کا سرگروہ نہیں رہا تھا۔ اس پر غداری کا شک ہو گیا تھا اور فروری ۱۶۳۴ء میں سازشیوں کے ایک گروہ نے اسے قتل کر ڈالا۔

اب اس نازک موقع پر فرانس اس جنگ میں داخل ہوا ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ گسٹیوس جب جرمنی میں اترا ہے اسوقت رشلو نے اس سے ایک معاہدہ	رشلو کا اس جنگ میں دخل دینا

کیا تھا جو صرف مالی امداد تک محدود تھا لیکن جب جنگ نارڈلنجن نے یہ فیصلہ کر دیا کہ سوئڈن اپنے بادشاہ کے بغیر کسیطرح شہنشاہ کا مقابل نہیں ہوسکتا تو پھر رشلو نے خاندان ہیپسبرگ کے خلاف خود ہی زیادہ پر زور کارروائیاں کرنے کا ارادہ کر لیا اور ۱۶۳۵ء میں اس نے اس خاندان کی دونوں شاخوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

فرانس و سوئڈن کا دور (۱۶۳۵ء-۱۶۴۸ء)۔ اسوقت سے اس جنگ نے یہ صورت اختیار کی کہ ایک طرف	نوعیت جنگ کا تغیر

خاندان باربن تھا جو جرمنی میں سوئڈن کا اور نیدرلینڈز میں اہل ہالینڈ کا شریک و معاون تھا اور دوسری طرف خاندان ہیپسبرگ کی اسپینی و آسٹروی دونوں شاخیں تھیں۔ اس طرح یہ جنگ ان دونوں سربرآوردہ خاندانوں کی معرکہ آرائی بن گئی۔ دونوں خاندان یہ چاہتے تھے کہ یورپ میں انھیں سب پر تقدم حاصل ہو جائے اور اس وجہ سے وہی مقامات ان کے میدان کارزار بن گئے جہاں ان کے اغراض میں تصادم ہوتا تھا۔ یہ مقامات نیدرلینڈز، اطالیہ اور جرمنی تھے، پروٹسٹنٹ والیان ملک اس ہمہ گیر جنگ میں بالکل پاشتیے معلوم ہوتے تھے اور روز بروز وہ نظروں سے اوجھل ہوتے جاتے تھے جنگ کا جاری رہنا اب ان کے مفاد و اغراض کیوجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رشلو نے یہ عزم کر لیا تھا کہ خاندان ہیپسبرگ کو دنیا میں نیچا دکھائے اور وہ اسوقت تک ہٹتا نہیں چاہتا تھا جب تک کہ فرانس و سوئڈن، جرمنی میں مضبوطی کے ساتھ قائم نہو جائیں۔

پس جنگ کی اس آخری منزل کی مہمات کی صورت یہ تھی کہ ایک طرف رائن کیجانب سے فرانس جنوب جرمنی	فرانس و سوئڈن کا حملہ

میں داخل ہونے کی لگاتار کوشش کر رہا تھا دوسری طرف سوئڈن بحر بالٹک کیطرف سے جنوب کو بڑھتا آ رہا تھا شہنشاہ کو اسپین سے روپے کی مدد ملتی تھی مگر فوج کی مدد بہت کم ملتی تھی (کیونکہ اسپین خود اپنی انتہائی قوت تک ندرلینڈز اور اطالیہ میں مشغول پیکار تھا) شہنشاہ سے جہانتک ہوسکتا تھا وہ مقاومت کر رہا تھا لیکن اہل جرمنی زیادہ تر بے پرواہ ہوگئے تھے کیونکہ اس طویل جنگ سے ان کی جان پر بن آئی تھی اور وہ اس امر کے سمجھنے سے قاصر تھے کہ اب اس جنگ کا حاصل کیا ہے۔ پس ان حالات میں خاصکر جبکہ ٹیورین اور شہزادہ کانڈی کے ایسے آزمودہ کار سپہ سالار فرانسیسی فوج کی رہبری کرنے لگے تھے شہنشاہ کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وہ برابر پیچھے ہٹتا جائے۔ ان ایام میں آگ اور تلوار نے تمام جرمنی کو تباہ و برباد کر دیا تھا شہروں کا زوال ہوتا جاتا تھا اور

جرمنی کی طولانی مصیبت

کاشتکار دیہاتوں کو چھوڑ چھوڑ کر فرار ہوتے جاتے تھے جب لوگوں کو یہ یقین ہوگیا کہ جو کچھ وہ محنت و مشقت سے پیدا کرینگے وہ سب غارت گروں کے ہاتھ پڑیگا تو پھر کام کرنے کی کسے پرواہ تھی۔ لوگ سست و بیکار ہوگئے اور وہ یا سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے یا فاقہ کشی اور مرض سے جان دیتے تھے۔ صرف ایک کام ایسا باقی رہگیا تھا جس میں امن بھی تھا، اور جس سے گزر اوقات بھی ہوسکتی تھی اور وہ کام سپاہی بن جانا تھا، مگر سپاہی کے معنی قزاق و قاتل کے تھے پس فوجیں اب محض لوٹ مار کے غول بن گئی تھیں۔ وہ تمام ملک میں طوفان برپا کر رہی تھیں اور فاقہ کش شاگرد پیشوں کا ایک جم غفیر ان کے ساتھ جمع رہتا تھا ان میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے تھے اور یہ لوگ محض اس خیال سے گھروں سے نکلکر فوج کے ساتھ ہو جاتے تھے کہ اس طرح کھانے کا کچھ سہارا ہو جائے گا۔ آخر الامر شکست پر شکست کھاتے کھاتے شہنشاہ کو صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا پڑی۔ اس جنگ کی ابتدا فرڈینینڈ دوم نے کی تھی اور اب اس تباہی عام کا خاتمہ اس کے فرزند و جانشین فرڈینینڈ سوم (۱۶۳۷-۱۶۵۷) کو اس طرح کرنا پڑا

کہ بہت پریشان کن گفت وشنود کے بعد اس نے (۱۶۴۸ء میں) اپنے تمام دشمنوں کے ساتھ اس صلحنامے پر دستخط کر دیئے جو صلح وسٹ فیلیا کے نام سے موسوم ہے۔

صلح وسٹ فیلیا کے خاص خاص عنوان

وسٹ فیلیا کی صلح میں جسقدر مختلف مسائل زیر بحث آئے ہیں ان کے اعتبار سے یہ صلحنامہ تاریخ کی ایک نہایت ہی اہم تحریر بن گیا ہے۔ اولاً یہ کہ شہنشاہ کے مقابلے میں فرانس و سوئیڈن کے فتوحات کی وجہ سے ان سلطنتوں کو ارضی معاوضہ دیدیا گیا۔ دوسرے یہ کہ مذہب پروٹسٹنٹ اور مذہب کیتھولک کے درمیان مصالحت کی ایک نئی بنیاد قائم کی گئی۔ تیسرے یہ کہ اس نے اس امر کا اختیار دیا کہ سیاسی طور پر جرمنی کے حدود ممالک از سر نو طے کئے جائیں۔ ان تمام عنوانوں پر علیٰحدہ علیٰحدہ غور ہونا چاہیئے۔

سوئیڈن و فرانس کو ممالک کی حوالگی

پہلے امر کے متعلق یہ ہوا کہ سوئیڈن کو پومیرنیا کا نصف حصہ اور بریمن و ورڈن کی اسقفیاں ملگئیں۔ ان مقبوضات کیوجہ سے اسے جرمنی کے دریا ہائے اوڈر، الپی و وسر پر قابو حاصل ہوگیا۔ فرانس نے ۱۵۵۲ء میں ہنری دوم کے عہد میں مز ٹول اور ورڈن کے اسقفیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسے اب تسلیم کر لیا گیا اور شہر اسٹراسبرگ اور چند معمولی اضلاع کو مستثنیٰ کر کے صوبہ آلسیس بھی اسے دیدیا گیا۔

مذہبی قرارداد

دوسرے عنوان کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگسبرگ کے صلحنامے کی تصدیق کی گئی اور پیروان لوتھر کے لیئے جو رواداری منظور ہوئی تھی وہی رواداری پیروان کیلون کے لیئے بھی جائز رکھی گئی۔ "فرمان استرداد" کے موافق جن اسقفیوں کو کیتھولک قرار دیا گیا تھا ان کے بارے میں پروٹسٹنٹوں کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یکم جنوری ۱۶۲۴ء کا دن، امتحان کا دن قرار دیا گیا اور اتفاق باہمی سے یہ طے ہوا کہ جو علاقے اس تاریخ کو پروٹسٹنٹ رہے ہوں وہ بدستور پروٹسٹنٹ رہیں اور جو علاقے کیتھولک رہے ہوں وہ کیتھولک رہیں۔

جرمنی کی برہمزدگی

تیسرے عنوان کے تحت میں ان مختلف سیاسی و ارضی تغیرات کا دکھانا ہے جو جرمنی کے حدود کے اندر واقع ہوئے سب سے مقدم تغیر یہ ہوا کہ والیان ملک کو بہت سے نئے شاہی حقوق دیئے گئے۔ ازاں جملہ یہ کہ وہ خود آپس میں اور غیر ممالک سے اتحاد کرسکتے تھے۔ اس سے جرمنی کی مرکزی قوت کی شکست بالکل مکمل ہوگئی اور "قانونی حیثیت" سے ہر ریاست بالکل ہی خود مختار ہوگئی۔ مزید براں والئی برینڈنبرگ کی مملکت میں اضافہ ہوگیا جس سے وہ نہ صرف پروٹسٹنٹ والیان ملک میں سب سے بڑا شخص ہوگیا بلکہ تمام جرمنی میں شہنشاہ کے بعد اسی کا درجہ قرار پاگیا۔ اس وسعت کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آگے چلکر

برنیڈبزگ کی ترقی

برنیڈنبرگ پرشیا کی شاہی حیثیت پیدا کرکے آسٹریا کا رقیب و فاتح بن جائے اور آخر جرمنی کے اس سیاسی اتحاد کو پھر قائم کردے جسے صلح وسٹ فیلیا نے شکست کردیا تھا۔ آخر میں سب سے عجیب تر کارروائی یہ ہوئی کہ سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ یعنی

سوئزرلینڈ وندرلینڈز

ندرلینڈز (ہفت صوبجات متحدہ) جو کسی وقت میں شہنشاہی کے جزو تھے اور ایک مدت سے عملی حیثیت سے خود مختار ہوگئے تھے اب ان کے متعلق باضابطہ طور پر یہ اعلان کردیا کہ ان کو شہنشاہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تمام یورپ کے اعتبار سے صلح وسٹ فیلیا کی ایک امتیازی نوعیت یہ بھی تھی کہ اس نے اسقدر بین الاقوامی معاملات طے کیئے کہ ایک حدتک وہ یورپ کا نظام سلطنت بنگئی اور عملی طور پر انقلاب فرانس کے وقت تک اسی پر یورپ کے قانون عامہ کی بنیاد قائم رہی۔ تہذیب و تمدن کے مراحل میں ہم اس صلح کو ایک انقلابی نقطہ قرار دیسکتے ہیں۔ لوتھر کے وقت سے یورپ کی خاص توجہ مذہب کیطرف منعطف رہی ہے۔ یورپ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو متحارب مذہبوں میں منقسم ہوگیا تھا اور یہ دونوں مذہب اپنی پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کررہے تھے۔ دونوں فریق

کو رفتہ رفتہ جس امر کا تجربہ ہو گیا تھا اسے انھوں نے صلح وسٹ فیلیا میں حوالۂ قلم کردیا یعنی اس قسم کی جنگ و جدل بالکل بیکار ہے اور بہتر یہ ہوگا کہ ایک دوسرے کے ساتھ آشتی کا برتاؤ کریں۔ لوگوں کی طبیعتوں میں از خود زیادہ رواداری پیدا ہوتی جاتی تھی خواہ قوانین اس کے موافق نہ بھی رہے ہوں اور سب کچھ کہنے کے بعد آخر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہی سب سے زیادہ قابل اطمینان ترقی ہے۔ سترھویں صدی کے وسط میں اہل یورپ کی طبیعتوں میں جو ترقی ہو گئی تھی اس کا بہترین ثبوت یہی ہے کہ اس صلح نامے پر واقعی طور پر عملدرآمد ہو سکا۔ اس موقع پر جو رواداری منظور ہوئی وہ مثل قدیم، عام افراد کے لیئے نہیں بلکہ والیان ملک کے لیئے مخصوص تھی اور اس کے لیئے وہی مشہور اصول استعمال کیا گیا تھا کہ جو شخص ملک پر حکومت کرتا ہے وہ اس کے مذہب کا بھی تصفیہ کر سکتا ہے لیکن اس کے بعد سے مذہبی عقائد کی بنا پر افراد سے تعرض اور ان پر سختی کرنا عام اصول میں نہیں بلکہ مستثنیات میں داخل تھا۔ یہ کہنا تو مبالغے میں داخل ہوگا کہ تمام بنی نوع انسان کے لیئے رواداری کی فتح حاصل کر لی گئی تھی یا یہ کہ دنیا میں مذہبی تنازعات بند ہو گئے تھے مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ صلح وسٹ فیلیا کے بعد سے اعلیٰ و تعلیم یافتہ طبقات میں رواداری کا احساس مسلم ہو گیا تھا۔ آئندہ کے ڈیڑھ سو برس میں یہ اصول بہت سے شریف النفس صاحبان علم و ہنر کی محنت سے نظام معاشرت کے ادنیٰ طبقات میں بھی سرایت کرتا گیا اور آخر انقلاب فرانس کے دور میں تمام بنی نوع انسان کی ملک بن گیا۔

جزو دوم

دور مطلق العنانی وجدال خاندانہائے شاہی

از صلح وسٹ فیلیا تا انقلاب فرانس (۱۶۴۸-۱۷۸۹)

ناظرین کو دوبارہ متنبہ کردینا ضروری ہے کہ ازمنہ جدیدہ کے جو حصے قائم کیئے گئے ہیں وہ بالکل فرضی ہیں اور محض آسانی اور توضیح وتشریح کی ضرورت سے ایسا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جزو اول کی طرح یہ جزو دوم بھی ایک مخصوص مبحث پر حاوی ہے جسے موسیقی کی اصطلاح میں یوں کہنا چاہیئے کہ اُس کی ایک خاص لے ہے۔ منشا یہ ہے کہ صلح وسٹ فیلیا (۱۶۴۸) اور انقلاب فرانس (۱۷۸۹) کے درمیان ڈیڑھ سو برس کا جو زمانہ گزرا ہے اس تمام دوران میں یورپ پر حکومت کا وہ خاص طریق حاوی و مسلط رہا ہے جسے مطلق العنانی کہتے ہیں اور اس تمام زمانے میں یورپ میں مختلف حکمران خاندانوں کی ان لڑائیوں نے تہلکہ ڈال رکھا تھا جن کا سبب خودغرضی اور توسیع سلطنت کی حرص کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مگر اس خیال کو ایک مرتبہ ذہن نشین کرلینے کے بعد ناظرین کو یہ بھی اچھی طرح ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ اس دور زیر بحث کے قبل یا بعد مطلق العنانی یا توسیع سلطنت کی حرص و آز کا وجود نہیں تھا۔ تھا اور ضرور تھا۔ ان تمہیدی الفاظ کی غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں یہ دونوں قوی الارتباط میلان معاملات عامہ میں اس قدر نمایاں ومقدم رہے ہوں ٭

باب (۲۵)

سترھویں صدی میں انگلستان کی حالت شاہان اسٹوارٹ، پیوریٹنی انقلاب اور ولیم سوم کے تحت میں آئینی بادشاہت کا قیام

جیمز اول کا عہد حکومت

(۱۶۰۳ - ۱۶۲۵)

جیمز برطانیہ عظمیٰ کا پہلا بادشاہ

الیزبتھ کے انتقال کے بعد میری اسٹوارٹ کا بیٹا جیمز اول اس کا جانشین ہوا اور سلسلۂ وراثت میں الیزبتھ کے بعد اسی کا درجہ تھا۔ اسکاٹلینڈ کا بادشاہ وہ پہلے ہی سے تھا، پس اس طرح اس کی ذات سے دونوں سلطنتیں جنھیں برطانیہ عظمیٰ کہتے ہیں پہلی مرتبہ ایک بادشاہ کے تحت اقتدار میں متحد ہو گئیں۔ لیکن یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جیمز کی تخت نشینی سے انگلستان و اسکاٹلینڈ میں جو اتحاد قائم ہوا وہ سردست محض بادشاہ کی ذات واحد تک محدود تھا یعنی جیمز کے تخت انگلستان پر متمکن ہونے سے دونوں ملکوں کا بادشاہ ایک ہو گیا، مگر ہنوز دونوں ملکوں کے قوانین

وتنظیمات میں اشتراک نہیں پیدا ہوا تھا؛

جیمز کے عادات واخلاق

یہ ایک بدقسمتی تھی کہ جس زمانے میں بادشاہ کے عادات واخلاق کا حکومت پر اس قدر اثر پڑ رہا تھا، اسی زمانے میں جیمز سا شخص تخت نشین ہوا۔ اس کا جسم اسقدر بے ڈول تھا کہ دیکھکر ہنسی آتی تھی۔ اس کی طبیعت سے عزم واستقلال بالکل مفقود تھے۔ اس کے علمی معلومات ضرور وسیع تھے مگر جن حالات میں وہ گھرا ہوا تھا ان میں یہ معلومات اسے کچھ فائدہ تو پہنچا سکتے تھے اور اپنے شاہی منصب کے متعلق اس کے خیالات جس انتہائی حد کو پہنچے ہوئے تھے، ان کی مضرت لازمی تھی۔ اس منصب کے متعلق وہ باصرار تمام اس یقین پر جما ہوا تھا کہ یہ منصب اسے من جانب اللہ عطا ہوا ہے اور اس کے اختیارات اس قدر وسیع ہیں جو اسے عملاً مطلق العنان بنا دینے کے لئے کافی ہیں؛

سلطنت کی حالت کا اسکے مفید مطلب ہونا؛

جیمز کی تخت نشینی نہایت ہی موزوں وقت میں واقع ہوئی اسپینی آرمیڈا کی شکست (۱۵۸۸) نے بیرون ملک میں انگلستان کی دھاک بٹھادی تھی، اور خود اندرون ملک کی حالت یہ تھی کہ رومن کیتھولک فریق برابر گھٹا جا رہا تھا۔ انگلیکن کلیسا نے الزبیتھ کے دور حکومت میں قوت حاصل کر لی تھی اور ۱۵۵۹ء کے قوانین تفوق مذہبی واتحاد عبادت کے بموجب اب وہی ایک کلیسا تھا جو قانوناً مسلم سمجھا جاتا تھا۔ کلیسا کا پیوریٹنی فریق جو کیلون کے خیالات کی طرف مائل تھا، کسی نہج سے زیادتی وتعدی پر آمادہ نہ تھا اور ان کے ساتھ کچھ مراعات کر کے اُن کا راضی کر لینا ممکن تھا، مراعات میں بھی صرف اتنی ضرورت تھی کہ عبا کے استعمال، عبادت میں گھٹنوں کے بل جھکنے اور اسی طرح کے کچھ اور ظاہری دستوروں میں جن سے وہ متنفر تھے، ترمیم کر دی جاتی۔ سوال یہ تھا کہ آیا جیمز میں اتنی وسیع النظری موجود تھی یا نہیں کہ وہ اس مسئلے کے حل کرنے میں اقتضائے وقت پر کاربند ہو سکے؛

جیمز نے پیوریٹنوں کے خیالات میں کشیدگی پیدا کر دی؛

جیمز اپنی تخت نشینی کے تھوڑے ہی زمانہ بعد ۱۶۰۴ء میں

ہیمپٹن کورٹ کی مجلس مستشار میں پیوریٹنوں سے ملا اور بڑی سختی کے ساتھ ان پر حکومت اساقفہ کے دشمن ہونے کا الزام لگایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ وہ بذات خاص حکومت اساقفہ کے طریق سے کلیتاً متفق و متحد ہے لیکن پیوریٹنوں کے خلاف بادشاہ کے یہ اعتراضات سچائی سے بہت دور تھے۔ اس پر یہ خیال کر لینا چاہیے کہ اس وقت کے پیوریٹن انقلاب کے خواہاں نہیں تھے، وہ کلیسائے انگلستان اور حکومت اساقفہ کے اصول کو تسلیم کرتے تھے، وہ صرف چند قیود کے رفع ہو جانے کے خواہاں تھے اور یہ قیود بھی زیادہ تر غیر اہم رسومات سے متعلق تھے۔ پس بادشاہ کا یہ فعل نہایت ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھا کہ اس نے پیوریٹنوں کی اس مجلس مستشار کو خشونت کے ساتھ برطرف کر دیا اور تھوڑے ہی زمانے بعد یہ حکم دیدیا کہ جو پادری انگلیکن طریق عبادت کے خفیف سے خفیف جزئیات تک سے بھی اتفاق کرنے سے انکار کریں وہ اپنی جگھوں سے ہٹا دیئے جائیں اور ان کے وظیفے بند کر دیئے جائیں۔

بارود والی سازش

ادھر جیمز کی تخت نشینی سے رومن کیتھولک فرقہ کو بھی یہ توقع تھی کہ ان کی حالت بہتر ہو جائے گی، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے بوجھ میں کچھ کمی نہیں ہوتی تو ان میں سے بعض منچلے اشخاص انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ تجویز قرار دی کہ ایک ہی زبردست وار ایسا کیا جائے جس سے انگلستان کی کل حکومت کا خاتمہ ہو جائے، یعنی بادشاہ، امرا اور دار العوام سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں۔ انھوں نے ایوان پارلیمنٹ کے نیچے کی کوٹھڑیوں کے اندر پیپوں میں بارود بھر بھر کر رکھ دی، اور اپنے ہیبتناک جرم کے ارتکاب کے لیئے ۵ نومبر ۱۶۰۵ء کی تاریخ مقرر کی جس روز کہ بادشاہ بذات خاص پارلیمنٹ کے ایک نئے اجلاس کا افتتاح کرنے والا تھا، لیکن انھیں سازشیوں میں سے ایک شخص نے اپنے دار الامرا کے ایک دوست کو بنظر انتباہ ایک ایسا خط لکھدیا جس سے کچھ شبہ پیدا ہو گیا۔ اس پر مزید خوش قسمتی یہ ہوئی کہ تباہی کے لیئے جو دن تجویز ہوا تھا اسی کے

عین باقبل سب سے زبردست سازشی گیو فاکس کو دیکھا گیا کہ وہ ان شعلہ انگیز اشیاء کی نگرانی کر رہا ہے، وہ اور اس کے معاون گرفتار ہوگئے اور انھیں پھانسیاں دیدی گئیں اور انگریزوں کی قوم میں رومن کیتھولک عقائد کی طرف سے ایک مرتبہ پھر سخت نفرت و بے اعتقادی پیدا ہوگئی اور انکی آئندہ کی مذہبی و سیاسی تجاویز میں مدت تک اس کا اثر سب سے زیادہ قوی رہا۔

بادشاہ اور پارلیمنٹ کے حقوق۔

جیمز اپنی روش کی وجہ سے جن مشکلات میں گھر گیا تھا، وہ صرف پیورٹینوں اور کیتھولکوں کی پیچیدگیوں اور دشواریوں تک محدود نہیں تھے بلکہ اس نے پارلیمنٹ سے بھی مناقشہ پیدا کر لیا تھا۔ اس زمانے کے انگلستان میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے حقوق قطعی طور پر مشخص نہیں تھے اور اس صورت میں لامحالہ بادشاہ کے اختیارات خاص مبہم سے تھے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی تحریری نظام سلطنت موجود نہیں تھا۔ اور ہر ایک سیاسی کارروائی کی قانونی بنیاد کا پتا چلانے کے لیئے رسم و رواج اور تحریری قوانین کا ایک انبار دیکھنا پڑتا تھا جو اکثر باخود ہا متبائن اور متخالف ہوتے تھے۔ ان حالات میں بادشاہ بہت سے ایسے کام کر سکتا تھا جنھیں پارلیمنٹ اگر چاہے تو کسی قدیم قانون کی بنا پر معرض بحث میں لا سکتی تھی، لیکن اگر پارلیمنٹ کا خیال بادشاہ کی طرف سے عام طور پر اچھا ہو اور کسی خاص کام کی نسبت اسے یہ یقین ہو کہ وہ کام قرین انصاف ہے تو پارلیمنٹ اس کام پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔

قوم کی جیب پر اختیار رکھنے کا سوال۔

اب اس کے بعد جیمز کے مالی معاملات میں ابتری پیدا ہوئی یہ ایسی پیچیدگی ہے کہ جس حکومت کو اس سے سابقہ پڑ جائے وہ پریشان ہو جائیگی۔ اگر پارلیمنٹ کی کارروائیوں کے چلانے میں ذرا زیادہ ہوشیاری و تدبر سے کام لیا جاتا تو اغلب یہ تھا کہ اس جماعت کے توسط سے مالیات کا انتظام مکمل و مفید طریقے پر ہو جاتا، مگر جیمز کو اپنی چیرہ دستی و نافہمی کی وجہ سے یہ زیادہ پسند

آیا کہ وہ خود اپنے اختیار سے متعدد قابل اعتراض محصول عائد کردے اور قسمت پر اعتماد رکھے کہ پارلیمنٹ کسی قدر رد وکد کے بعد سپر ڈال دیگی، لیکن یہ اس کی غلطی تھی۔ یکے بعد دیگرے متعدد پارلیمنٹوں نے اپنی برطرفی گوارا کرلی، مگر مالی معاملات میں جیمز کے تحکم کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابتداءً ہوتے محض ایک ضابطے کی کارروائی تھی وہ بہت جلد ایک اصولی مسئلہ بن گئی، اور دارالعوام کے کشیدہ خاطر ارکان یہ سوچنے لگے کہ آیا بادشاہ کو کوئی اختیار اس قسم کا حاصل بھی ہے یا نہیں کہ وہ بغیر ان کی مرضی کے کسی قسم کا محصول لگا سکے۔ اس طرح پر قوم کے سامنے قطعی صورت میں یہ سوال پیش ہوگیا کہ قوم کی جیب پر کس کا اختیار رہے اور جلد یا بدیر اس کا جواب ملنا ضروری تھا، خواہ آشتی کے ذریعے سے ہو یا جنگ کے ذریعے سے۔

جیمز کی صلح آمیز روش

جیمز کی غیر ملکی حکمت عملی نے بھی اس کی غیر ہردلعزیزی میں اضافہ کردیا۔ اس کے دل پر صرف ایک خیال غالب تھا کہ صلح قائم رہے۔ یہ خیال فی نفسہ کچھ بُرا نہ تھا مگر جیمز نے اسے ایک ناقابل عمل طریق سے انجام دینا چاہا۔ اس نے کوشش یہ کی کہ اسپین کے ساتھ شریک ہوجائے اور دلیل یہ پیش کی کہ سربرآوردہ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک سلطنتوں کی مفاہمت باہمی سے دنیا کا امن وامان متیقن ہوجائے گا، لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ ایک طرف اہل اسپین اُسے محض بیوقوف بنانا چاہتے تھے اور دوسری طرف اپنے قدیمی دشمن کے ساتھ اس طرح کی ذلیل خوشامد وچاپلوسی کی روش اختیار کرنے سے انگریزوں میں کامل بددلی پیدا ہوگئی تھی۔ اس پر بھی بادشاہ اپنی روش پر قائم رہا۔ ۱۶۱۸ء میں اس نے عہد الیزبتھ کے ایک ہردلعزیز ہیرو (بطل اعظم) سر والٹر رالے کو اس جرم میں قتل کرادیا کہ اس نے اسپین کے جنوبی امریکہ کے ایک دیہات پر حملہ کردیا تھا، اور جب اسی سال جرمنی میں جنگ سی سالہ شروع ہوئی تو جیمز بجائے اس کے کہ اپنے

داماد فریڈرک والی پیلٹینیٹ کی (جو بوہمیا کا بادشاہ منتخب ہوگیا تھا) مدد کرتا، اس امید میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھا رہا کہ اسپین کسی مناسب عنوان سے اس کے عزیز کی جانب سے مداخلت کریگا۔ آخرالامر اس کا داماد جرمنی سے نکال دیا گیا اور باوجود اس کے کہ ہر شخص کو اب جنگ کے ناگزیر ہونے کا یقین ہوگیا تھا، اس پر بھی جیمز اپنے بیسود نامہ و پیام میں پھنسا رہا اور اسپین سے جنگ کرنے کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کی، اور جب تیاری شروع کی تو اس کے چند ہی ماہ کے اندر اندر ۱۶۲۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

انگریزوں کی نوآبادی

اس قسم کی غلط کوششوں کے حیطۂ اثر سے نکل کر جب ہم جیمز کی نوآبادیاں قائم کرنے کی مفید تر کوشش کے میدان میں آتے ہیں تو کسی قدر راحت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۶۱۰ء میں آئرلینڈ کے شمال مشرقی صوبہ السٹر میں اہل انگلستان و اہل اسکاٹلینڈ کی پہلی نوآبادی

آئرلینڈ

قائم ہوئی۔ جیمز کے قبل آئرلینڈ سے ہر ایک بادشاہ کو تکلیف و پریشانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوا تھا اور اس آبادکاری کی تجویز سے یہ توقع تھی کہ اس سرکش جزیرے پر قابو حاصل ہوجائے گا، لیکن اس کارروائی پر عمل کرنے کے لئے جیمز کے لئے یہ ضروری ہوا کہ اصلی باشندوں کی زمینیں ضبط کرکے انھیں دلدلوں کی طرف ہٹا دے۔ اہل آئرلینڈ نے اس زیادتی کو کبھی ایک جرم سے کم نہیں سمجھا اور انگریزوں کی طرف سے ایک دائمی بغض و کینہ ان کے دلوں میں راسخ ہوگیا۔ "نئی دنیا" کی نوآبادی ایک دوسری ہی قسم کی تھی۔ اور زیادہ خوشگوار صورت سے عمل میں آئی۔ ۱۶۰۷ء میں پہلی مستقل نوآبادی ورجینیا میں قائم ہوئی اور ۱۶۲۰ء میں غالی پیورٹینوں کا پہلا گروہ جو کلیسائے انگلستان سے جدا ہوکر اولاً ہالینڈ میں پناہ گزین تھا، بحراوقیانوس کے پار گیا۔ خود ان کی اور ان کے جانشین پیورٹینوں کی مردانہ وار ہمت اور محنت سے میساچوسٹس کے ویرانوں کے اندر کچھ زمانے بعد ایک مرفہ الحال نوآبادی قائم ہوگئی اور اس نظم معاشرت کی بنیاد پڑ گئی جس نے آگے چلکر امریکہ کے ممالک متحدہ کی

صورت اختیار کی ہے مزید براں ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے (جسے الزبتھ کے عہد میں سند حاصل ہوئی تھی) ہندوستان میں پہلی مرتبہ اپنا قدم جمایا

ہندوستان

پس دور الزبتھ کی فتوحات نے جب میدان صاف کر دیا تو جیمز کے عہد میں انیگلوسیکسن قوم نے مشرق و مغرب میں پھیلنا شروع کیا اور ہمارے اس زمانے میں اسے جو تجارتی تفوق حاصل ہے اس کی بنیادیں قائم کیں ؛

چارلس اول کا عہد حکومت

چارلس کے عادات و اخلاق ؛

چارلس اول جو ۱۶۲۵ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا وہ ظاہری حالت میں اپنے باپ سے بالکل ہی مختلف تھا۔ وین ڈک نے اس کی جو تصویر کھینچی ہے اور جس کی نقلیں بکثرت ہوتی رہتی ہیں اس سے لوگ اچھی طرح مانوس ہیں، اس کا چہرہ خوبصورت اور اس کے اطوار شاہانہ تھے۔ اس میں ذہانت و صداقت بھی پائی جاتی تھی مگر شاہی حقوق خاص کے متعلق اس کے خیالات وہی تھے جو اس کے باپ کے تھے اور باپ ہی کے مانند اسے بھی یہ یقین تھا کہ پارلیمنٹ کو مصالحت و آشتی سے ہموار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسے خوفزدہ کر کے دبانا چاہیئے ؛

پارلیمنٹ اور بادشاہ کے مناقشے نے ایک قطعی صورت اختیار کی ؛

جیمز نے جو دو مشکلیں پیدا کر دی تھیں ان کا فوری و خطرناک نتیجہ اس نئے عہد میں ظاہر ہوا۔ ایک تو اسے اپنی رعایا کے خفیہ پیورٹینی عقائد کو برانگیختہ کر دیا تھا اور دوسرے اپنی پارلیمنٹ سے یہ بحث پیدا کر دی تھی کہ محاصل کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے

چارلس نے بھی جیمز کے مانند فرقۂ پیورٹین اور پارلیمنٹ کے ساتھ مخاصمانہ انداز قائم رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی زمانے میں اس نے اپنی رعایا کے تعصبات کو خطرناک مخالفت کی حد تک پہنچادیا اور دار العوام کی حالت یہ ہوگئی کہ صاف الفاظ میں یہ سوال ہونے لگا کہ انگلستان میں صاحب اقتدار اعلیٰ کون ہے، پارلیمنٹ یا بادشاہ؟ حالانکہ یہ وہی دار العوام تھا جو الیزبتھ کے وقت میں تو بالکل ہی غلامانہ اطاعت پذیری کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، مگر جیمز کے وقت میں بھی جب وہ کسی امر کے متعلق تعرض کرتا تھا تو نہایت احترام کے ساتھ کرتا تھا۔

چارلس نے دار العوام سے مذہبی معاملات میں مخالفت پیدا کر لی:

چارلس جس سال تخت نشین ہوا ہے اسی سال اس نے فرانس کے بادشاہ لوئس سیزدہم کی بہن ہنریٹا میریا سے عقد کر لیا۔ یہ عقد بجائے خود انگلستان میں غیر ہر دلعزیز تھا، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ چارلس نے لوئس سے یہ اقرار کر لیا کہ وہ انگلستان کے رومن کیتھولکوں کو اپنی حفاظت میں لے لیگا۔ مخالف مذہب کے ساتھ اس قسم کی رعایت سے پارلیمنٹ میں فوری غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ نے کلیسائے انگلستان کے ان پادریوں کو انعامات سے گرانبار کر دیا ہے جنھوں نے کیلونی عقائد پر (جسے انگریزوں کا حصہ کثیر مسلم سمجھتا تھا) علانیہ حملے کئے تھے تو یہ اشتعال اور بھی بڑھ گیا۔ اسمیں شک نہیں کہ بادشاہ کی نظر بہتری کی طرف تھی اور یہ تو یقینی ہے کہ اسے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ مذہب پروٹسٹنٹ کا ساتھ چھوڑ کر اس سے غداری کر رہا ہے، لیکن مذہب میں اس کی اس قسم کی آزاد رائے کو اس زمانے کے متعصب گروہ نے سستی و کمزوری پر محمول کیا، اور عوام میں ایک طرح کی بدگمانی پیدا ہو گئی۔ پس اس کے جواب میں ارکان دار العوام نے ایسی پروٹسٹنٹی روش اختیار کی جس میں کسی قسم کی رورعایت کی گنجائش نہ تھی۔ وہ کلیسائے انگلستان کی ان خصوصیات پر یوماً فیوماً زیادہ زور دینے لگے جو حتمی و قطعی طور پر پروٹسٹنٹ نوعیت کے تھے، اور اسی کے ساتھ ان خصوصیات کو گھٹانے لگے جو رومن کیتھولک کلیسا کے باقیات کے طور پر

قائم رہ گئی تھیں چنانچہ عقائد کے متعلق جس قدر ان کا جوش بڑھتا جاتا تھا اسی قدر اعمال و مراسم مذہبی کی بابت بے پروائی میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی لیکن بادشاہ ظاہری نمائش کا دلدادہ تھا اور وہ اس میں بال برابر بھی کمی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ مذہبی معاملے میں روز بروز ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے اور رعایا اپنے غم و غصہ کی وجہ سے نادانستہ طور پر اپنے قدیمی روایات مذہب سے علیحدہ ہوکر پیورٹینی عقائد کے حدود میں داخل ہوتی گئی۔

اسپین کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق چارلس اور اس کی پارلیمنٹ میں مخالفت ہوگئی۔

اس مذہبی مخاصمت کی وجہ سے چارلس نے اپنی رعایا سے جسقدر بعد پیدا کرلیا تھا اسنے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی سیاسی کارروائیوں سے بھی انھیں اپنی ذات سے الگ کردیا۔ اسپین کی جنگ سے اسے یہ موقع ہاتھ آگیا۔ اسے یہ جنگ اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی اور وہ اسپر تلا ہوا تھا کہ اسے جاری رکھے۔ پارلیمنٹ اس معاملے میں اس کی تائید کرنے سے نارضامند نہیں تھی، کیونکہ اسپین کی یہ جنگ عام طور پر پسند کی جاتی تھی، گر پارلیمنٹ نے اس غرض کے لیئے جو رقمیں دی تھیں ان کے ساتھ یہ شرط لگادی تھی کہ جنگ پورے زور کے ساتھ جاری رہے اور اچھے سرگروہ اس کام کے لیئے مقرر کیئے جائیں، لیکن چارلس نے اپنی بدقسمتی سے اس شرط کی پرواہ نہیں کی۔ اس نے جنگ کی کارروائی ڈیوک بکنگھم کے سپرد کردی۔ بکنگھم ایک خوشرو و بیباک شخص تھا گر جنگ کے ایسے اہم کاموں کے لیئے موزوں نہ تھا، اور اس جنگ میں اسے سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ ۱۶۲۵ء میں جو مہم قادیسہ کو بھیجی گئی اس کا خاتمہ بالکل ناکامی پر ہوا۔ اس پر دارالعوام نے اس وقت تک نئے بادشاہ کو مزید رقم دینے سے انکار کردیا جبتک ڈیوک مجلس شاہی سے علیحدہ نہ کردیا جائے، اور چونکہ بادشاہ نے اس امر سے انکار کردیا کہ اپنے وزرا کے بارے میں وہ کسی شخص کے تحکم کو قبول کرے اس لیئے ایک طرح کا تعطل پیدا ہوگیا، چارلس نے پارلیمنٹ کو متعدد بار برطرف کرکے اس تعطل کو رفع کرنا چاہا گر اس کوشش میں وہ

ناکامیاب رہا۔

بکنگھم اور جنگ فرانس

۱۶۲۷ء میں معاملات اور بد سے بدتر ہو گئے۔ بادشاہ ایک جنگ میں پھنسا ہوا تھا مگر اس نے اس کو کافی نہ سمجھا اور فرانسیسی ہیوگیناٹوں کی حمایت میں فرانس سے بھی جنگ مول لے لی لاروشیل میں ہیوگیناٹوں کا محاصرہ ہو گیا تھا، چونکہ مخلصی دینے والی مہم کیلئے روپیہ حاصل کرنیکی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی تھی اس لئے چارلس نے ایک بہت ہی خطرناک تجویز نکالی۔ اس نے دولتمندوں کو مجبور کیا کہ اسے قرض دیں، لیکن اس طرح خلاف قانون جو رقم جبراً حاصل کی گئی اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بکنگھم کے تحت میں لارڈشیل کی خلاصی کے لئے ایک مہم روانہ کیگئی مگر وہ بھی قادِیسیہ والی مہم کی طرح بالکل تباہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ اسپین میں جو ذلت نصیب ہو چکی تھی اس پر جنگ فرانس کی ذلت کا اور اضافہ ہو گیا۔

درخواست حقوق ۱۶۲۸ء

اندریں حالات ۱۶۲۸ء میں جو پارلیمنٹ جمع ہوئی اس کا حکومت کے خلاف اس قدر غیظ و غضب کا اظہار حق بجانب تھا۔ اس نے اس امر پر زور دیا کہ اسوقت تک ایک پیسہ بھی منظور نہیں ہو سکتا جب تک کہ قوم کی شکایات رفع نہ ہو جائیں۔ ایک تجویز کے ذریعے سے جسے درخواست حقوق کہتے ہیں پارلیمنٹ نے اپنے دعاوی کو باضابطہ مسلم قرار دیا۔ اس درخواست میں جبری قرضوں کو ناجائز قرار دیا گیا اور متعدد عملدرآمدوں کے خلاف اظہار رائے کیا گیا تھا مثلاً یہ کہ حکام محض اپنی مرضی سے کسی کو گرفتار کرلیں یا لوگوں کے گھروں میں فوج کے سپاہیوں کو ٹھہرائیں۔ نہایت استقلال کے ساتھ یہ ظاہر کیا گیا کہ پارلیمنٹ سے مزید مراعات حاصل کرنے کے لئے اس "درخواست حقوق" کا تسلیم کیا جانا شرط مقدم ہے چارلس دو دو لڑائیوں میں پھنسا ہوا تھا اور روپیہ اس کے پاس مطلق نہ تھا، مجبوراً اسے دبنا پڑا اور ۱۶۲۸ء میں یہ درخواست حقوق جسے "منشور اعظم" کی تجدید سمجھا جاتا ہے، منظور کرلی گئی اور قوانین ملک میں داخل ہو گئی۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ "درخواست حقوق" میں تمام اندرونی شکلات

کا قتل مہیا نہیں کیا گیا تھا۔ سب سے زیادہ پریشان کن شخص بکنگھم تھا وہ علٰحدہ نہیں کیا گیا۔ تمام طبقوں میں جس قسم کا ہیجان پیدا ہو گیا تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ فریقانہ جھگڑوں کی وجہ سے آپس کی نفرت جس حد کو پہنچ گئی تھی

بکنگھم کا قتل ۱۶۲۸ء

اس کا ثبوت بہت جلد ملگیا (۱۶۲۸ء) لا روشیل کی طرف ایک نئی مہم بھیجنے کے لئے پورٹسمتھ میں تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اسی اثنا میں ایک مذہبی پرجوش محب وطن جان فلٹن نے خنجر سے بکنگھم کا کام تمام کر دیا۔ بادشاہ کو اپنے اس ندیم کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا مگر اس کی روش میں مطلقاً کوئی تغیر نہیں ہوا۔ پارلیمنٹ سے اس وقت جس کشمکش کا اندیشہ تھا اس کی کوئی سابقہ نظیر نہیں مل سکتی، پس ایسی حالت میں اس روش پر باصرار قائم رہنا اور بھی مضر تھا۔

انگلستان میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ کے اوائل حکومت میں پرمٹ کے چند محاصل جنھیں "ٹنج" (محصول جہاز) اور "پونڈیج" (محصول اسباب) کہتے تھے، زندگی بھر کے لئے بادشاہ کو عطا کر دیئے جاتے تھے خزانے کیلئے سب سے زیادہ اہم رقم یہی تھی اور ان کے بغیر حکومت کے کام کا چلانا دشوار تھا بعض اتفاقات کے باعث ایسا ہوا کہ دار العوام نے اسوقت تک چارلس کے معاملے میں زندگی بھر کے لئے "ٹنج اور پاؤنڈیج" منظور نہیں کیا تھا اور اب کہ چارلس کے خلاف شکایت پیدا ہو گئی تو اس نے یہ عزم کر لیا کہ وہ اس وقت تک اس محصول کی منظوری نہ دیگا جبتک کہ عمدہ حکومت کے لئے از سر نو یقین نہ دلایا جائیگا۔ چارلس ارکان دار العوام کے اس رویے سے بے انتہا برافروختہ ہو گیا۔ وہ اسے محض ایک فساد سمجھتا تھا اور ۱۶۲۹ء کے زمانہ نشست میں بادشاہ اور دار العوام کے درمیان پھر مناقشہ برپا ہو گیا۔

۱۶۲۹ء کا نازک موقع

کچھ بے سود نامہ و پیام کے بعد چارلس نے عزم کر لیا کہ پارلیمنٹ کو برطرف کر دے مگر ارکان کو اس کا پتا چل گیا اور انھوں نے التوا کے قبل ہی ایک ایسے جوش و خروش کے ساتھ جس کی کوئی نظیر انگلستان کی پارلیمنٹ کے حالات میں نہیں مل سکتی،

بہت سی تحریکیں منظور کردیں۔ جن میں ایک تحریک۔ یہ بھی داخل تھی کہ "ٹنیج" و "پاؤنڈیج" کا عائد کرنا خلاف قانون ہے، اور کسے باشندجو شخص بھی یہ محصول ادا کریگا یا مذہب میں نئی بات پیدا کرے گا وہ غدار سمجھا جائے گا۔

بغیر پارلیمنٹ کے گیارہ برس کی حکومت۔

مذہبی جوش تو پہلے ہی سے موجود تھا اب اس "ٹنیج و پاؤنڈیج" کے سوال کے پیدا ہو جانے سے گویا بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جنگ کا آغاز ہوگیا، لیکن آئندہ گیارہ برس (۱۶۲۹ - ۱۶۴۰) تک بادشاہ کو فوقیت حاصل رہی اس کے پیشرؤوں نے جو وسیع حقوق شاہی قائم کردیئے تھے، ان کی وجہ سے اول اول چارلس کو اس بلندحوصلہ دارالعوام پر فوقیت حاصل رہی منجملہ اور حقوق خاص کے اُسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو اسوقت تک طلب ہی نہ کرے جب تک کہ اسے کسی مزید رقم کی ضرورت نہو، اور چونکہ پارلیمنٹ کے دوبارہ جمع کرنیکے مقابلے میں اسے اور تمام زحمتیں اور دقتیں آسان معلوم ہوتی تھیں اس لیئے اس نے یہ عزم کرلیا کہ جو آمدنی اسے حاصل ہے اسی سے کسی نہ کسی طرح کام چلائے اور پارلیمنٹ کو طلب نہ کرے لیکن اس تجویز کے عمل میں لانے کے لیئے کفایت شعاری کی ضرورت تھی اور کفایت شعاری کے لیئے شرط مقدم یہ تھی کہ فرانس و اسپین کی گران خرچ لڑائیوں کو ختم کردیا جائے۔ اس لیئے سنہ ۱۶۳۰ کے ختم ہوتے ہوتے چارلس نے ان دونوں طاقتوں سے صلح کرلی۔ اب بہ حیثیت مجموعی اس کے توقعات امید افزا نظر آنے لگے۔ دارالعوام نے اگرچہ "ٹنیج" و "پاؤنڈیج" کے خلاف رائے دی تھی مگر قوم کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو بالکل چھوڑ دے، اس لیے یہ محصول اب تک خزانے میں داخل ہوتا رہتا تھا، اس کے علاوہ اور بھی بعض دوسرے محاصل باقاعدہ طور پر ادا ہوتے جاتے تھے اور یہ سب ملکر اس ضرورت کے لیئے کافی تھے کہ نظم و نسق ملک کے معمولی اخراجات چلتے رہیں۔

لارڈ ونٹورتھ۔

اس گیارہ برس کے زمانے میں جو عملی حیثیت سے مطلق العنان

حکومت کا زمانہ تھا، چارلس نے جس طرح مناسب سمجھا کلیسا و سلطنت کے معاملات کا انتظام کیا۔ کلیسا کے معاملات میں اس کا خاص مشیر ولیم لاڈ تھا جسے چارلس نے ۱۶۳۳ء میں کینٹر بری کا اسقف اعظم اور انگلستان کا مقتدائے اکبر بنا دیا تھا۔ چارلس ہی کی طرح لاڈ بھی ظاہری رسومات اور اتحاد عبادت پر زور دیتا تھا، اور مخالفان رسوم کے خلاف اس نے اس زور کے ساتھ کارروائی کی کہ چند ہی برس کے اندر اندر اس نے پیوریٹنی عنصر کو یا اطاعت پر مجبور کر دیا یا اسے کلیسا سے نکال دیا۔ سلطنت کے معاملات میں چارلس کا انحصار زیادہ تر ٹامس ونٹورتھ پر تھا جو اپنے بعد کے خطاب ارل اسٹریفرڈ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ونٹورتھ کو مضبوط حکومت کی ضرورت پر قوی یقین تھا اور اسی وجہ سے وہ پارلیمنٹ و قوم کے مقابلے میں بادشاہ کی تائید کرتا تھا، مگر چارلس کے تمام ناعاقبت اندیشانہ کاموں کے لیئے اسی کو ذمہ دار ٹھیرانا صریحی غلطی ہے۔

رقم محصول جہاز اس قسم کی خلاف قانون کارروائیاں بہت ہوتی رہیں اور ہر کارروائی سے چارلس کی مطلق العنانہ حیثیت میں کچھ نہ کچھ تنزل پیدا ہوتا گیا۔ اس معاملے میں خاص کر رقم جہاز نے زیادہ نمایاں اثر دکھایا۔ چارلس نے ۱۶۳۴ء میں رقم جہاز کے نام سے بیڑا قائم کرنے کے لیئے ایک محصول عائد کیا تھا۔ اس قسم کی ضروریات کے لیئے رقم حاصل کرنے کا معمولی طریقہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ سے درخواست کی جاتی مگر بادشاہ ایسا کرنے سے خائف تھا اس لیئے اس نے ایک پیچیدہ کارروائی کا ارادہ کیا۔ اگلے وقتوں میں جب ملک کو کوئی خطرہ پیش آتا تو بادشاہ ان صوبوں کو جو سمندر سے متصل واقع ہوتے جہازوں کے مہیا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چارلس نے بھی اسی قسم کا ایک حکم ۱۶۳۴ء میں جاری کیا، کچھ دنوں بعد اس نے اس امر پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ جہازوں کے بجائے روپیہ منظور کرے گا، اور اس کے بعد یہ بھی حکم دیا کہ اندرون ملک کے صوبے بھی یہ رقم ادا کریں۔

یہ کارروائی اگرچہ بالکل خلاف قانون نہیں تھی مگر یہ صاف ظاہر ہے

کہ وہ ایک پُر خطر کارروائی تھی اور اس سے ایک بڑی حد تک مخالفت کا پیدا ہو جانا یقینی تھا۔ چنانچہ قصبے کے ایک شریف شخص جان ہیمپڈن نے جب اس محصول کے ادا کرنے کے بجائے اپنی گرفتاری اور اپنے اوپر مقدمہ چلائے جانے کو ترجیح دی تو یہ مخالفت صاف عیاں ہو گئی۔ اس مقدمے کے پیش ہونے پر عدالت نے ہیمپڈن کے خلاف فیصلہ کیا۔ لیکن ہیمپڈن پر مقدمہ چلانے سے اس قدر وسیع بددلی پیدا ہو گئی تھی کہ موقع ملتے ہی انگلستان نے یہ ظاہر کر دیا کہ مدت ہائے دراز سے جس وفاداری نے اسے خاندان شاہی سے مربوط کر رکھا تھا اس کو نہایت سخت صدمہ پہنچ گیا ہے۔

جان ہیمپڈن کا معاملہ

چارلس نے اہل اسکاٹلینڈ سے مناقشہ پیدا کر لیا

اسکاٹلینڈ نے یہ موقع مہیا کر دیا۔ ۱۶۳۷ء میں چارلس نے اپنے حسب عادت عام احساس کو نظر انداز کر کے یہ جرأت کی کہ اسکاٹلینڈ میں (جہاں پریسبیٹرین طریق شائع تھا) انگلستان کی کتاب ادعیہ اور چند اور اسقفی طریقوں کو رائج کرے۔ اہل اسکاٹلینڈ نے اس کارروائی کا جواب یہ دیا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے ایک قومی حلف یا "کونیننٹ" (عہد و میثاق) تیار کی جس کی رُو سے انھوں نے یہ عہد کیا کہ وہ تبدیل مذہب کی ہر ایک کوشش کا اپنی انتہائی قوت سے مقابلہ کریں گے، اور جب چارلس فوراً ہی اپنی رائے سے دست بردار نہ ہوا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اسے ایک جنگ سے سابقہ پڑ گیا ہے۔

حکومت اسقفی کے مسئلے پر ۱۶۳۹ء کی جنگ اسکاٹلینڈ

اس کے بعد ۱۶۳۹ء میں اہل اسکاٹلینڈ کے خلاف مہم روانہ ہوئی جو پہلی جنگ اساقفہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم کا انجام بالکل تباہی و ذلت پر ہوا۔ روپے کی کمی کی وجہ سے بادشاہ ایک بے ترتیب انبوہ کو جو ساز و سامان سے بھی درست نہ تھا ہمراہ لیکر شمال کی جانب روانہ ہوا اور جب وہ موقع پر پہنچا تو اس نے اپنے کو ایسی مجبوری کی حالت میں پایا کہ اسے ایک ہنگامی صلح کے معاہدے پر دستخط کرنا پڑے۔ اس نے اپنی اسکاچ و انگلش دونوں رعایا کو متنفر کر دیا تھا۔ اور اب ان دونوں کے

درمیان اس کی حالت نہایت درجہ خراب و ابتر ہوگئی تھی۔ اہل اسکاٹلینڈ سے اپنا انتقام لینے کے لئے اسے ضرورت تھی کہ انگلستان سے اسے روپے کی خاطر خواہ مدد ملے اور انگلستان سے روپے کی خاطر خواہ مدد ملنے کے معنی یہ تھے کہ پارلیمنٹ طلب کی جائے اس لئے اسے ادھر یا ادھر مراعات کرنا ضروری تھا۔ چارلس کو اپنے غرور و نخوت سے سخت کشمکش کرنا پڑی لیکن انجام کار اسے یہ محسوس ہوا کہ اسکاٹلینڈ کا معاملہ زیادہ نازک ہے اور اس لئے (سنہ ۱۶۴۰ء میں) اس نے پارلیمنٹ طلب کی۔

دوسری جنگ اساقفہ سنہ ۱۶۴۰ء

اس طرح بغیر پارلیمنٹ کے حکومت کرنے کا یہ طویل زمانہ ختم ہوا، لیکن جب اس پارلیمنٹ نے (جو مختصر العہد پارلیمنٹ کے نام سے مشہور ہے) روپے کی منظوری دینے کے بجائے بادشاہ کو قوم کے شکایات پر توجہ دلانے کی کارروائی شروع کردی۔ تو چارلس پھر غصے سے از خود رفتہ ہوگیا اور اس نے پارلیمنٹ کو برطرف کردیا۔ باوجود روپے کی کمی کے وہ (سنہ ۱۶۴۰ء میں) ایک مرتبہ پھر اہل اسکاٹلینڈ کے خلاف ایک مہم لیکر روانہ ہوا جو دوسری جنگ اساقفہ کے نام سے مشہور ہے، لیکن جب یہ دوسرا تجربہ بھی ایسی ہی بری طرح ناکام رہا جیسا کہ پہلا تجربہ ناکام ہوچکا تھا تو اس نے آخر الامر اپنی شکست تسلیم کرلی۔

طویل العہد پارلیمنٹ

سنہ ۱۶۴۰ء کے موسم خزاں میں اس نے ایک دوسری پارلیمنٹ طلب کی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اس پارلیمنٹ کو اپنی مرضی سے برطرف کردینا ممکن نہ ہوگا۔ اس پارلیمنٹ کو تاریخ نے طویل العہد پارلیمنٹ کا لقب دیا ہے، اور انگلستان کی تاریخ میں یہی پارلیمنٹ سب سے زیادہ مشہور جماعت واضع قانون ہوئی ہے۔

دارالعوام کی فتح

طویل العہد پارلیمنٹ نے باقاعدہ نصب ہوتے ہی معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سب سے پہلے انتقام کی خواہش کا پورا کرنا تھا، اور اس کے لئے اسٹریفرڈ (سنہ ۱۶۴۱ء) اور لاڈ (سنہ ۱۶۴۵ء) کو اپنے سر دینے پڑے۔ اس کے بعد عملی طور پر تمام نظام حکومت

بدل گیا، پارلیمنٹ سب کچھ کرتی تھی اور بادشاہ کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ گویا پارلیمنٹ کی طرف سے بادشاہ کی مطلق العنانہ حکومت کا جواب تھا۔ امر غور طلب یہ تھا کہ آیا چارلس کے ایسے مزاج کا بادشاہ اس قسم کی شدید ذلت کو زیادہ مدت تک برداشت بھی کر سکتا تھا یا نہیں؟

دارالعوام میں تفرق

ایک برس تک بادشاہ اس تغیر شدہ حالت کا ساتھ دیتا رہا مگر وہ برابر اپنے موقع کی تاک میں تھا اور دارالعوام میں پہلے اختلاف کے نمودار ہوتے ہی وہ مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

بادشاہ اور دارالعوام کے درمیان جس قدر سیاسی اختلافات تھے ان کے متعلق دارالعوام نہایت خوبی کے ساتھ متفق ہو گیا تھا، لیکن جب مذہبی مسئلہ پیش ہوا تو اختلافات پیدا ہو گئے؟

چارلس نے حامیان حکومت اساقفہ کا ساتھ دیا

گزشتہ چند برسوں کے اندر حکومت اساقفہ کے خلاف خیالات میں بہت ترقی ہو گئی تھی لیکن قدیم خیالات پر قائم رہنے والی ایک مضبوط جماعت اس حکومت کی حمایت کر رہی تھی بنا بر حالات مذکورہ دارالعوام میں پیورٹینوں اور حکومت اساقفہ کے حامیوں میں سخت گفتگوئیں ہو جایا کرتی تھیں اور یہ ایک طبعی امر تھا کہ مخالفین کی مستحکم صف میں جوں ہی یہ رخنہ ظاہر ہوا، چارلس نے اس سے فائدہ اٹھایا وہ حامیان حکومت اساقفہ کے ساتھ ہو گیا اور اس طرح پھر ایک مرتبہ ایک فریق اس کے گرد جمع ہو گیا؟

پانچ ارکان دارالعوام کی گرفتاری کی کوشش

جنوری ۱۶۴۲ء میں اس نے یہ رائے قائم کی کہ اسے اب اتنی قوت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ پارلیمنٹ کی فوقیت پر ضرب لگا سکتا ہے اور اس نے دارالعوام کے پانچ ارکان پم، ہیمپڈن، ہیزلرگ، ہولس، اور اسٹروڈ کو پارلیمنٹ کے بھرے اجلاس میں گرفتار کر لینے کی کوشش کی، لیکن اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور چارلس (جو ہمیشہ کسی نہ کسی قدر خائف رہا کرتا تھا) یہ ہمت نہ کر سکا کہ جو حالت اس نے خود پیدا کر دی تھی اس کا دلیرانہ مقابلہ کرے؟

بادشاہ نے مقام ناٹنگھم میں اپنا علم نصب کیا۔

لندن جب مسلح مقابلے کے لیئے اٹھ کھڑا ہوا تو چارلس بھاگ نکلا اور تفرقہ مکمل ہوگیا۔ بادشاہ نے اگست ۱۶۴۲ء میں اپنا علم مقام ناٹنگھم میں نصب کیا اور تمام وفادار انگریزوں کو اس کے گرد جمع ہونے کا حکم دیا۔ پارلیمنٹ نے بھی اپنی جگہ پر ایک فوج جمع کی اور میدانِ مقابلہ میں آنے کے لیئے تیار ہوگئی۔

اولاً بادشاہ کا پہلو غالب رہا

دونوں فریق جو ایک دوسرے سے مقابل ہونے والے تھے، وہ بہت ہی مساویانہ حالت میں معلوم ہوتے تھے۔ شاہی فریق جسے کویلیر کہتے تھے شمال و مغرب پر قابض تھا اور یارک و آکسفرڈ اس کے خاص شہر تھے۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کے حامی جنھیں مذاقاً راؤنڈ ہڈ کہتے تھے (کیونکہ وہ اپنے بال بہت باریک کٹواتے تھے) جنوب و مشرق پر حاوی تھے اور لندن ان کا مرکز تھا۔ فوج کسی طرف بھی کافی نہ تھی مگر قصبات کے شمشیرزن شرفا کے بادشاہ کی خدمت میں جمع ہو جانے سے اولاً شاہی جانب کو فوقیت حاصل ہوگئی تھی۔ ابتدائی مہمات میں پارلیمنٹ کی فوج برابر پسپا ہوتی رہی، اور ایک موقع پر پارلیمنٹ کا مرکز لندن بادشاہ کے ہاتھ میں آتے آتے رہ گیا۔ درحقیقت ۱۶۴۴ء کے قبل تک پارلیمنٹ نے کسی عمدہ و کارآمد فوج کی ترتیب شروع نہیں کی تھی اسی زمانے میں اس شخص کو نمود حاصل ہوئی جو بادشاہ کا تختہ الٹ دینے والا اور جنگ کو انجام کو پہنچانیوالا تھا، یہ شخص اولیور کراموِل تھا۔

اولیور کراموِل

اولیور کراموِل ان جامع الصفات اشخاص میں سے ہے جنکے حالات عقل کو متحیر کردیتے ہیں، اور جن کی ذات میں اُن کے زمانے کی پوری قومی تاریخ مجتمع ہوجاتی ہے۔ وہ شرقی انگلستان کے ایک قصبے کا رہنے والا معزز شخص تھا اور اس کی زندگی پیوریٹنی عقائد کی حمایت کے ساتھ وابستہ ہوگئی تھی۔ اسکی طبیعت میں استقلال و زور کے ساتھ ہی معاملات کو عملی حیثیت سے دیکھنے اور سمجھنے کی اعلیٰ قوت بھی غیرمعمولی حد تک موجود تھی، اور اسی وجہ سے اسکی نظر معاملات کی اصلی حقیقت پر پہنچ جاتی تھی۔ اس وقت کی سب سے بڑی

ضرورت ایک عمدہ فوج کا مہیا ہونا تھا، اس لئے اس نے اپنے پاس اپنی ہی طبیعت کے ایسے لوگوں کا ایک دستہ جمع کر لیا۔ یہ لوگ پیوریٹن تھے اور دل سے اس کام کو کرنا چاہتے تھے۔ اس دستے کو بہت جلد کرامول کے "آئرن سائڈ" (فولاد بازو) کا لقب حاصل ہو گیا۔

جنگ مارسٹن مور ۱۶۴۴ء

۱۶۴۴ء کی مہم میں کرامول کے "آئرن سائڈ" نے پہلی مرتبہ اپنی قابلیت کا جوہر دکھایا۔ بادشاہ کے بھانجے اور اس سواروں کے جانباز افسر شہزادہ ریوپرٹ کے مقابلے میں مارسٹن مور میں جو فتح عظیم حاصل ہوئی، اس میں بہت بڑا حصہ انھیں لوگوں کا تھا، چند ماہ بعد جنگ نیوبری واقع ہوئی۔ اس میں اگر کرامول کے سست و نااہل بالادستوں نے دقت نہ پیدا کر دی ہوتی تو بعید نہ تھا کہ کرامول نے بادشاہ کا بالکل خاتمہ کر دیا ہوتا۔

فوجی اصلاحات

اسی سال موسم سرما میں کرامول نے پارلیمنٹ میں جنگ کی اس وقت تک کی سست رفتاری پر بہت زور کے ساتھ اعتراض کیا، یہ اعتراضات اس قدر دلنشین تھے کہ دارالعوام نے بہت سی نہایت وسیع الاثر اصلاحیں کر دیں، متعدد قواعد کی رو سے فوج کلیتہً از سر نو مرتب کی گئی اور کرامول کے آئرن سائڈ کی روح تمام فوج میں جاری و ساری ہو گئی۔ ۱۶۴۵ء کے موسم بہار میں سر ٹامس فیرفیکس اس اصلاح شدہ فوج کا سپہ سالار اور کرامول سواروں کا کمانڈر ہو گیا۔

۱۶۴۵ء کی فیصلہ کن مہم جنگ نیزبی

اس تغیر کا اثر فوراً محسوس ہونے لگا، انگلستان کے وسط میں بمقام نیزبی بادشاہ نے ۱۴ جون کو آخری مرتبہ ایک پرزور کوشش کی اور شجاع ریوپرٹ اپنے مقابل کے سواروں پر حملہ آور ہو کر ان کی صفوں میں داخل ہو گیا، مگر کرامول نے اس اثناء میں بادشاہ کے میسرہ اور قلب کو توڑ دیا اور فتح اسی کے ہاتھ رہی۔ تقریباً ایک برس تک بادشاہ مقابلہ کرتا اور ادھر ادھر کے معمولی واقعات سے اپنی امداد کی امید قائم کرتا رہا۔ آخر مئی ۱۶۴۶ء میں یہ سمجھ کر کہ اب سب باتوں کا

خاتمہ ہو گیا ہے اس نے خود کو اہل اسکاٹلینڈ کے حوالے کر دیا جنھوں نے انگلستان کے شمالی حصے پر قبضہ کر رکھا تھا۔

اہل اسکاٹلینڈ اور پارلیمنٹ کے درمیان اتحاد:

اہل اسکاٹلینڈ ۱۶۴۳ء میں بادشاہ کے خلاف انگریزی پارلیمنٹ سے متحد ہوئے تھے۔ اوّل اول جب اتحاد کی تحریک ہوئی تو انھوں نے بے پروائی اختیار کی مگر آخرالامر جب وہ انگریزوں کے ساتھ شریک ہونے پر راضی ہوئے تو انھوں نے ایک بہت ہی سخت شرط یہ پیش کی کہ حکومت کلیسا کا جو پرسبٹرین طریقہ ان میں رائج ہے وہی انگلستان میں بھی رائج کیا جائے۔ پارلیمنٹ کے سخت خیال پیورٹین اوّلاً اس خیال سے برافروختہ ہوئے کہ وہ ایک غیر ملک کے تحکم کی پیروی کریں لیکن چونکہ فریق غالب کا میلان بیشتر پرسبٹیرینی طریق کی جانب تھا اور بادشاہ کی طرف سے خطرہ سخت ہوتا جاتا تھا اس لیئے اہل اسکاٹلینڈ اور پارلیمنٹ کے درمیان مجوزہ بنیاد پر اتحاد باضابطہ منظور ہو گیا۔

پرسبٹیرین اور انڈپینڈنٹ (آزاد خیال)

تاہم دارالعوام کے چند ارکان جو مذہبی رواداری کے حامی تھے وہ آخر تک اس معاہدے کے خلاف اعتراض کرتے رہے۔ پرسبٹیرینی کلیسا جس قسم کا اتحاد عبادت بزور رائج کرنا چاہتا تھا وہ ان کے نزدیک اس اتحاد عبادت سے کم قابل نفرت نہ تھا جس کا مطالبہ کلیسائے انگلستان کر رہا تھا۔ چونکہ ان کی تعداد نہایت ہی کم تھی اس لیئے اگر انھیں ایک نہایت ہی اہم جانب سے تائید نہ حاصل ہو گئی ہوتی تو ایک لفظ کہے بغیر انھیں دبا دینا ممکن تھا۔ کرامول اور اس کے "دآئرن سائڈ" ان کے مذہبی خیالات کو پسند کرتے تھے اس صورت میں حصۂ غالب احتیاط کے ساتھ قدم بڑھانے پر مجبور تھا، خاص کر ایسی حالت میں کہ جنگ جاری تھی اور فوج کو خوش رکھنا ضروری تھا۔ اسطرح یہ مخاصمت کچھ دنوں دبی رہی، مگر جنگ نیزبی کی فتح اور دشمن کے منتشر ہونے کے بعد ہی پرسبٹیرین اور انڈپینڈنٹ کے منافشے نے زیادہ سخت صورت اختیار کر لی۔ (رواداری کے حامیوں کو انڈپینڈنٹ یا آزاد خیال کہتے تھے)

بادشاہ کا قیاس

بادشاہ نے جب خود کو اہل اسکاٹلینڈ کے حوالے کیا ہے اس وقت وہ اپنے فاتحوں کے ان اختلافات آراء سے بہت اچھی طرح واقف تھا اور اپنی کوتاہ بینی سے یہ سمجھتا تھا کہ ان اختلافات سے اسے فائدہ پہنچ جائے گا۔ اس کا قیاس یہ تھا کہ جس وقت فوج سے جو آزاد خیالوں کے قائم مقام اور خیال رواداری کی نمائندہ ہے اور پارلیمنٹ کے فریق غالب سے جو پرسبیٹرین اور اُن کے ناقابل صلح طریق اتحاد کا حامی ہے مناقشہ شروع ہو گا اس وقت کسی نہ کسی فریق کو بادشاہ کے ساتھ اتحاد کرنا ناگزیر ہو جائے گا؛

پارلیمنٹ نے فوج کو دل برداشتہ کر دیا؛

چارلس کا یہ تخمین وقیاس اچھا بھی تھا اور برا بھی ۱۶۴۷ء میں اہل اسکاٹلینڈ نے ایک معقول رقم لیکر بادشاہ کو پارلیمنٹ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد پرسبیٹرینوں نے عجلت کے ساتھ ایک قرار داد طے کر لینا چاہی، دوسری طرف سے فوج نے مختلف شرائط پیش کیئے نتیجہ یہ ہوا کہ بے انتہا سازشیں برپا ہوگئیں جس میں اہل اسکاٹلینڈ نے بھی حصہ لیا۔ چنانچہ ۱۶۴۸ء میں چارلس کے دشمنوں کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ اہل اسکاٹلینڈ جنھیں

خانہ جنگی کی تجدید

انگریز پرسبیٹرینوں کے اثر کی تائید حاصل تھی فوج کے خلاف ابھار دیئے گئے۔ اس حد تک چارلس کا قیاس صحیح تھا لیکن انجام کار میں اس کی کوتاہ بینی خطا کر گئی کیونکہ فیرفیکس اور کرامول نے بہت جلد اپنے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس کے بعد فوج ان لوگوں سے جنھیں وہ اس کشمکش کا خونخوار بانی کہتے تھے (یعنی دارالعوام کے پرسبیٹرینی فریق غالب اور بادشاہ سے) انتقام لینے کے لیئے لندن کو چلی اور ۶ دسمبر ۱۶۴۸ء

تنقیہ پرج۔ ۱۶۴۸ء

کرنل پرائڈ کے تحت میں پرسبیٹرین ارکان کو جن کی تعداد سو کے قریب تھی دارالعوام سے خارج کر دیا۔ ارکان دارالعوام میں سے پچاس یا ساٹھ سے زیادہ ارکان ایوان میں باقی نہیں رہے اور یہی لوگ (جو محض فوج کے آلۂ کار تھے) حقارتاً فشردہ پارلیمنٹ کہلاتے ہیں؛

بادشاہ کا قتل
۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء

اس کے بعد فوج بادشاہ کی طرف متوجہ ہوئی اُس نے مضبوطی کے ساتھ یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ چونکہ اس قسم کی کارروائی کے لیئے کوئی قانونی طریقہ موجود نہیں تھا اس لیئے اس مطیع و منقاد پارلیمنٹ نے بادشاہ کے مقدمے کے لیئے ایک خاص عدالت اعلیٰ قائم کر دی۔ نتیجہ جو ہونا تھا وہ پہلے ہی سے عیاں تھا، اس عدالت اعلیٰ نے بادشاہ پر غداری کا جرم ثابت پایا اور ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء کو اسی کے محل "دہائٹ ہال" کے سامنے اسے قتل کر دیا گیا۔ خانہ جنگی کے تمام دوران میں چارلس کے اس اعتقاد میں کبھی فرق نہیں آیا تھا کہ حق اس کی جانب ہے اور اسی اعتقاد پر اس نے دلیرانہ جان دی۔

نظام سلطنت کی برہمی

بادشاہ کے مرنے کے قبل ہی دار الامرا برطرف کر دیا گیا تھا کیونکہ اس نے فوج کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیئے انگلستان کا نظام حکومت اب بالکل تباہ ہو گیا تھا بادشاہ و امرا بالکل غائب ہو گئے تھے اور دار العوام کا بھی صرف ایک جزو باقی رہ گیا تھا۔ تمام اختیارات تنہا فوج کے ہاتھ میں تھے اور اس وقت کا سب سے زیادہ آتش انگیز سوال یہ تھا کہ آیا فوج کا یہ انقلابی گروہ کوئی نیا نظام حکومت اپنے نئے طریقے پر بنا سکے گا یا نہیں۔

دولت عامہ و محمیت

۱۶۴۹ - ۱۶۶۰

دولت عامہ

بادشاہ کے قتل کے بعد پارلیمنٹ کے حصۂ باقی نے یہ تجویز منظور کی کہ انگلستان اب ایک دولت عامہ ہے اور حکومت کے

عاملانہ کاموں کو انجام دینے کے لیئے عارضی طور پر ایک مجلس سلطنت بنادی

کرامول کا آئرلینڈ (۱۶۴۹) و اسکاٹلینڈ (۱۶۵۱) کو مطیع کرنا:

اس نوزائیدہ سلطنت جمہوری کے لیئے کام بہت موجود تھے کیونکہ آئرلینڈ اور اسکاٹلینڈ میں چارلس دوم نے اپنے کو بادشاہ مشتہر کردیا تھا، مجلس سلطنت اس امر پر مصر تھی کہ ان ملکوں کو سیاسیات میں جداگانہ روش نہ اختیار کرنے دینا چاہیئے اس لیئے کرامول ان سلطنتوں کے خلاف روانہ کیا گیا ڈروہیڈا اور وکسفرڈ میں انتہائی خونریزی وقتل عام کے بعد اس نے ۱۶۴۹ء میں اہل آئرلینڈ کو اطاعت پر مجبور کردیا۔ اس کام سے فارغ ہوکر یہ فاتح اسکاٹلینڈ کی طرف متوجہ ہوا اور بمقام ڈنبار میں اس کے سپاہیوں نے جن کے مزاج اسی لوہے کے مانند سخت تھے جن سے وہ کام لے رہے تھے، ۱۶۵۰ء میں ایک اسکاٹلینڈی فوج کو منتشر کردیا، اور جب ایک دوسری فوج جسمیں چارلس دوم بھی شامل تھا سرحد سے پار ہوکر اس امید میں انگلستان کے اندر داخل ہوئی کہ وہاں بغاوت برپا کردیگی تو کرامول بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ اور (۱۶۵۱ء میں) عین انگلستان کے وسط میں بمقام وارسٹر اسے جالیا اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی فتح حاصل کی چارلس دوم اپنی جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح براعظم میں پہنچ گیا لیکن اہل اسکاٹلینڈ مطیع ہوگئے اور اس طرح دولت عامہ کا اقتدار تمام برطانیہ عظمے اور آئرلینڈ میں قائم ہوگیا:

پارلیمنٹ کے حصۂ باقی کی برطرفی ۱۶۵۳ء

اب انگلستان کو امن حاصل ہوجانے کے بعد، ایک مستقل حکومت کا سوال زیادہ اہم ہوگیا۔ ہر شخص ایک پائدار انتظام کے لیئے شور مچارہا تھا صرف پارلیمنٹ کے حصۂ باقی کو کچھ عجلت نہیں تھی اور وہ پچاس ساٹھ ارکان جو اس پارلیمنٹ میں شامل تھے اپنے اختیارات کا لطف اُٹھانے کے لیئے اپنے مقامات پر جمے رہنا چاہتے تھے۔ اپریل ۱۶۵۳ء میں کرامول نے اس قسم کی پارلیمنٹ سے کسی نفع حاصل ہونے سے مایوس ہوکر یہ عزم کرلیا کہ انکا

خاتمہ کر دے۔ چنانچہ اُس نے سپاہیوں کا ایک دستہ ہمراہ لے کر پارلیمنٹ پر حملہ کر دیا۔ اور ارکان کو اپنے گھروں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ غصے میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کر کے چلا اُٹھا کہ "آؤ آؤ اس قسم کی باتیں بہت ہو چکیں اب یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ تم لوگ ذرا دیر بھی اس جگہ پر بیٹھو" اس طرح قدیم نظام سلطنت کا یہ آخری جزو بھی فنا ہو گیا؛

کرامول کو اب جن مشکلات کا سامنا تھا ان کا صرف ایک ہی حل ہو سکتا تھا کہ ایک نئی پارلیمنٹ آزادانہ طور پر قوم کی طرف سے منتخب کی جائے۔ لیکن اس قسم کی پارلیمنٹ فوراً ہی بادشاہ کو واپس بلالیتی اور کرامول اس امر پر جما ہوا تھا کہ اس مقصد عظیم کی ناکامی کو تسلیم کرنے کے قبل ہر ایک امکانی کوشش کر کے دیکھ لے۔ پس چند لاحاصل ردوبدل کے بعد اس نے ایک نظام سلطنت منظور کر لیا جسے "توقیع حکومت" کہتے ہیں اس "توقیع حکومت" کو اس کی فوج کے افسروں نے مرتب کیا تھا

اولیور محافظ سلطنت

اور اس میں کرامول لارڈ پروٹکٹر (محافظ سلطنت) نامزد کیا گیا تھا۔ اس "توقیع" کے بموجب اولیور (محافظ سلطنت) اور ایک مجلس سلطنت تمام عاملانہ کاموں کو انجام دینے کے لیئے مقرر ہوئی تھی اور پارلیمنٹ کو جس کا صرف ایک ہی ایوان پر مشتمل ہونا قرار پایا تھا اور جس میں سے بادشاہ کے تمام طرفدار خارج کر دیئے گئے تھے حکومت کے فرائض وضع قوانین کا انجام دینا سپرد ہوا تھا انگلستان جن سیاسی مشکلات میں پھنس گیا تھا، اس کے حل کے لیئے یہ نئی کوشش اور تمام صورتوں کے بہ نسبت زیادہ قریب العمل تھی لیکن بدقسمتی سے اسے جو کچھ جزوی کامیابی بھی حاصل ہوئی وہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ یہ نیا نظام حکومت عملی طور پر ایک نہایت ہی قابل شخص کے تحت میں دیدیا گیا تھا؛

محمیت اندرون ملک میں ناکامیاب رہی؛

بہ حیثیت محافظ سلطنت کے اولیور کا پانچ برس (۱۶۵۳ء-۱۶۵۸) کا دور حکمرانی مشکلات سے بھرا رہا۔ اس کی پہلی

پارلیمنٹ اس امر پر مصر رہی کہ "توقیع حکومت" پر نظر ثانی کرنا چاہیئے
چونکہ اس سے تمام طے شدہ معاملات کو زیر بحث لانے کی ضرورت
لاحق ہوئی تھی اس لیئے اولیور نے غصے میں آکر جنوری ۱۶۵۵ء میں پارلیمنٹ
کو برطرف کردیا اور کچھ زمانے کے لیئے خود بغیر پارلیمنٹ کے حکومت
کرتا رہا۔ اس کے قتل کی کوششیں پے درپے ہوتی رہیں۔ جمہوریت
پسندوں کی سازشیں شاہ پرستوں کی شورشیں اور اقتدار و اختیار کے
لوازمات کی فکر و پریشانی سے اسے نجات نہیں ملتی تھی، لیکن اس کی
باہمت طبیعت میں مطلق فرق نہیں آتا تھا، اور ہر ایک مشکل کے نمودار
ہوتے ہی وہ اس کے تدارک کے لیئے آمادہ ہوجاتا تھا۔ چونکہ قوم کی
شرکت کے ساتھ حکومت کرنا اس سے بہتر تھا کہ بغیر قوم کی شرکت کے حکومت
کی جائے اس لیئے اس نے ۱۶۵۶ء میں ایک دوسری پارلیمنٹ طلب کی
اور کچھ زمانے تک اس پارلیمنٹ کے ساتھ اس کے معاملات زیادہ ہموار
طور پر چلتے رہے۔ انگریزوں کی روایتی قدامت پسندی کا اثر اس مجلس پر
غالب تھا اور اس نے یہ کوشش کی کہ قدیم نظام حکومت کے طریق کو
پھر بحال کردے۔ اس نے اولیور کے سامنے تاج شاہی تک پیش کردیا
لیکن اس نے (اولیور نے) اس اعزاز سے انکار کردیا اور بہت جلد
نئے مناقشے پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے فروری ۱۶۵۸ء میں یہ پارلیمنٹ
بھی برخاست کردی گئی۔

انگلستان نے رواداری کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

اولیور، رواداری کے جس اصول عظیم کا حامی تھا اس نے
اس تمام دوران میں کچھ ترقی نہیں کی۔ اولیور کا خیال
یہ تھا کہ تمام پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو خواہ وہ حکومت
اساقفہ کے ماننے والے ہوں، پرسبٹیرین ہوں، یا پیورٹین
سب کو قانون کی حفاظت عطا کی جائے لیکن اس زمانے کے مذہبی غلو نے
حصۂ کثیر کو اس امر سے روک رکھا تھا کہ وہ اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے
سوا کسی اور کو کوئی حق عطا کریں، نہ وہ اپنے اوپر یہ لازم سمجھتے تھے کہ کسی

اور عقیدے والے کے ساتھ مصالحت کرلیں۔

کرامول کے مخالفوں بلکہ خود اس کے پیرؤوں کی عداوت نے اُسے جلد تر اپنے اصول کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ ۱۶۵۵ء میں اُس نے اُن لوگوں کی دار وگیر شروع کردی جو عام کتاب ادعیہ پر قائم تھے، اور اپنے انتقال کے بہت قبل اُسے یہ تلخ تجربہ حاصل ہوگیا کہ اس پیورٹنی دولت عامہ کی حکومت کسی ایسے اصول پر نہیں قائم ہے جو قوم کے دلوں میں راسخ ہوگیا ہو بلکہ اس کا انحصار تمامتر ایک شخص واحد کے عزم و قوت پر ہے۔

محمیت بیرون ملک میں کامیاب رہی۔

لیکن اولیور اگر ایک طرف خود اپنے ملک کے اندرونی معاملات میں برابر ناکامیاب ہوتا جاتا تھا تو دوسری طرف بیرون ملک میں اُسے کامیابی پر کامیابی حاصل ہوتی جاتی تھی۔ ۱۶۵۲ء سے ۱۶۵۴ء تک اہل ہالینڈ سے جنگ جاری رہی جو مشہور قانون جہازرانی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اہل ہالینڈ نے سترھویں صدی میں دنیا کی باربرداری کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ۱۶۵۱ء کے قانون جہازرانی کی رو سے پارلیمنٹ نے یہ کوشش کی کہ وہ اس تجارت کا کچھ حصہ انگلستان کے قبضہ میں لے آئے۔ اس قانون کی رو سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ انگلستان میں جو مال آوے وہ انگریزی جہازوں پر یا ان ممالک کے جہازوں پر آئے جہاں مال تیار کیا گیا ہو۔ اہل ہالینڈ نے اس نقصان کے برداشت کرنے کے بجائے جنگ کا اعلان کردیا، مگر چند شکستوں کے بعد انھیں اس قضائے مبرم کو قبول کرنا پڑا۔

جنگ اسپین

اس کے بعد ہی بہت جلد اولیور نے اسپین کے خلاف فرانس سے اتحاد کرلیا اور جزائر غرب الہند میں انگریزی بیڑے نے جمیکا کو اسپین کے ہاتھ سے نکال لیا۔ اور ڈیونز پر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی متفقہ فتح کے بعد اسپینی ندرلینڈز کے اضلاع میں سے ڈنکرک، کرامول کے قائم مقاموں کے حوالے کردیا گیا۔ الزبتھ کے بعد سے

انگلستان کے نام کو یہ وقعت نہیں حاصل ہوئی تھی جو اُسے اب حاصل تھی ؛

محافظ سلطنت کا انتقال ۳ر ستمبر ۱۶۵۸ء

غرض اسی طرح اپنے آخر وقت تک محافظ سلطنت نے زمام ملک کو مضبوطی کے ساتھ اپنے قبضہ میں رکھا مگر اُسکی اس وسیع ذمہ داری کی وجہ سے اس کی صحت خراب ہو گئی تھی اور ۱۶۵۸ء کی تیسری ستمبر کو جس کے ماقبل ایک سخت طوفان تمام ملک میں آچکا تھا، اس کا انتقال ہو گیا ؛

طوائف الملوکی

کرامول کے انتقال کے ایک برس بعد تک بالکل طوائف الملوکی پھیلی رہی۔ اگرچہ اولیور کا بیٹا رچرڈ کرامول (جو ایک معمولی لیاقت کا شخص تھا) کچھ مدت (یعنی اپریل ۱۶۵۹ء) تک حکومت کرتا رہا مگر جمہوریت کی روح مردہ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سپاہیوں نے اپنی اپنی قابلیت کی آزمائش کی یہانتک کہ طویل العہد پارلیمنٹ بھی ایک مرتبہ پھر منظر عام پر آگئی۔ ظاہر ہے کہ اس تمام ردوبدل کے بعد صرف ایک ہی چارہ کار باقی رہ گیا تھا کہ چارلس دوم کا انتخاب کر لیا جائے۔ یہ ضروری تھا کہ اس غیر حاضر بادشاہ کی جانب سے کوئی زبردست شخص کارروائی کرے اور امن وامان کو بحال رکھے۔ چنانچہ جنرل جارج منک اس کام کے لئے پیدا ہو گیا۔ منک، کرامول کے نہایت قابل مددگاروں میں سے تھا اُس نے اب اصلی حالت سے اپنی آنکھوں کو زیادہ بند رکھنا مناسب نہ سمجھا اور یہ عزم کر لیا کہ خاندان اسٹوارٹ کو واپس لاکر قدیم نظام سلطنت میں نئی روح پھونک دے۔ چارلس دوم سے صرف اتنی خواہش کی گئی کہ وہ عام معافی کا وعدہ کرلے۔ چارلس نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ایک مہینہ بعد (مئی ۱۶۶۰ء میں) وہ ڈاور پر اُترا تو تمام قوم نے ایک دل ہو کر اس کا خیر مقدم کیا۔ چند روز قبل ایک نئی پارلیمنٹ نے باضابطہ طور پر قدیم نظام سلطنت کو بحال کر دیا تھا۔ جس کے الفاظ یہ تھے کہ "حکومت بذریعہ بادشاہ اُمرا اور دارالعوام کے ہوتی ہے اور ہونا چاہئے"۔

رجعت شاہی۔ چارلس دوم (۱۶۶۰-۱۶۸۵) و جیمز دوم (۱۶۸۵-۸۸)

رجعت شاہی سے طرز زندگی و عادات و اطوار میں تغیر پیدا ہو گیا۔

انگلستان میں جو بادشاہ بہت ہر دلعزیز رہے ہیں اُن میں

چارلس دوم کا درجہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ مگر اس کی قابلیتوں سے زیادہ اس کے عیوب اس کی ہر دلعزیزی کا باعث تھے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ رجعت شاہی ایک نہایت ہی پیچیدہ تحریک ہے، اس سے صرف یہی نہیں ظاہر ہوتا کہ پیورٹینوں نے حکومت کو جس طریق پر چلانا چاہا وہ ناکام رہا بلکہ انھوں نے نظم معاشرت کو جس سخت و بے کیف طرز زندگی کے تحت میں لانا چاہا اس سے بھی لوگ برگشتہ ہو گئے تھے۔ پس جس طرح دیر کا پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے اسیطرح رجعت شاہی کے زمانہ کے انگریز بہت ہی حریصانہ طور پر شان و شوکت اور عیش پرستی کی طرف جھک پڑے۔ عیاشی اس زمانہ کی وضع میں داخل ہو گئی تھی اور چونکہ چارلس بداطواری دل لگی اور خوش طبعی میں اپنے وقت میں مثال کامل تھا اس لئے وہ ایک ہر دلعزیز ہیرو بن گیا تھا۔

اب جبکہ بادشاہی پھر قائم ہو گئی تو یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا بغاوت ہوئی ہی نہ تھی کیونکہ بادشاہ و پارلیمنٹ کے مابین جنگ شروع ہونے کے قبل جو آئینی مسائل پیش تھے وہ زیادہ تر بحال خود قائم رہے، لیکن فی الوقت امن امان کے بحال ہو جانے سے ہر شخص خوشی میں اسدرجہ غرق ہو گیا تھا کہ بادشاہ کے اختیار خاص کا مسئلہ نظروں سے ساقط ہو گیا۔

کیو یلیر پارلیمنٹ (شاہ پرستوں کی پارلیمنٹ)

سنہ ۱۶۶۱ء میں جو پارلیمنٹ منتخب ہوئی اور اٹھارہ برس تک اس کے اختیارات بحال رہے وہ بالتخصیص کیو یلیر پارلیمنٹ (شاہ پرستوں کی پارلیمنٹ) کہلاتی ہے اور ملک کے خیالات میں جو بازگشت پیدا ہو گئی تھی وہ اس پارلیمنٹ سے صاف عیاں ہے وہ خود بادشاہ سے بھی زیادہ حقوق شاہی کی مؤید تھی۔ اس کے سیاسی خیالات کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ اس نے یہ قرار دیدیا تھا کہ کوئی شخص جائز طور پر بادشاہ کے خلاف ہتیار نہیں اٹھا سکتا۔ کیو یلیر پارلیمنٹ، کلیسائے انگلستان اور صرف کلیسائے انگلستان کی حامی تھی اور جو لوگ اس کلیسا سے متفق نہیں تھے اُن کے خلاف اس نے دارو گیر کی ایک سخت روش اختیار کر لی تھی۔

قانون مجلس بلدیہ ۱۶۶۱ء	۱۶۶۱ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون مجلس بلدیہ نافذ کیا، جس کا منشاء یہ تھا کہ جو شخص کسی مجلس بلدیہ میں کوئی بھی عہدہ رکھتا ہو اس کو یہ حلف لینا پڑے گا کہ وہ بادشاہ کے

خلاف کسی قسم کی مقاومت نہیں کریگا، اور کلیسائے انگلستان کے رسوم کے موافق اصطباغ وغیرہ لیگا اس کارروائی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں کی حکومت سے ایسے تمام لوگ خارج ہو گئے جو کلیسائے انگلستان کے پیرو نہیں تھے۔

جدید قانون اتحاد عبادت ۱۶۶۲ء	اس کے بعد دوسرے سال ایک نیا قانون اتحاد عبادت نافذ ہوا، جس کی رو سے وہ تمام پادری اپنی جگہوں سے ہٹا دیئے گئے جو عام کتاب ادعیہ کے ہر ایک جزو سے

اتفاق نہ کرتے ہوں۔ سیکڑوں پیورٹینی اور پرسبٹیرینی پادری اس سے اتفاق کرنے کے بجائے اپنے مذہبی عہدوں سے دست بردار ہو گئے اور اس کے بعد سے یہ لوگ اور اصطباغی اور کوئکر وغیرہ دوسرے فرقے جو

ڈسنٹر (منحرف)	حال میں پیدا ہو گئے تھے سب ایک عام نام "منحرف" کے تحت میں آ گئے۔
اصلی دشمن، مذہب رومن کیتھولک تھا۔	کیویلیر پارلیمنٹ کو اگر یہ یقین نہ دلایا جاتا کہ منحرفوں کے ساتھ جو کچھ بھی رواداری کی جائے گی اس سے رومن کیتھولکوں کو نفع اٹھانے کا ایک موقع مل جائے گا تو اغلب یہ ہے

کہ وہ قومی مذہب پر اس شدت کے ساتھ زور نہ دیتی مگر واقعہ یہ ہے کہ خاص اس موقع پر حامیان پوپ کے خلاف ملک میں شکوک و شبہات بہت بڑھ گئے تھے کیونکہ مذہب کی حمایت میں دربار کی طرف سے خفیہ ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں۔ محل کے گوشوں کے اندر جو رازدارانہ باتیں ہو رہی تھیں اگر وہ وسٹ منسٹر میں معلوم ہو جاتیں تو پھر اس میں شک نہیں کہ مذہبی قوانین اور بھی سخت ہو جاتے کیونکہ چارلس اگرچہ اصلیت کے ظاہر کرنے سے خائف تھا مگر رجعت شاہی کے تھوڑے ہی زمانہ بعد اس نے خفیہ طور پر مذہب کیتھولک کو قبول کر لیا تھا۔

غیر ملکی حکمت عملی

جو بادشاہ مذہبی معاملات میں اپنی رعایا سے اس قدر کم متفق ہو اس سے یہ توقع کب ہو سکتی تھی کہ وہ غیر ملکی معاملات میں اُن کا ساتھ دیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے انگلستان کی رہبری بہت کمزوری کے ساتھ، غیر عاقلانہ طور پر کی۔ اس کے ہر فعل کا مدار کار صرف اس پر تھا کہ اسے اہل ہالینڈ سے نفرت اور شاہ فرانس، لوئی چہاردہم سے الفت تھی ؛

رجعت شاہی کے بعد کی پہلی جنگ ہالینڈ ؛ ۱۶۶۴ - ۱۶۶۷

۱۶۵۱ء کے قانون جہازرانی کی وجہ سے اہالی ہالینڈ اور انگریزوں کے درمیان تجارتی رقابت بہت سخت ہو گئی تھی اسلئے اس تعجب کی مطلق کوئی وجہ نہیں ہے کہ اولیور کے زمانے کی جنگ کے بعد بہت جلد دوسری جنگ برپا ہو گئی جو رجعت شاہی کے بعد کی پہلی جنگ ہالینڈ کہلاتی ہے اور جو ۱۶۶۴ء سے ۱۶۶۷ء تک جاری رہی دونوں قوموں نے خود کو دلیر و جانباز جہازران ثابت کر دیا، اور جب صلحنامے پر دستخط ہو گئے تو انگلستان نے اہل ہالینڈ کے حق میں جہازرانی کے قواعد کو کسی قدر نرم کر دیا اور اہل ہالینڈ نے اپنی نوآبادی نیوامسٹرڈم انگلستان کو دیدی جس کا نام بعد کو نیویارک رکھا گیا

لوئی اور چارلس کی دوستی

یہ وہ زمانہ تھا جب فرانس کو یورپ کی سیاسیات میں غلبہ حاصل تھا۔ تمام صورت حالات پر جو امر خاص طور پر حاوی تھا وہ یہ تھا کہ لوئی چہاردہم اس فکر میں لگا تھا کہ اپنے ہمسایوں کے ممالک کو دبا کر اپنی سلطنت کو بڑھائے۔ فرانس کے رقیب ہونیکی حیثیت سے انگلستان کی صحیح روش یہ ہونا چاہیئے تھی کہ وہ اس دراز دست شخص کے خلاف مظلوموں کی حمایت کرتا، مگر چارلس نے اپنی روش کو اپنے ذاتی خیالات کے تابع کر دیا تھا۔ اس کی عیاشانہ زندگی کا یہ طبعی نتیجہ تھا کہ وہ ہمیشہ روپئے کی مشکل میں پھنسا رہتا تھا ضیافت و تفریح اور درباریوں اور منظور نظر عورتوں کے انعام و اکرام میں خزانہ کا خزانہ خالی ہو جاتا۔ اس لیئے روپئے کا حاصل کرنا چارلس کی زندگی کا مقصد اولین بن گیا تھا، اور لوئی چہاردہم کی عیارانہ طبیعت اسے اپنے انگلستان کے بھائی کو زیر بار احسان کرنے کے لیئے ہمہ تن آمادہ

رکھتی تھی۔ بشرطیکہ وہ (لوئس) اپنے پیش نظر مناقشات میں انگلستان کی معاونت یا کم از کم اس کی غیر جانبداری حاصل کر لے۔ چنانچہ شاہ فرانس نے اب اسپینی ندرلینڈز پر حملہ کر کے ۱۶۶۷ء میں اپنی دست درازیوں کی ابتدا کی لیکن چند شہروں پر قبضہ کرنے کے بعد اسے مجبوراً رک جانا پڑا جس کی وجہ کسی حد تک اتحاد ثلاثہ کا قائم ہو جانا بھی تھا جس میں انگلستان ہالینڈ و سویڈن داخل تھے۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ لوئس نے اہل ہالینڈ سے انتقام لینے کا عزم کر لیا ہو۔

معاہدۂ ڈاور ۱۶۷۰ء

ڈاور کے خفیہ معاہدے کے ذریعے سے اس نے چارلس کو اپنا طرفدار بنا لیا اور ایک رقم خطیر دیکر اسے اس امر پر راضی کر لیا کہ اہل ہالینڈ کے خلاف مجوزہ جنگ میں وہ اسکے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ چارلس نے اپنی جگہ پر یہ شرط کی کہ وہ اپنے رومن کیتھولک ہونے کا اعلان کر دیگا، اور اگر اس کے اس تبدیل مذہب کی خبر سے اس کی رعایا اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہو تو وہ لوئس کی مدد قبول کرے گا۔

رجعت شاہی کے بعد کی دوسری جنگ ہالینڈ ۱۶۷۲-۱۶۷۴

آخر الامر ۱۶۷۲ء میں جب سب سامان مکمل ہو گیا تو لوئس و چارلس نے اہل ہالینڈ پر حملہ کر دیا، یہی حملۂ انگلستان میں رجعت شاہی کے بعد کی دوسری جنگ ہالینڈ کے نام سے موسوم ہے۔ چارلس کو ابھی تک یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے اصلی مذہب کا اعلان کر دے لیکن جب عین جنگ کے شروع ہونے کا وقت آگیا تو اس نے رواداری کے متعلق ایک فرمان جاری کیا، جو عام طور پر "اعلان مراعات" کے نام سے مشہور ہے۔ اس اعلان نے پارلیمنٹ کے قوانین تحریری کے علی الرغم رومن کیتھولکوں اور منحرفوں کو عبادت کی آزادی دیدی۔ اس قسم کے اعلان سے ہمارے زمانہ میں ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے مگر اس پر رائے قائم کرتے وقت یہ یاد رکھنا

اعلان مراعات

چاہئے کہ اس کام میں نیت خراب تھی۔ لوگوں نے

اسے محسوس کیا اور جب پارلیمنٹ جمع ہوئی تو اس کا انداز اس قدر مخالفانہ ہوگیا کہ بادشاہ نے (۱۶۷۳ء میں) اس اعلان کو واپس لے لیا۔ اس کے بعد اس جنگ میں چارلس کو کچھ دلچسپی باقی نہیں رہی اور انگریزوں کی قوم یوماً فیوماً اس امر کو محسوس کرنے لگی کہ ان کے اصلی دشمن اہل ہالینڈ نہیں بلکہ فرانسیسی ہیں اس لئے چارلس نے عام دباؤ سے مغلوب ہوکر ۱۶۷۴ء میں صلح کرلی۔ پس عہد نامۂ ڈاور کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ اہل ہالینڈ اپنی زندگی و آزادی کے لئے ایک اور جانبازانہ جنگ میں پھنس گئے۔ انھوں نے اپنے حکمران ولیم (آرنج) کے تحت میں اس سختی کے ساتھ مدافعت کی کہ لوئی چہاردہم کو بھی آخر کار چارلس کی پیروی کرنا پڑی۔ اور ۱۶۷۸ء کی صلح نموجن کی رو سے وہ بھی اس کشمکش سے دست بردار ہوگیا۔

قانون اختیار ۱۶۷۳ء

پارلیمنٹ کو صرف اس امر سے اطمینان نہیں ہوا کہ اس نے بادشاہ کو اپنے اعلان مراعات کے واپس لے لینے پر مجبور کردیا بلکہ دربار کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے ملک کو اور زیادہ محفوظ کرنے کے لئے اس نے اپنے غیر روادارانہ مذہبی قوانین میں ایک سب سے اہم قانون کا اضافہ کردیا۔ یہ قانون ۱۶۷۳ء کا وہ قانون اختیار[1] تھا۔ ۱۶۶۱ء کے قانون مجالس بلدی نے اس کے قبل ہی بلدی محکموں کو کلیسائے انگلستان کی پیروی نہ کرنے والوں سے صاف کردیا تھا۔ اب اس قانون اختیار کی رو سے یہ اخراج ہر قسم کے عہدہ داروں تک وسیع ہوگیا۔

۱۶۸۱ء تک پارلیمنٹ میں ایک زبردست فریق بسر کردگی شیفٹسبری بہت شدت کے ساتھ چارلس کی مخالفت کرتا رہا، وزیر اعظم ڈینبی پر اعتراضات ہوئے اور اس پر مقدمہ چلایا گیا، اور جب حامیان پوپ کی ایک فرضی سازش

---

[1] اس قانون کو قانون اختیار اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کسی عہدے پر فائز ہونے کے قبل ہر شخص کے عقیدے کی جانچ کیجاتی تھی کہ آیا وہ کلیسائے انگلستان کے مقرر کردہ طریق کے مطابق اصطباغ وغیرہ لینے پر راضی ہے یا نہیں۔

کی وجہ سے تمام ملک میں ہیجان و اضطراب برپا ہو گیا تو ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش ہوا کہ جیمز ڈیوک یارک کو وراثت تخت سے محروم کر دیا جائے یہ قانون محجوبیت اگرچہ دارالعوام میں منظور ہو گیا مگر دارالامراء نے اسے مسترد کر دیا اور جب ۱۶۸۱ء میں پارلیمنٹ آکسفورڈ میں جمع ہوئی تو شیفٹسبری اور اس کے پیرووں کی زیادتیوں سے کے خلاف خیالات میں بازگشت پیدا ہو رہی تھی ۱۶۸۱ء سے ۱۶۸۵ء تک چارلس کو کسی قسم کی مخالفت سے زحمت نہیں اٹھانا پڑی اور اس کا اقتدار سب پہ غالب رہا؛

چارلس دوم کا انتقال ۱۶۸۵ء

پچیس برس کی حکمرانی کے بعد ۱۶۸۵ء میں چارلس کا انتقال ہو گیا۔ اپنے بستر مرگ پر اس نے وہ کیا جس کے کرنے سے وہ زندگی میں خائف رہا کرتا تھا، یعنی اس نے اپنے رومن کیتھولک ہونے کا اقرار کر لیا؛

پارلیمنٹی فریقوں کا پیدا ہونا وہگ اور ٹوری؛

چارلس کی حکومت کی اس خصوصیت کو نظر غائر سے دیکھنا چاہیئے کہ اس کے دور میں سیاسی زندگی کو ترقی حاصل ہوئی۔ اسی کے زمانے میں پہلی مرتبہ معینہ تجاویز عمل کے ساتھ ایسے سیاسی فریق قائم ہونے لگے جن کے انتظام میں بقا و دوام کی جھلک نظر آتی تھی۔ یہی وہ فریق تھے جو وہگ اور ٹوری کے نام سے مشہور ہوئے، اور جس خاص مسئلہ پر ان میں یہ تفریق پیدا ہوئی وہ رواداری کا مسئلہ تھا۔ ٹوری جنھیں زیادہ تر قصبات کے چھوٹے درجے کے معززین داخل تھے یہ چاہتے تھے کہ منحرفوں کے لیئے کسی قسم کی رواداری جائز نہ رکھی جائے وہگ جن میں زیادہ تر بڑے بڑے امرا اور متوسط طبقے کے لوگ داخل تھے اُن کی خواہش یہ تھی کہ انصاف کا برتاؤ کرنا اور اسکو ترقی دینا

سلہ۔ ابتداءً یہ نام طنزیہ طور پر استعمال ہوتے تھے۔ "ٹوری" کا لفظ آئرش زبان سے نکلا ہے اور اسکے معنی "قزاق" کے ہیں۔ "وہگ" کا لفظ "وہگم" سے نکلا ہے۔ اسکاٹلینڈ کے کسان اس لفظ سے اپنے گھوڑوں کو ہانکتے ہیں فریق کے نام کے طور پر اس لفظ کے استعمال سے مقصود یہ تھا کہ یہ لوگ بزدل "ہودکو نیشہ" ہیں؛

چاہیئے لیکن چونکہ یہ دونوں فریق پروٹسٹنٹ تھے اس لیئے رومن کیتھولکوں کے لیئے رواداری کے انکار کرنے میں دونوں متفق تھے۔ اس کے بعد سے انگلستان کی تاریخ میں وہگ اور ٹوری کے کارناموں کی اہمیت برابر بڑھتی ہی رہی؛

جیمز غیر ہردلعزیز رہا۔

جیمز جو اپنے بھائی چارلس کا جانشین ہوا وہ نہ صرف رومن کیتھولک تھا (جس سے لامحالہ اسکے اور رعایا کے درمیان ایک ناقابل گزر دیوار حائل ہو گئی تھی) بلکہ اپنے باپ چارلس اول کی طرح حقوق خداداد کے خیالات بھی اس کے دل میں بھرے ہوئے تھے، اور وہ اُن خیالات پر اس سختی کے ساتھ جما رہا کہ اس سے زیادہ کسی بادشاہ کے لیئے ممکن نہ تھا؛

اس کا رومن کیتھولکوں کا سا طرز عمل؛

چونکہ جیمز بذات خاص مذہب رومن کیتھولک کا پیرو اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان گھرا ہوا تھا، اس لیئے کم از کم اتنا تو کرنا چاہیئے تھا کہ وہ بالکل خاموش رہتا، مگر اسکے دلمیں یہ خیال جاگزین ہو گیا تھا کہ اس کا منصب شاہی پر فائز ہونا صاف اس غرض سے تھا کہ وہ رومن کیتھولک مذہب کو ترقی دے۔ اس نے اتنی بھی تکلیف گوارا نہیں کی کہ احتیاط سے قدم آگے بڑھائے، اس نے ۱۶۸۷ء میں اپنے بھائی کی تقلید میں ایک اعلان مراعات شائع کر دیا، اور رومن کیتھولکوں اور منحرفوں کے خلاف ہر قسم کی تعزیری کارروائیاں معلق کر دیں۔ عام بددلی کی کچھ پروا نہ کرکے اس نے دوسرے سال ایک اور اعلان شائع کر دیا اور یہ حکم دیدیا کہ یہ اعلان ہر ایک منبر پر پڑھا جائے۔

اساقفہ کا مقدمہ ۱۶۸۸ء

اکثر پادریوں نے اس آزاردہ حکم کی بجاآوری سے انکار کر دیا، اور سات اساقفہ نے بادشاہ کے حضور میں ایک تحریری تعرض پیش کیا جیمز نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا کہ اُن لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ جون ۱۶۸۸ء میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور اس سے بے انتہا جوش پیدا ہو گیا؛

جیمز دوم کے یہاں لڑکے کا پیدا ہونا۔

یہ اور اسی قبیل کی اور بھی بہت سی بے ضابطگیوں کو لوگ کچھ دنوں تک صبر و سکون سے برداشت کر لیتے کیونکہ تخت کی آئندہ وارث میری جو جیمز کی پہلی بیوی سے تھی اور ولیم (آرنج) کو منسوب تھی، وہ پروٹسٹنٹ تھی۔ لیکن جب جون ۱۶۸۸ء میں جیمز کی دوسری بیوی کے لڑکا پیدا ہوا جسے قانون انگلستان کے موافق میری پر تقدم حاصل ہو جاتا تو تمام قوم میں ہل چل مچ گئی۔ یہ پہلے ہی سمجھ لیا گیا تھا کہ اس لڑکے کی تعلیم رومن کیتھولک مذہب کے موافق ہوگی اور اسطرح رومن کیتھولک سلسلہ مستقل ہو جائے گا۔ چونکہ لڑکے کا پیدا ہونا اور اساقفہ پر مقدمہ کا چلانا دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے (جون ۱۶۸۸ء) میں واقع ہوا، اس سے انگلستان میں ایک سرے سے دوسرے تک اضطراب پیدا ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چند محب وطن امرا نے ولیم (آرنج) اور اس کی بیوی میری کو یہ دعوت دی کہ وہ انگلستان کو خلاصی دلانے کے لیے اس ملک میں آئیں۔

۱۶۸۸ء کا شاندار انقلاب

نومبر ۱۶۸۸ء میں ولیم، انگلستان میں وارد ہوا، اور فوراً ہی ہر طبقے کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جیمز نے جو فوج اس کے خلاف روانہ کی اُس نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور جیمز نے دیکھا کہ ایک شخص بھی اس کا معاون و مددگار نہیں ہے۔ جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ اب کچھ باقی نہیں رہا ہے تو اس نے اپنی بیوی اور بچے کو فرانس بھیج دیا اور تھوڑے ہی زمانہ بعد خود بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گیا۔ غالباً تاریخ میں کسی اور انقلاب کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی جو بغیر خونریزی کے اس تیزی کے ساتھ عمل میں آیا ہو۔

تخت ولیم و میری کو پیش کیا گیا۔

ان حالات پر بحث کرنے کے لیے جو پارلیمنٹ جمع ہوئی اس نے یہ اعلان کر دیا کہ تخت خالی ہے اور اسے ولیم و میری کے حضور میں بہ حیثیت مشترک حکمراں کے پیش کیا۔ چونکہ ولیم و میری جائز وارث نہیں تھے اس لیے اس کارروائی سے عملاً یہ

اعلان کیا گیا کہ انگلستان کا حکمران پارلیمنٹ کا نامزد کردہ ہے اور اس کے بعد سے یہ مسئلہ کہ انگلستان کا بادشاہ اپنے عہدے پر حق خداداد کے ذریعہ سے قابض ہوتا ہے خاموشی کے ساتھ ترک کر دیا گیا۔

قانون حقوق ۱۶۸۹ء

علاوہ ازیں پارلیمنٹ نے بادشاہ کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو ۱۶۸۹ء کے "قانون حقوق" کے ذریعہ سے اور بھی مستحکم کر لیا، بموجب اس قانون کے اس نے یہ اعلان کر دیا کہ قانون بادشاہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہیں سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کا مقابلہ ختم ہو گیا اور پارلیمنٹ کو دوبارہ فتح حاصل ہوئی۔ اور یہ نئی فتح اس سے زیادہ قابل اطمینان تھی جو اس سے قبل کرامول کو حاصل ہوئی تھی، کیونکہ اس مرتبہ قدیم تاریخی نظام سلطنت کو تباہ نہیں کیا گیا تھا، بلکہ صرف قومی ضروریات کے مطابق اس میں ترمیم کر دی گئی تھی۔

قانون رواداری ۱۶۸۹ء

لیکن اس شاندار انقلاب نے اس سے کچھ اور زائد کام انجام دیا۔ یعنی ایک مذہبی مصالحت کے لئے بھی راستہ صاف کر دیا۔ وھگوں کی تحریک پر پارلیمنٹ نے تقریباً قانون حقوق کے ساتھ ہی ساتھ قانون رواداری بھی منظور کر لیا، جسکی رُو سے منحرفوں کو علانیہ عبادت کا حق عطا کر دیا گیا تھا، مگر سخت گیری کا قانون منسوخ نہیں ہوا تھا۔ اور رومن کیتھولکوں کے ساتھ اب بھی وہی سختی جاری تھی۔ لیکن قانون رواداری سے انگریزوں کے حصہ کثیر کی مذہبی ضروریات پورے ہو گئے اور اس کے وسیلہ سے مذہبی سکون پیدا ہو گیا۔ قانون حقوق اور قانون رواداری نے دستوریت کا ایک جدید و اصلی دور قائم کر دیا۔

علم ادب

سترھویں صدی کا علم ادب طرز زندگی کے وہ دو متضاد اصول پیش کرتا ہے جو "کیولیئر" اور "راؤنڈ ہیڈ" کے فریقانہ ناموں کے ساتھ ایک دوسرے سے جنگ آزما تھے۔ مذہب پیوریٹنی کی اخلاقی سختی اور اس کے شریفانہ و بلند خیالات کا اظہار ایک شاعر جان ملٹن کی پیراڈائز لاسٹ (ہبوط از جنت، ۱۶۶۷ء) میں ہوا ہے، اور ایک سادہ دل قصیدہ گو جان بنین کی

"پلگرمز پروگرس"، (سفرِ زائر ۱۶۷۸ء) نے اسے اور واضح کر دیا ہے، لیکن ان اشخاص اور ان کے متبعین کی علمی حکومت کا زمانہ بہت مختصر ہوا کیونکہ رجعت شاہی نے بہت جلد ان خیالات کو عیش پرستی و خوش طبعی کے اندر محو کر دیا۔ لامحالہ علم ادب بھی اس زمانے کی عام زندگی کی رومین بہ گیا، اور ملٹن و بنین کے جانشین وہ لوگ ہوئے جن کے عیش پرستانہ ڈراما اور علمی ہرزہ سرائیوں نے ایک نیا دور قائم کر دیا۔ جان ڈرائڈن، (۱۶۳۱-۱۷۰۱ء) اگرچہ خود ایک مستحکم صفات کا آدمی تھا مگر حالات سے مجبور ہو کر وہی اس رجعت شاہی کے بعد کے مصنفوں کا سرگروہ بن گیا۔

باب (۲۶)

غلبۂ فرانس بعہد لوئس چہاردہم

۱۶۴۳-۱۷۱۵

رشلو کی کارگزاریاں

رشلو نے اپنے کاموں سے یورپ میں فرانس کے غلبے کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ ہیوگینا ٹوں کے سیاسی حقوق کو تباہ اور امرا کی طاقت کو شکست کر کے اس نے شاہی اقتدار پر سے آخری رکاوٹ کو ہٹا کر اسے بالکل مطلق العنان بنا دیا تھا۔ غیر ملکی معاملات میں رشلو نے فرانس کو جنگ سی سالہ میں شامل کر دیا اور صلح وسٹ فیلیا سے فرانس

کے لئے حصول فوائد کا سامان کر دیا۔ (۱۶۴۸) لیکن عین اس وقت جبکہ فرانس اپنی اس بلند حیثیت پر پہنچنے والا تھا اسے پھر ایک مرتبہ خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا لیکن جیسا کہ بعد کو ثابت ہوا قدیم دور شاہی کا یہ آخری خطرہ تھا۔

رشلو کا جانشین مزیرن

لوئس سیزدہم کے انتقال (۱۶۴۳) کے بعد حکومت اس کی ملکہ این آسٹروی کے ہاتھ میں آگئی کیونکہ وہی پانچ سال کی عمر کے نئے بادشاہ کی ولی نامزد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وزیر اول کا عہدہ جس پر رشلو فائز تھا ملکہ کے معتمد کارڈنل مزیرن کو حاصل ہوا۔ مزیرن بھی (رشلو ہی کے مانند) کلیسا سے تعلق رکھتا اور نسباً اطالوی تھا۔ مزیرن، رشلو کے سیاسی منصوبوں کو نہایت دیانتداری کے ساتھ چلاتا رہا، مگر اپنے پیشرو کی طرح اسے بھی اُمرائے کبار کے حقد وحسد سے سابقہ پڑا اور ان امرا میں خاص الخاص شخص مشہور سپہ سالار کانڈی تھا۔ صلحنامۂ وسٹ فیلیا پر ابھی دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ (۱۶۴۸ ہی میں) بعض امرا تاج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، انھیں توقع یہ تھی کہ نئے وزیر میں وہ عزم واستقلال نہ ہوگا جو سابق وزیر میں تھا، لیکن واقعات نے یہ ظاہر کر دیا کہ انکا خیال بالکل غلط تھا۔ اگرچہ پیرس کی پارلیمنٹ (عدالت العالیہ) بھی ان عالی نسب باغیوں کے ساتھ شریک ہو گئی تھی اور اس طرح اس نئے ملکی فسادات میں کسی قدر عام تحریک کا رنگ پیدا ہو گیا تھا مگر پہلے ہی برس کے بعد

فرانڈ ۱۶۴۸-۱۶۵۳

فرانڈ کی حقیقت اس سے زیادہ باقی نہیں رہی کہ وہ اُمرا کے جاگیرانہ حقوق کے حاصل کرنے کی جدوجہد تک محدود ہو گئی۔ اس قسم کی کوشش کو ناکامیاب ہی ہونا چاہیئے تھا، اور اس کی اس وقت کی ناکامیابی کی خاص وجہ یہ تھی کہ فرانس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بادشاہ واُمرا کے جھگڑے میں اس کا نفع بادشاہ کی شرکت میں ہے۔

لہ۔ لوئس چہاردہم کی نابالغی میں مزیرن کے خلاف جن لوگوں نے شورش برپا کی تھی وہ فرانڈ کے نام سے مشہور رہیں گے

فرانڈ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ امرا کی جاگیرانہ حکمران جماعت کی حرکت مذبوحی تھی اور بس۔ اس شورش کے فرو ہو جانے کے بعد سے اُمرا بتدریج اطاعت شعار درباری بن گئے۔ اور پھر شاید ہی ایسا ہوتا ہو کہ ورسیلز کے ناچ ورنگ کی سیر سے زیادہ اہم کوئی اور کام ان کے پیش نظر رہتا ہو۔

جنگ اسپین

صلحنامۂ وسٹ فیلیا، فرانس اور خاندان ہیپسبرگ کی آسٹروی شاخ کے درمیان منعقد ہوا تھا۔ چونکہ اہل ہالینڈ کے اتفاق و اتحاد کے ساتھ فرانس نے اسپینی ندرلینڈز میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی اس لئے وہ اس پر آمادہ نہ تھا کہ بغیر معاوضہ کے اس سے دست بردار ہو کر ہیپسبرگ کی اسپینی شاخ سے بھی صلح کر لے۔ جب اس سے انکار کیا گیا تو صلح وسٹ فیلیا کے بعد بھی اسپین کے ساتھ جنگ جاری رہی حالانکہ اس صلح نے بقیہ یورپ میں سکون پیدا کر دیا تھا۔ فرانڈ کی شورش اسی زمانہ میں واقع ہوئی اور اس سے پانسہ پلٹ گیا اور چند برسوں تک اسپین کا پلہ بھاری معلوم ہونے لگا۔ لیکن جوں ہی فرانڈ مغلوب ہوا، مزیرن (انگریزوں کی امداد سے) معاً اس قابل ہو گیا کہ ہاتھ سے نکلی ہوئی زمین کو واپس لے لے اور اسپین کو شرائط کے قبول کرنے پر مجبور کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیرونی جنگ اور اندرونی انقلاب کے باعث یہ زمانہ اسپین کی جانکنی کا زمانہ تھا۔ جب اُس نے ۱۶۵۹ء میں فرانس کے

صلحنامۂ پرینیز ۱۶۵۹ء

ساتھ صلحنامہ پرینیز پر دستخط کیئے تو گویا اُس کے ساتھ ہی اپنے اس حق تفوق سے دست برداری پر بھی دستخط کر دئے جو کسی زمانے میں اُس نے یورپ میں حاصل کر لی تھی۔

لوئس چہاردہم کی شخصی حکومت

صلحنامۂ پرینیز کی شاندار کامیابیاں مزیرن کے قدم چوم رہی تھیں کہ ۱۶۶۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ پس لوئس چہاردہم نے جو تیس برس کی عمر کو پہنچ گیا تھا، یہ ارادہ کیا کہ حکومت کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اُس کے بعد سے فرانسیسی حکومت کے تمام کام عملاً اسی کے ہاتھ سے انجام پاتے رہے، کہا جاتا ہے کہ اُس نے ایک مرتبہ اپنے سیاسی نظریئے کو ان الفاظ

میں بیان کیا تھا کہ "میں ہی سلطنت ہوں"۔ اس فقرے سے اس کے عہد حکومت کا انداز نہایت ہی خوبی سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے کو سلطنت کا مطلق العنان مالک سمجھتا تھا اور اپنے وزرا کو محکوم کا ذمہ دار افسر اعلیٰ نہیں بلکہ محض محرر خیال کرتا تھا۔

مطلق العنانی بحق خداداد بن جاتی ہے۔

لوئس چہاردہم کے بہت پہلے سے یورپ میں مطلق العنانی موجود تھی، مگر لوئس نے مطلق العنان بادشاہوں کے گرد ایک نئی قسم کی تائید ایزدی کا ہالہ کھینچ دیا اور بادشاہوں کے حق خداداد کے عقیدے کو اس قدر شاندار بنا دیا اور عوام میں اس کے اثر کو اس درجہ راسخ کر دیا کہ اس سے قبل یہ بات کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

بادشاہ کے اصلاحات

یہ ایک شگون نیک تھا کہ لوئس نے ابتداً اس طرح کی حکومت کے کل پرزوں کو ترقی دینے کی طرف بہت زیادہ توجہ کی۔ اس نے سفرا کے خدمات از سر نو مرتب کیے، انتظامی اثر کو زیادہ قوی بنایا، فوج و بیڑے کو وسعت دی۔ مالیات کی ابتری کو رفع کر کے اس کو مضبوط بنیاد پر قائم کیا۔ ان تمام معاملات میں بادشاہ کا سب سے زیادہ قابل مددگار

کولبرٹ

جین کولبرٹ تھا (۱۶۱۹ - ۱۶۸۳) کولبرٹ بادشاہ کا وزیر مال تھا، اور محض غبن و خیانت کا سد باب کر کے اس نے سلطنت کے سالانہ نقصان کو توفیر کی صورت میں بدل دیا تھا۔

کولبرٹ نے تجارت کا حفاظتی طریقہ جاری کیا۔

کولبرٹ اقتصادیات کا بھی بہت بڑا عالم تھا، اور پروٹکشن (حفاظت تجارت) کے طریق کا وہی بانی مبانی سمجھا جاتا ہے اسے قومی دولت کے بڑھانے کی خواہش تھی اور اسی مقصد کے حاصل کرنے کے خیال سے اس نے برآمد کی ہمت افزائی کی اور درآمد کو حد امکان گھٹانا چاہا۔ علمی حیثیت سے یہ طرز عمل صحیح ہو یا غلط مگر جہاں تک فرانسیسی صناعوں کا تعلق ہے انھیں کولبرٹ کے تحت میں یقیناً نفع پہنچا۔ اور فرانس کے ریشم زربفت، اور شیشے نے تمام دنیا کے بازاروں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس وقت تک قابض ہیں۔ کولبرٹ نے سڑکوں

اور نہروں کا قابل تعریف سلسلہ جاری کر کے اندرون ملک کی آمد و رفت کو بھی ترقی دی اور نوآبادیوں کی جدوجہد کی بھی تائید کی۔ اسی زمانے میں غرب الہند لوسینیا، اور ہندوستان میں فرانسیسی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔

بد قسمتی سے لوئس کی ان کامیابیوں نے اسکے سر میں ہوا بھر دی وہ ابھی ایک نوجوان شخص تھا اور اس نے صرف چند ہی برس حکومت کی تھی کہ اسے

لوئس فاتح بنتا ہے

یہ نظر آنے لگا کہ وہی تمام یورپ کا مرجع عام ہو گیا ہے، اگر وہ یہ کہتا کہ تمام دنیا میں اس کی قوت سب سے فائق تھی تو بالکل بجا ہوتا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ جس قدر اس کا درجہ بلند ہے اسی قدر اسکے ہمسائے اس کے سامنے پست ہیں تو اب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ان لوگوں کو اپنا تابع بنا لینا چاہیئے۔ یہ کوئی بہت بڑی اولوالعزمی کا خیال نہیں تھا تاہم یہ خیال اس پر غالب آگیا۔ پس ۱۶۶۷ء میں اس کی زندگی کے دور مداخلت و فتح کا آغاز ہوا، لیکن چند شاندار نتائج کے بعد پے در پے ایسی تباہیاں پیش آئیں کہ جس شخص کے راستے میں خوشبوئیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے مداح درباری اس کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے، اس کا خاتمہ ذلت و بدنامی پر ہوا۔

لوئس کی لڑائیاں

لوئس کی بقیہ زندگی کا بیشتر حصہ چار عظیم الشان لڑائیوں کی نذر رہا۔ ۱۔ جنگ حقوق زوائلہ (۱۶۶۷ - ۱۶۶۸)۔ ۲۔ جنگ اہل ہالینڈ (۱۶۷۲ - ۱۶۷۸)۔ ۳۔ جنگ اتحاد بین آگسبرگ (۱۶۸۸ - ۱۶۹۷ء) ۴۔ جنگ وراثت اسپین (۱۷۰۱ - ۱۷۱۴)۔

جنگ حقوق زوائلہ
۱۶۶۷ - ۱۶۶۸

۱۶۶۷ء میں لوئس نے دفعتاً اسپینی ندرلینڈز پر حملہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے ان ممالک کی نسبت اپنی اسپینی بیوی کے کچھ مبہم سے حقوق پیش کر کے اپنے کو حق بجانب ثابت کرنا چاہا تھا مگر اس کا اثر اس کے سوا اور کچھ نہ ہوا کہ اس زیادتی کے ساتھ مکاری بھی شامل سمجھ لی گئی۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی منظم فوج نے یکے بعد دیگرے مقامات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اسپین اس قدر کمزور تھا کہ وہ کسی قسم کی

مقاومت نہیں کرسکتا تھا، اور اگر اہل ہالینڈ اس خوف سے کہ لوئس کا ایسا زبردست شخص اُن کا ہمسایہ ہو جائے گا حرکت نہ کرتے تو وہ تمام اسپینی نیدرلینڈز کو تاخت وتاراج کر دیتا۔ ہالینڈ کی حکومت کا سرگروہ اس وقت مشہور محب وطن وجمہوریت پسند جان ڈی وٹ تھا، اُس نے اپنی جودت طبع سے نہایت سرعت کے ساتھ اہالی ہالینڈ، انگلستان اور سوئڈن کا اتحاد ثلثہ قائم کر دیا۔ اس سے لوئس کو رک جانا پڑا۔ لوئس کبھی کبھی ممکن وناممکن میں تمیز کر لیتا تھا۔ چونکہ اسپین کی آئندہ تقسیم کے متعلق وہ شہنشاہ سے ایک خفیہ معاہدہ کر چکا تھا اس لیئے اس نے یہ ظاہر کیا کہ ایک سرحدی چیٹ لیکر اسے اطمینان ہوگیا اور وہ اس معرکہ سے علٰحدہ ہوگیا ایکشا شپیل (آکن) کی صلح نے (۱۶۶۸ء میں) اس کے اس دلیرانہ سرقہ کو باضابطہ محفوظ کر دیا۔

اہل ہالینڈ کا تنہا رہجانا آئندہ چند برسوں تک لوئس پر صرف ایک خیال غالب تھا کہ وہ اہل ہالینڈ سے انتقام لے۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے اس نے یہ تجویز سوچی کہ اہل ہالینڈ کو ان کے تمام دوستوں اور حلیفوں سے منقطع کر دے اور پھر اچانک ان پر ٹوٹ پڑے اعلان جنگ کے قبل جو سفارتی ریشہ دوانیاں اور رنگ و دو ہوئی وہ پوری طرح کامیاب رہی۔ معاہدات غیر جانبداری کے ذریعہ سے سوئڈن اور شہنشاہ، اہل ہالینڈ سے الگ کر لیئے گئے، اور (۱۶۷۰ء کے) معاہدہ ڈاور کے بموجب چارلس دوم سے تو یہاں تک اقرار لیلیا گیا کہ مجوزہ جنگ میں وہ انگلستان کی فوجوں کو فرانس کے ساتھ شامل کر دے گا یکم ۱۶۷۲ء کے موسم بہار میں سب کچھ مکمل ہوگیا۔ ایکطرف فرانس وانگلستان کے متحدہ بیڑے نے ہالینڈ کے بیڑے کو اس کے معروف مشہور امیر البحر ریوٹر کے تحت میں رودبار کے اندر جنگ میں مشغول کر لیا، دوسری طرف فرانسیسی فوجیں کانڈی و ٹرین کی ماتحتی میں براہ ڈائمر دہ ہفت صوبجات متحدہ پر حملہ آور ہو گئیں۔

خاندان آرنج کا میدان تقدم میں قدم بڑھانا چند ہفتوں کے اندر اندر بیشتر صوبے فرانسیسیوں کے ہاتھ میں آگئے اور خوف زدہ اہل ہالینڈ غیظ وغضب سے

بھڑک اٹھے وہ اپنے جمہوریت پسند سرگروہ ڈی وٹ پر ٹوٹ پڑے اور اُسے قتل کر ڈالا۔ وہ اپنی ان تمام مصیبتوں کا الزام اسی پر لگاتے تھے اور اس کے سوا اور کسی امر سے وہ مطمئن نہیں ہو سکتے کہ خاندان آرنج کو پھر اسی منصب پر متمکن کر دیں، جو اختتام جنگ اسپین کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ایک اضطرابی جوش کی حالت میں خاندان آرنج کا ولیم سوم، ملک کا حکمران اور بری و بحری افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر کر دیا گیا یہ ولیم کوئی ایسا ذہین شخص نہیں تھا مگر وہ ایک نبرد آزما و جانباز قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس نازک وقت میں قوم کی بہبود کی ذمہ داری اس پر عائد کی گئی تھی اس نے اس کے بہترین صفات کو ابھار دیا فرانسیسی حملے کے وقت انگلستان کے سفیر نے اسے یہ رائے دی کہ وہ اطاعت قبول کر لے اور دلیل یہ پیش کی کہ اس سلطنت جمہوری کا ہاتھ سے نکل جانا صاف نظر آرہا ہے۔ ولیم نے جواب دیا کہ مجھے ایک ایسی ترکیب معلوم ہے کہ وہ یہ نظر نہ آئے یعنی میں لڑتا ہوا آخری خندق میں مارا جاؤں"! یہی جوش اب اس کی تمام قوم میں جاری وساری ہو گیا، اور اس جوش کی وجہ سے انھوں نے وہی کچھ کر دکھایا جو ان کے آباو اجداد نے اسپین کے مقابلے میں کیا تھا۔

ولیم کے عادات و اخلاق

قبل اس کے کہ لوئس ندرلینڈز کے قلب یعنی شہر ایمسٹرڈم پر قبضہ کرے اہل ہالینڈ نے ولیم کے حکم سے بند کاٹ دیئے اور اپنے ملک کو پھر اس کی فطری حالت کی طرف پھیر دیا، اور ہر طرف سمندر موجیں مارنے لگا۔ لوئس کو ہٹنا پڑا اور یہ موقع اس کے ہاتھ سے جاتا رہا لیکن اب تمام یورپ میں کامل بیداری پیدا ہو گئی تھی اور چند مہینے بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ اہل ہالینڈ کی حمایت میں خود شہنشاہ، اور شہنشاہی کی دوسری سلطنتیں اور اسپین سب متحد ہو گئے ۱۶۷۴ء میں لوئس کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ اس سال انگریزوں کی عام رائے نے چارلس کو مجبور کر دیا کہ وہ لوئس کا ساتھ چھوڑ کر اہل ہالینڈ سے صلح کر لے۔ اب لوئس کو بر اعظم کے اس عظیم الشان اتحاد کا سامنا تھا اور سوائے سوئیڈن کے کوئی اس کا حلیف نہیں تھا اور سوئیڈن بھی اس سے

جنگ ہالینڈ نے ایک عام جنگ کی صورت اختیار کر لی

بہت دور تھا تمام یورپ کا ایک طرف ہو جانا مسلمہ طور پر لوئس کے لئے مضر تھا اس پر بھی فرانسیسی انتظام کی فوقیت اور فرانسیسی سپہ سالاروں کی کاردانی نے ہر میدان میں لوئس کے دشمنوں کو زیر کیا لیکن جب اختتام جنگ پر صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو لوئس نے بہت خوشی کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ ۱۶۷۸ء کے معاہدہ نموجن کی رو سے اسے یہ اجازت دیدی گئی کہ وہ فرانس کامٹی (برگنڈی کے آزاد صوبہ) کو فرانس میں ملحق کرلے ہ۔

لوئس نے اسٹراسبرگ پر قبضہ کر لیا ہو

دوسری جنگ کے موقع پر بھی اگرچہ ممالک یورپ، لوئس کے خلاف متحد ہو گئے تھے مگر اس میں بھی بطور غنیمت ایک نیا صوبہ اس کے ہاتھ آگیا۔ لوئس اب اپنی شان و شوکت کے معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اس میں جیسا متکبرانہ انداز پیدا ہو گیا تھا اس کی عمدہ مثال ۱۶۸۰ء کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ اس نے (فرانس کے) "اتحاد ثانی" کیلئے مجلسین قائم کی تھیں، جنھوں نے فرانس کے مشرق و شمال مشرق میں نہایت وسیع قطعات ملک اس کے حوالے کر دیئے۔ اسی زمانے میں اور کامل صلح کی حالت میں اس نے صوبہ الساس کے آخری شہنشاہی قلعہ اسٹراسبرگ پر حملہ آور ہو کر اسے مملکت فرانس میں شامل کر لیا۔ اسپین سے ایک مختصر جنگ کے بعد اس نے ۱۶۸۴ء میں رٹیسبان کی ہنگامی صلح طے کی اور بیس برس کے لئے اسٹراسبرگ اور ان اضلاع کا قبضہ حاصل کر لیا جو دوبارہ فرانس سے متحد ہو گئے تھے۔ بادشاہ کی طبیعت پر اس وقت ایسا رنگ غالب ہو گیا تھا جس سے نہایت خطرناک

میڈم ڈی مینٹنن

افعال کے وقوع پذیر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، لوئس ایک سبک سر عیش پسند شخص تھا مگر اب وہ ایک نہایت پابند مذہب رومن کیتھولک لیڈی، میڈیم ڈی منٹینن کے اثر میں آگیا، (جو اسکے کسی لڑکے کی گورنس (اتالیق) تھی، اور اس پر دفعتہً مذہبی جاہ و جلال کا غلبہ ہو گیا۔ میڈیم ڈی مینٹنن کے نزدیک ارتداد کی بیخکنی ایک معزز کام تھا اور لوئس نے اس کے اشارے سے بتدریج پروٹسٹنٹوں کی دارو گیر شروع کر دی۔ اول اول تو نہایت نیک نفسی کے ساتھ ان لوگوں کو جو از خود تبدیل مذہب کریں انعامات

دیئے جانے لگے مگر اس کے بعد حکومت نے زیادہ سخت کارروائیاں اختیار کیں اور آخر الامر ۱۶۸۵ء میں جبکہ لوئس کو میڈیم ڈی مینٹنن سے باضابطہ عقد کئے ہوئے دو برس گزر چکے تھے اور وہ بالکل ہی اس کی حکمت عملی کا غلام بن گیا

فرمان نینٹس کی منسوخی ۱۶۸۵ء

تھا، لوئس نے فرمان نینٹس کو منسوخ کر دیا جس کے بموجب ہیوگیناٹوں کو تقریباً سو برس سے اپنے طریق پر عبادت کرنیکی جزوی آزادی حاصل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مذہب پروٹسٹنٹ کو فرانس کی حدود کے اندر خارج از قانون قرار دیدیا گیا تھا۔ اس مجنونانہ کارروائی سے ملک کی خوش حالی پر جو ضرب پڑی وہ ایک تباہ کن جنگ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوئی۔ ہیوگیناٹ ہزاروں کی تعداد میں سرحد کے پار بھاگ گئے مفرورین کا اندازہ پچاس ہزار خاندانوں کا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنے کاروبار، اپنے سرمایہ اور اپنی تہذیب کو بھی فرانس کے دشمنوں کے ملک خاصکر انگلستان، ہالینڈ، امریکہ اور پروشیا میں لے گئے۔

انگلستان بھی لوئس کے خلاف یورپ کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

استراسبرگ کا قبضہ اور فرمان نینٹس کی منسوخی کے واقعات صلح کے زمانے میں پیش آئے مگر لوئس ایک نئی جنگ کی تیاری میں پہلے ہی سے مشغول تھا اس نے شہنشاہ اور ترکوں کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر ریٹسبان کی ہنگامی صلح کو مستقل کر دیا اور اس طرح ۱۶۷۹ء میں اس نے جن قطعات ملک پر قبضہ کیا تھا ان کو مستقلاً اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا جب اس کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو، ولیم د آرنج) کی کوشش سے شہنشاہ، اہل ہالینڈ اور اسپین نے ایک نئے محالفے کا معاہدہ کر لیا جو معاہدہ آگسبرگ کے نام سے مشہور ہے۔ حسن اتفاق یہ ہوا کہ، اس جنگ کا پورا زور نہیں ہوا تھا کہ مخالفین کی خوبی قسمت سے انگلستان بھی اُن کا طرفدار ہو گیا۔ ۱۶۸۸ء میں "شاندار انقلاب" نے جیمز دوم کو تخت سے اُتار کر ولیم د آرنج) کو انگلستان کا بادشاہ بنا دیا۔ چونکہ اسی زمانے میں اہل انگلستان کی طبیعت فرانسیسیوں کی طرف سے بہت برہم ہو گئی تھی اس لیئے ولیم نے بغیر کسی دقت کے انہیں اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ شاہ فرانس کے خلاف یورپ کے ساتھ شریک ہو جائیں

پس اس جنگ میں جو جنگ معاہدہ آگسبرگ کے نام سے مشہور ہے، لوئس کا کوئی ایک بھی دوست نہیں رہ گیا تھا۔

جنگ معاہدہ آگسبرگ ۱۶۹۷-۱۶۸۵

تیسری جنگ (۱۶۸۸-۱۶۹۷)، عام طالب علم کے لیئے بالکل ناقابل ذکر ہے، تری وخشکی میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں مگر کسی کو بھی قطعی کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ تمام متخاصمین محض تھک کر اس بنیاد پر صلحنامۂ رسوک پر دستخط کر دینے سے خوش تھے، کہ کم وبیش سب ایک دوسرے کے فتح کردہ ممالک کو واپس کر دیں؛

اتحاد آگسبرگ کی جنگ پہلی جنگ تھی جسمیں لوئس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

جانشینی اسپین کا مسئلہ

اس واقعہ سے اسے یہ انتباہ ہو جانا چاہیئے تھا کہ ہوا کا رخ اب اس کے خلاف ہو گیا ہے، اور غالباً وہ یورپ کی دشمنی کو اس قدر خفیف نظر سے نہ دیکھتا اگر ایک نہایت امید افزا توقع نہ پیش آگئی ہوتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ اسپین کے بادشاہ چارلس دوم کے کوئی وارث نہیں تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے انتقال کے بعد جس کا ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا، اسپین کی مملکت جسمیں اسپین اپنی نوآبادیاں، نیپلز، ملان اور اسپینی ندرلینڈز شامل تھے، کس کے قبضے میں جائیگی۔ اس میں شک نہیں کہ خاندان ہیپسبرگ کی آسٹروی شاخ کو بھی وراثت کا دعوے تھا مگر لوئس نے اپنے ذہن میں یہ خیال پکا یا کہ اس کی پہلی بیوی کے استحقاق کے توسط سے اس کے لڑکوں کا حق مرجح ہے کیونکہ اس کی بیوی شاہ اسپین کی سب سے بڑی بہن تھی۔ اس معاملے میں ایسی قانونی پیچیدگیاں پڑ گئی ہیں کہ اس وقت تک یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حق مرجح کسکو حاصل تھا؛

لوئس نے معاہدۂ تقسیم پر دستخط کر دیئے اور پھر اس سے منحرف ہو گیا؛

اس آئندہ کی وراثت کے مسئلے کے متعلق یورپ کی کشمکش کا اندازہ کر کے لوئس نے اس سے بہت ہی قبل کہ چارلس دوم کے انتقال سے یہ آگ بھڑکے اپنے سب سے بڑے مخالف ولیم (شاہ انگلستان) سے گفت وشنود جاری کر دی چنانچہ مشکلات موجودہ کو بہترین طریقہ پر طے کرنے کے لیئے یورپ کی دونوں

سربرآوردہ سلطنتوں میں تقسیم کے معاہدے موکّد ہوگئے۔ نومبر ۱۷۰۰ء میں چارلس دوم شاہ اسپین کا انتقال ہوا اور اس کے انتقال کے بعد جب لوئس کو یہ معلوم ہوا کہ شاہ متوفی نے اس کے دلوئس کے) سب سے چھوٹے پوتے ڈیوک آنجو کے نام جانشینی کی وصیت کردی ہے تو لوئس نے تقسیم کے معاہدوں کو ہوا میں اڑادیا اور فلپ کو میڈرڈ روانہ کردیا کہ وہ اسپین کی غیر منقسم سلطنت کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اب خاندان بار بن تمام مغربی یورپ پر حکمراں ہوگیا۔ اسپین کے سفیر کے الفاظ یہ تھے کہ "اب کوہستان پرینیز کا وجود باقی نہیں رہا ہے"

محالفہ اعظم اسی دلیرانہ کارروائی سے تمام یورپ پر ایک حیرت طاری ہوگئی اور اس حیرت کے واقع ہونے اور مقاومت کے لیے تیار ہونے میں کچھ وقت صرف ہوا۔ درحقیقت ولیم نے اہل ہالینڈ اور انگریزوں کو برانگیختہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور آخر ۱۷۰۱ء میں وہ اس امر میں کامیاب ہوگیا کہ وہ مشہور ومعروف محالفہ اعظم قائم کردے، جسمیں شہنشاہ، انگلستان اہل ہالینڈ اور جرمنی کے سربرآوردہ حکمراں شریک تھے۔ جنگ ابھی اچھی طرح شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ لوئس کا مدت العمر کا دشمن اور ہمت و استقلال کا دیو مجسم یعنی ولیم، مارچ ۱۷۰۲ء میں دنیا سے چل بسا، لیکن جنگ بدستور جاری رہی اور جنگ جانشینی اسپین (۱۷۰۱-۱۷۱۴) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس جنگ میں ولیم کی روح (یعنی اس کے پیدا کردہ جوش) نے کسی جنگجو سے کم کام نہیں کیا۔

متخاصمین کا مقابلۂ باہمی اس نئی جنگ میں لوئس کی حالت سابقہ جنگ کی بہ نسبت بہتر تھی۔ نہ صرف فرانس بلکہ اسپین کے وسائل بھی اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے سپاہیوں کی یہ شہرت ابتک قائم تھی کہ کوئی انہیں فتح نہیں کرسکتا اور اس کی فوج کو یہ خاص فوقیت حاصل تھی کہ وہ تنہا اسکے حکم کے تحت میں تھی۔ برخلاف ازیں اتحادیوں کا اپنے متضاد اغراض کی وجہ سے باہم مخالف ہونا ضروری تھا۔ ان کو دو باتوں میں فوقیت حاصل تھی اور یہی باتیں آخر میں فیصلہ کن ثابت ہوئیں، اولاً اتحادیوں کے پاس روپیہ اور آدمیوں کے وسائل زیادہ تھے اور ثانیاً انگلستان کے ڈیوک مارلبرا اور سیوائے کے شہزادہ یوجین کی

ذات سے انہیں دو نہایت عمدہ سپہ سالاران فوج مل گئے تھے۔ دونوں کی قابلیت یکساں تھی اور وہ اپنی مہموں کی کارروائیاں باتفاق یکدگر تجویز کرتے تھے اور صرف اپنے مقصود اصلی کا حاصل کرنا اُن کے پیش نظر ہوتا تھا۔ فتح کے اعزاز میں بھی وہ بلا کسی قسم کے رشک و رقابت کے ایک دوسرے کے شریک رہتے تھے حالانکہ اس امتحان میں پڑکر بڑے بڑے درخشان ناموں پر دھبے لگ گئے ہیں

اسپین کی جانشینی کی جنگ ایک عالمگیر جدوجہد ہے

یورپ اب جس کشمکش میں پڑگیا تھا اس کی سی وسعت جنگ سی سالہ میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ جنگ حقیقتہً ایک عالمگیر جنگ تھی اور اسپین و فرانس کے تمام قابل حملہ مقامات پر ایک ہی وقت میں جاری تھی۔ اس وسیع جدال وقتال کی جزئیات کے بیان کا یہاں موقع نہیں نکل سکتا۔ ہمیں اس کی زیادہ نمایاں فوجی کارروائیوں اور آخری قرارداد کے بیان پر اکتفا کرنا چاہیئے ؎

ایوجن و مارلبرا کی فتوحات

اس جنگ عظیم کی پہلی وسیع لڑائی ۱۷۰۴ء میں بالائی ڈینوب کے قریب بمقام بلنہم پیش آئی جنگ بلنہم، مارلبرا کے ایک دلیرانہ چال کا نتیجہ تھی۔ وائنا کو فرانسیسوں کے ایک زبردست حملے سے بچانے کیلئے وہ مغربی جرمنی کے اندر سے ہوکر وہاں پہنچا تھا اور بشمول ایوجن اس نے فرانسیسی فوجوں کو یا تو گرفتار کر لیا یا انہیں کاٹ ڈالا ۱۷۰۶ء میں ندرلینڈز میں بمقام ریمز ایک اور شاندار فتح حاصل کی اور اسی سال ایوجن نے فرانسیسیوں کو ٹیورن میں شکست دی، اور انہیں اطالیہ سے خارج کردیا۔ ان نمایاں کامیابیوں کے بعد ۱۷۰۸ء میں آوڈنبرڈ اور مالپلیکٹ کی عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ ان دونوں جنگوں نے فرانس کی قوت کو بالکل برباد کردیا، اور معلوم ہوتا تھا کہ پیرس کا راستہ کھلا پڑا ہے ؎

ہگوں کی جگہ ٹوری وزارت نے لیلی ہے

لیکن چند ایسے غیر متوقع واقعات پیش آگئے جن سے یورپ کی سیاسیات کا رنگ بالکل ہی بدل گیا اور اس وجہ سے پیرس کی طرف بڑھنے کی نوبت ہی نہیں آئی ۱۷۱۰ء میں انگلستان کی وہگ وزارت جو مارلبرا کی مؤید اور جنگ کی حامی تھی ٹوٹ گئی اور اس کے

بجائے ٹوری وزارت قائم ہوگئی جو صلح کے لیئے ہر ایک قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھی۔ پس ۱۷۱۰ء سے میدان جنگ میں مارلبرا کی کوششیں بیکار سی ہو گئی تھیں، دوسرے سال ایک اور بھی مصیبت پیش آگئی تھی ؛

۱۷۱۱ء میں شہنشاہ جوسف کا انتقال ہوگیا اور راس کا بھائی چارلس ششم اس کا جانشین ہوا، چونکہ محالفۂ اعظم کی طرف سے اسپین کے تخت کا یہی وارث قرار دیا گیا تھا، اس لیئے جوسف کے انتقال سے یہ توقع ہو گئی تھی کہ چارلس پنجم کی وسیع شہنشاہی پھر قائم ہو جائے گی۔ اس صورت حال کا پیدا ہو جانا انگلستان و اہل ہالینڈ کے مفید مطلب نہیں تھا اور راس لیئے یہ دونوں قومیں اب "محالفۂ اعظم" سے علیحدہ ہونے اور فرانس کے ساتھ معاملات کے طے کر دینے پر زور دینے لگیں۔ لوئس بھی بالکل خستہ اور اپنی ہزیمتوں سے شکستہ خاطر ہوگیا تھا وہ اور بھی دو قدم آگے بڑھکر چارلس سے ملا اور ۱۷۱۳ء میں صلحنامۂ اٹرجٹ نے جانشینی اسپین کی جنگ کو ختم کر دیا ؛

صلح اٹرجٹ ۱۷۱۳ء

صلح اٹرجٹ کے ذریعہ سے اسپین کے ممالک تقسیم کیئے گئے اور ہر شخص اس فکر میں پڑ گیا کہ اس غنیمت میں سے کچھ نہ کچھ اسے بھی ملجائے۔ اولاً لوئس کا پوتا فلپ پنجم اس شرط سے اسپین اور راس کی نوآبادیوں کا بادشاہ تسلیم کیا گیا کہ فرانس و اسپین کی سلطنتیں ہمیشہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہینگی۔ اس کے بعد شہنشاہ کا حصہ مہیا کیا گیا۔ اسے اسپین کے اطالوی مقبوضات کا بیشتر حصہ (یعنی ملان و نیپلز) اور راس کے ساتھ اسپینی ندرلینڈز (جو اب آسٹروی ندرلینڈز کہلانے لگا)، دیا گیا۔ اہل ہالینڈ کو اس طرح راضی کیا گیا کہ آسٹروی ندرلینڈز میں سے انہیں چند سرحدی قلعے دیدیئے گئے جس سے فرانس کے مقابلے میں ایک طرح کی روک پیدا ہو گئی، اور انگلستان نے فرانس کی نئی دنیا کے کچھ مقبوضات لے لیئے جنمیں نیو فاؤنڈلینڈ، نوا اسکوٹیا (آرکیڈیا)، اور ممالک خلیج ہڈسن شامل تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسپین کی پہاڑی جبرالٹر بھی اسے ملگئی جس سے بحیرۂ روم پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ طماع وغیر مطمئن شہنشاہ نے اولاً اس صلح کے قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر آخر اسے مجبور کیا گیا اور ۱۷۱۴ء میں صلحنامۂ راسٹیڈ کے ذریعہ سے اس انتظام کی خاص خاص تجویزیں اسے تسلیم کرنا پڑیں ؛

لوئس کا انتقال ۱۷۱۵ء	معاہدات اٹریچٹ و ااسٹیڈ کی تکمیل کے تھوڑے ہی دنوں بعد ستمبر ۱۷۱۵ء میں لوئس چہاردہم کا انتقال ہوگیا۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں خود اس نے اور کولبرٹ نے جو مادّی خوشحالی پیدا کی

تھی وہ بالکل غائب ہوگئی، اور وہ اپنے بعد ملک کو بار قرض سے دبا ہوا اور رعایا کو قحط سے پریشان حالت میں چھوڑ گیا۔ اس کا یہ تباہ کن انجام اس کے احمقانہ بلند حوصلگی کا واجبی کیفر کردار تھا، لیکن اپنے زمانہ کے لوگوں کی نظروں میں وہ اپنے مرتے دم تک "شاہ جلالتمآب" ہی رہا۔ تاریخ میں وہ جس طرح نمایاں ہوتا ہے، یہ لقب اس کا لب لباب ہے کیونکہ اس سے ظاہری شان وشوکت کا وہ خیال پیدا ہوتا ہے جو اس اندیشے سے خالی نہیں ہے کہ اندر سے اس میں کچھ نہ ہو۔

فرانسیسی تہذیب کی آب وتاب	لوئس کے طویل زمانۂ حکمرانی نے فرانس میں جو درخشانی پیدا کردی اس نے تمام دنیا پر ایک سحر کی سی کیفیت طاری کردی تھی۔

لوئس کا دربار جسے اس نے ورسیلز میں قائم کیا تھا، تمام یورپ کے لیئے ایک نمونہ بن گیا تھا اور فرانس کی تہذیب وتمدن کی نقل لندن سے ماسکو تک ہوتی تھی۔ بہت سے جلیل القدر ڈراما نویسوں نے جن میں کارنیلی (متوفی ۱۶۸۴ء)، ریسن (متوفی ۱۶۹۹ء) اور مولیر (متوفی ۱۶۷۳ء) داخل تھے، لوئس کے عہد میں علمی امتیاز بھی پیدا کردیا، اور ہم اس امر کو محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ "شاہ جلالتمآب" کے عہد میں مصنوعی چمک دمک کی تہ میں کچھ حقیقی عظمت اور ذہنی قابلیتیں بھی موجود تھیں۔

باب (۲۷)

پیٹر اعظم (۱۶۸۹-۱۷۲۵) و کیتھرائن عظمیٰ (۱۶۹۶-۱۷۶۲) کے تحت میں روس کا عروج۔ سوئیڈن کا زوال

روس کی ابتدائی تاریخ

خاندان ریورک کے تحت میں اہل روس میں اتحاد کا پیدا ہونا یونان کے مبلغوں کا انہیں عیسائی بنانا، مغلوں کا ان پر حملہ کرنا، اور آیوین سوم (شہیر بہ آیوین اعظم) کے تحت میں ۱۴۸۰ء میں قوم کو آزادی کا نصیب ہونا، ان سب باتوں کی طرف سابق جزو میں توجہ دلائی جا چکی ہے۔ آیوین چہارم (۱۵۳۳-۸۴) نے جو "مہیب" کے لقب سے مشہور ہے، ان کامیابیوں میں اور اضافہ کیا اور استرخان کو تاتاریوں سے فتح کرکے روس کی حدود کو جانب جنوب بحر خزر تک وسعت دیدی۔

خاندان رومیناف

۱۵۹۸ء میں خاندان ریورک کا خاتمہ ہوگیا اور آئندہ دس برس تک روس طوائف الملوکی کی حالت میں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل مملکت اپنے طماع مغربی ہمسایوں (یعنی سوئیڈن و پولینڈ) کا شکار ہو جائیگی لیکن ۱۶۱۳ء میں قومی فریق کو اپنی جماعت میں سے ایک شخص میکائیل رومیناف کو تخت پر بٹھانے میں کامیابی ہوگئی۔ اس حکمران خاندان کے تحت میں سلطنت

نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی کھوئی ہوئی قوت کو واپس لے لیا۔ چند دہائیاں گزری تھیں کہ اس خاندان کے ارکان نے نہ صرف پولش اور سوئس اثر کو ملک سے خارج کر دیا بلکہ سائبیریا کی وسیع سرزمین پر بھی قبضہ کر لیا۔

لیکن اس خاندان کو خاص افتخار پیٹر کی شخصیت سے حاصل ہوا۔ پیٹر اپنے بھائی آئیوین کی شراکت میں ۱۶۸۲ء میں تخت نشین ہوا تھا اور چونکہ یہ دونوں زار اس وقت تک محض لڑکے تھے اور آئیوین ایک فاتر العقل شخص سے کچھ ہی بہتر تھا، اس لئے کچھ زمانہ تک حکومت کا کام ان کی بڑی بہن صوفیا بہ حیثیت ولیہ کے انجام دیتی رہی مگر ۱۶۸۹ء میں پیٹر نے جسکی عمر اب سترہ برس کی ہو گئی تھی یہ ارادہ کیا کہ زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لے پس اس نے تولیت کے کلیتہً ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا اور صوفیا کو ایک خانقاہ میں بھیج دیا چونکہ دائم المرض ایوین بالکل بے ضرر شخص تھا اس لیئے پیٹر نے اسے حکمرانی میں شریک بنائے رکھا مگر وہ چند ہی برس زندہ رہکر ۱۶۹۶ء میں انتقال کر گیا۔

پیٹر کی زندگی کے تین عظیم الشان مقاصد

پیٹر نے اپنی زندگی میں جن کاموں کو انجام دینا سوچا تھا، انکے کما ینبغی سمجھنے کے لیئے ضروری ہے کہ اس کی تخت نشینی کے وقت روس کی سیاسی و آئینی حالت پر جن خاص عناصر کا اثر پڑ رہا تھا، ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ سترہویں صدی کے نصف ثانی تک روسیوں کے ماند و بود کا طریقہ اور ان کے عادات و اطوار بالکل ایشیائی تھے اور یورپ کی تہذیب و تمدن سے اُن کا صرف اتنا تعلق تھا کہ وہ مذہباً عیسائی تھے۔

پہلی نظر میں ان کی سیاسی حالت زیادہ امید افزا معلوم ہوتی ہے کیونکہ یورپ کا مشرقی میدان اور شمالی ایشیا کا تمام ملک اس سلطنت میں شامل تھا مگر اس وسعت رقبہ کے باوجود روس مغرب و جنوب میں ایران، ترکی، پولینڈ اور سویڈن کی سی پر زور سلطنتوں کے حلقے میں اس طرح گھرا ہوا تھا کہ عملی طور پر وہ محض بری سلطنت کی حیثیت رکھتا تھا اور سمندر سے اس کا کوئی لگاؤ نہ تھا۔

آخر میں [illegible] کے نظام سلطنت کے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے زار حاکم علی الاطلاق

ضرور تھا مگر اس کے اختیارات پر دو پہرے بھی لگے ہوئے تھے ایک تو کلیسا کے سر گروہ (بطریق) کا اثر تھا جسے مذہبی معاملات میں بہت وسیع اختیارات حاصل تھے۔ دوسرے زار کا دستہ محافظ تھا جس کے خاص حقوق تھے اور اس وجہ سے یہ فوج بخیال خود، اپنے کو اپنے آقا سے فائق سمجھتی تھی اس تمام پیچیدہ حالت کو پیٹر نے ایک مدبر کی حیثیت سے اپنے قبضۂ قدرت میں کر لیا اور اپنے طویل زمانۂ حکمرانی کی کوششوں سے ان تمام امور کو اپنے مفید مطلب بنا لیا۔ اس نے بالتخصیص تین امور کو اپنا نصب العین قرار دیا اور تینوں میں جس حد تک اسے کامیابی ہوئی وہ گونہ تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ نصب العین حسب ذیل تھے۔

(۱) اس نے یہ عزم کیا کہ روس و یورپ کے مابین مستحکم و عمیق تعلقات قائم کر دے ؛

(۲) اس نے یہ کوشش کی کہ مغرب سے توسل پیدا کرنے کے لئے بحر اسود اور بحر بالٹک میں کوئی جگہ حاصل کرے۔ اور ؛

(۳) آخر میں اس نے یہ فکر کی کہ بطریق اور دستۂ محافظ نے اس کے اقتدار میں جو رکاوٹ پیدا کر رکھی ہے اُس سے آزاد ہو جائے ؛

پیٹر کے عادات و اخلاق

پیٹر کی شخصیت کا سمجھنا مشکل ہے۔ ایک طرف تو وہ ایک خونخوار قاتل معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک شہوت پرست وحشی نظر آتا ہے۔ اور تیسری طرف اس کو ایک ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ محض ایک ذہین و ذکی الفہم نیم وحشی تھا تو اس کے عادات و اخلاق کی کنجی ہمارے ہاتھ آ جاتی ہے۔ نیم وحشیوں کی طرح جس چیز سے اسے سابقہ پڑتا تھا وہ بری ہو یا بھلی اسی کا شوق اس کے دل میں پیدا ہو جاتا تھا اور ہر وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ اس میں مستغرق رہتا تھا۔ یہ یقینی ہے کہ اس کی خاص صفت یہ تھی کہ اسمیں ناقابل تنزلزل قوت موجود تھی، گویا ایک آگ تھی کہ اس کے اندر سلگ رہی تھی ؛

پیٹر کی پہلی فتح ازو

پیٹر کو اپنی قابلیت کے نمایاں کرنے کا پہلا موقع ۱۶۹۰ء میں ملا۔ "دو شہنشاہ"، اس وقت ترکوں سے جنگ کرنے میں مشغول تھا جن کی بربادی کے ابتدائی آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ [illegible] مشکلات

میں پھنس گئے تھے، اور پیٹر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاکر روس کے لئے جنوب میں ایک مخرج پیدا کر لیا یعنی ۱۶۹۶ء میں اس نے بندرگاہ آزو کو فتح کیا۔ آئندہ کی نسبت اب اس کو زیادہ وثوق ہو گیا، اور دوسرا قدم اٹھانے کے قبل اس نے یہ عزم کر لیا کہ مغرب میں جاکر وہاں کے عجائب و غرائب کو اپنی آنکھ سے دیکھے، حصول معلومات کے لئے پیٹر نے ۹۸-۱۶۹۷ء کا زمانہ جرمنی، ہالینڈ اور انگلستان کے سفر میں

پیٹر کا سفر

گزارا، اس سفر کا مقصد صرف حصول معلومات تھا۔ اس تمام زمانہ میں پیٹر کبھی اس سے نہیں تھکتا تھا کہ وہ ہر چیز کی کنہ کو معلوم کرے، مغرب کی حکومت کے طور و طریق، وہاں کی دولت کے وسائل، اور اس کی تجارت و حرفت کے ذرائع سے واقفیت پیدا کرے۔ ہالینڈ میں بمقام رائڈن اس نے جہاز سازی کے کارخانے میں ایک عام بڑھئی کی طرح کام کیا، طب و جراحی کے لکچر وہ ہر جگہ سنتا رہا، کاغذ کے کارخانے آٹا پیسنے کی کلیں، چھاپے خانے کی ایک ایک چیز کو وہ نظر امعان سے دیکھتا رہا۔ غرض کہ وہ بالاستقلال اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ مغربی تہذیب کے کسی جزو کو نہیں بلکہ کل کی کل تہذیب کو جذب کر لے۔

دستۂ محافظ منتشر کر دیا گیا

اس سفر کے نتائج کے عملی امتحان کا موقع اس سے بھی جلد تر آگیا جس کی خود پیٹر کو توقع تھی۔ وائنا میں اس نے یہ سنا کہ اس کے دستۂ محافظ نے بغاوت کر دی ہے، وہ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے ملک کو روانہ ہوا، امن قائم کیا اور اس کے بعد بہت ہی سخت انتقام لیا، اس بدقسمت سپاہ محافظ میں سے ایک ہزار آدمیوں سے زائد کو اس نے سخت اذیتیں دے دیکر مار ڈالا۔ افواہاً کہا جاتا ہے کہ اپنے اس وحشیانہ جوش میں پیٹر نے خود جلاد کا کام انجام دیا۔ ایک بادشاہ کا اپنے ہاتھ سے جلاد کا کام انجام دینا ہی وہ امر تھا جس سے اس زمانہ کے ممالک یورپ اور روس کا فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے، مگر اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پیٹر کے اس جنون میں بھی ایک اصول مرعی تھا۔ یہ دستۂ محافظ ہمیشہ بددلی کا مرکز بنا رہتا تھا، اب اس کے بجائے ایک باقاعدہ فوج قائم کی گئی تھی جس کی نظم و ترتیب یورپ کے طرز پر ہوئی اور جس کا انحصار زار کی

ذات پر تھا ؎

کلیسا بھی زار کے زیر اثر کر لیا گیا ؎

پیٹر کے اصلاحات اب بہت تیزی و وسعت کے ساتھ ترقی کرنے لگے۔ ہر ایک قومی شئے کو مٹا کے اس کی بجائے غیر ملکی چیزوں کی سرپرستی کی جانے لگی۔ چنانچہ اس نے مغربی لباس کا رواج دیا، اور روسیوں کے لمبی ڈاڑھی رکھنے کی مخالفت کی، لیکن پادریوں میں بالتخصیص پیٹر کی حکمت عملی کی طرف سے شکوک و شبہات بڑھتے جاتے تھے۔ چونکہ پادریوں کی یہ بددلی تخت کے لیئے خطرناک اور اصلاحات کی راہ میں حارج تھی اس لیئے زار نے یہ عزم کر لیا کہ وہ اس طبقہ کو اور زیادہ اپنے تحت میں لے آئیگا۔ پس جب ۱۷۰۰ء میں بطریق کا انتقال ہوگیا تو پیٹر نے اسقف اعظم کے فرائض کی انجام دہی ایک مجلس کے سپرد کردی جسے اس نے خود ہی مقرر کیا تھا اور اسے اپنے اثر میں رکھا تھا، اور اس طرح وہ زار سلطنت کی طرح کلیسا کا بھی سرگروہ ہوگیا ؎

ملک کو مہذب بنانے میں پیٹر کی کوششیں

پیٹر نے اپنی سلطنت کے لیئے جو کوششیں کیں ان کا تمام و کمال احصا غیر ممکن ہے صرف اس کے بعض جزوی بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ازانجملہ اس نے سڑکیں اور نہریں تیار کرائیں، اور تجارت اور صنعت و حرفت کی ہمت افزائی کی، عام مدارس قائم کیئے، مگر ملک کو مہذب و متمدن بنانے کی ان وسیع الاثر جانفشانیوں کا ثمر آہستہ آہستہ پختہ ہوا، اور پیٹر اس سے متمتع ہونے تک زندہ نہیں رہا تاہم اپنے بیڑے اور فوج کے ذریعہ سے خود اپنے کو تقویت دینے اور اپنی مملکت کو سمندر تک وسیع کرنے کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بہت سی شاندار و فوری کامیابیاں حاصل ہوگئیں ؎

پیٹر کا بحر بالٹک کی طرف متوجہ ہونا ؎

ممالک مغرب سے واپس آنے کے بعد پیٹر کو پہلے سے بھی زیادہ خواہش اس امر کی پیدا ہوئی کہ وہ بحر بالٹک پر کہیں اپنا قدم جمالے۔ بحر اسود میں آزاد اس وقت تک اسے کچھ ایسا نفع نہیں پہنچا سکتا تھا جبتک کہ ڈارڈنیلز پر ترک قابض تھے۔

لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ اس شمالی راستے کے ذریعہ سے مغرب سے بہت ہی اچھی طرح تعلقات پیدا ہو سکتے تھے، مگر اس مقصد عالی کا حصول آسان نہیں تھا۔ سواحل بالٹک زیادہ تر سوئیڈن کے قبضے میں تھے اور شمال کی طاقتوں میں سوئیڈن سب سے اول طاقت تھی، اور اپنے مٹائے جانے کی ہر ایک کوشش کے خلاف وہ اپنی انتہائی قوت سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ تھی۔ تو

سوئیڈن کی عظمت

شمالی طاقتوں میں سوئیڈن کے اول درجہ کی طاقت بن جانے کی ابتدا گسٹیوس آڈلفس (۱۶۱۱-۱۶۳۲) کے زمانہ سے ہوتی ہے۔ گسٹیوس نے ساحل بالٹک کے تقریباً تمام شمالی و مشرقی علاقوں کو اپنی قلمرو میں داخل کر لیا تھا، اور اس کے جنگ سی سالہ میں دخل دینے کے سبب سے اس کی بیٹی کرسچنا کو (جو اس کی جانشین ہوئی تھی)، (۱۶۴۸ء میں) جرمنی کی غنیمت میں مغربی پومیرینیا اور دریا ہائے وسر و ایلبی کے دہانے پر کچھ زمین ملگئی تھی۔ سوئیڈن اب کچھ دنوں کے لئے یورپ میں سب سے معزز و برتر شمار ہونے لگا، اور فرانس کا رقیب بن گیا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی طاقت کا انحصار قومی و ملکی وسائل کے بجائے تمام تر اس کے فوجی انتظام پر تھا اور تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کسی خالص فوجی سلطنت کا زیادہ مدت تک قائم رہنا مشکل ہے، مگر چونکہ سترھویں صدی کے حکمرانان سوئیڈن سب کے سب قابل ہوئے، خاصکر معاملات فوجی میں ان کی کاردانی مسلم تھی اس لئے گسٹیوس کی حاصل کی ہوئی فوقیت کے قائم رکھنے میں ان کو کامیابی ہوتی رہی۔ لیکن انھوں نے اپنے ہمسایوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا اور یہ صرف وقت کا سوال تھا کہ کب اسکے ہمسائے اپنے اس مشترک دشمن کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں۔ مغرب میں ڈنمارک، جنوب میں برینڈنبرگ، پرشیا، مشرق میں پولینڈ و روس سب کو سوئیڈن کی وسعت و ترقی کے لئے نقصان برداشت کرنا پڑا تھا اور یہ سب کے سب اس کے خلاف صبر و خاموشی کے ساتھ دل ہی دل میں آزردہ ہو رہے تھے۔ آخر جب ۱۶۹۷ء میں ایک پندرہ برس کا لڑکا چارلس دوازدہم تخت سوئیڈن پر متمکن ہوا تو انتقام کے لئے یہ موقع جسکا مدت سے انتظار تھا آ ہی گیا۔ چارلس کی نوعمری

و نا تجربہ کاری سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت آسانی کے ساتھ اپنے مخالفین کا شکار ہو جائیگا۔ اس لیئے سنہ ۱۶۹۹ء میں ڈنمارک، پولینڈ اور روس نے اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس لینے کے لیئے ایک معاقدہ قائم کیا۔

چارلس دوازدہم شاہ سویڈن

لیکن ان معاقدین نے جو کچھ سونچا، اس میں اپنے دشمن کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ چارلس باوجود نوعمری کے اس جنگجو قوم میں سب سے زیادہ جنگجو ثابت ہوا، مگر اس فوجی قوت کے سوا حکمرانی کے اور اوصاف اس میں تقریباً بالکل ہی مفقود تھے۔ وہ گویا ایک ڈان کیوزو تھا جسے تخت حکومت پر بٹھا دیا گیا تھا، اور اگرچہ لڑنے میں وہ آندھی تھا مگر اس میں نہ حکومت کی قابلیت تھی اور نہ وہ سلطنت کو معمور رکھ سکتا تھا۔

سنہ ۱۷۰۰ء کی حیرت انگیز مہم

قبل اس کے کہ اتحادی جنگ کے لیئے تیار ہو سکیں، نوجوان چارلس فوجیں جمع کر کے اپنے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا چونکہ ڈنمارک پولینڈ اور روس کی فوجیں لازماً ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر تھیں، اس لیئے اس نے یہ رائے قائم کی کہ اگر وہ باری باری سے ان پر حملہ کرے تو فتح کی توقع زیادہ قوی ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی رائے کے موافق اس نے اپنے تجاویز قرار دیئے اور سنہ ۱۷۰۰ء کے موسم بہار میں وہ یک بیک سرحد سویڈن کو عبور کر کے جزیرہ سیلینڈ میں پہنچ گیا، کوپنہیگن کا محاصرہ کر لیا اور شاہ ڈنمارک کو صلح پر مجبور کر دیا اس معاہدے کی روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ چارلس بجلی کی طرح خلیج فِنلینڈ سے گزر کر ماردار پر جا پہنچا جسے پیٹر نے محصور کر رکھا تھا، اس موقع پر پیٹر کے پاس پچاس ہزار اور چارلس کے پاس صرف آٹھ ہزار آدمی تھے مگر اس پر بھی چارلس نے حملے کا حکم دیدیا اور اس کے قواعد داں سپاہیوں نے روسیوں کے بے ترتیب انبوہ کو آناً فاناً میں خس و خاشاک کی طرح اُڑا دیا۔ روسی اب اندرون ملک کو پسپا ہو گیئے اور چارلس کو آزادی ملگئی کہ وہ اپنے آخری اور سب سے زیادہ مبغوض دشمن آگسٹس (قوی)، شاہ پولینڈ کی طرف متوجہ ہو۔ دو برس کے گزرنے کے قبل ہی قبل چارلس نے آگسٹس کو بھی ایسی ہی سخت شکست دی جیسی شاہان ڈنمارک و روس کو دیچکا تھا۔

چارلس کی غلطی

اس حد تک جنگ کا انتظام نہایت قابل تعریف طریقہ سے ہوا، چارلس اگر چاہتا تو اپنے حسب خواہ شرائط طے کر کے اپنے وطن کو چلا جاتا، مگر چونکہ وہ ایک ضدی طبیعت کا شخص تھا اس لیے اس نے آگسٹس سے (جسے وہ اس محالفہ کا محرک اول سمجھتا تھا) انتقام لینا مناسب سمجھا اور یہ عزم کر لیا کہ جبتک وہ اپنے حریف کو تخت پولینڈ سے دست بردار ہونے پر مجبور کر کے اپنے ایک متوسل کو اس کے بجائے تخت نشین نہ کردیگا اس وقت تک وہ باز نہیں آئے گا۔

پولینڈ میں طوائف الملوکی

پولینڈ کی حالت اس وقت طوائف الملوکی سے کچھ بھی بہتر نہ تھی، تمام اختیارات اُمرا کے ہاتھوں میں تھے اور وہ اپنی اپنی زمینوں پر شاہانہ اختیار رکھتے تھے، سابقہ اتحاد سلطنت کی یادگاروں میں ایک تو ڈائٹ تھی جو کبھی کوئی کام نہیں کرتی تھی، دوسرے ایک منتخب شدہ بادشاہ تھا جسے نہ کوئی اختیار حاصل تھا اور نہ کوئی کام اس کے پاس تھا، ۱۶۹۷ء میں اہل پولینڈ نے یہاں تک کیا کہ ایک غیر ملکی شخص کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا، یہ شخص سیکسنی کا والی آگسٹس (قوی) تھا اس لیے جب ۱۷۰۱ء میں آگسٹس کو چارلس سے شکست اُٹھانا پڑی تو اہل پولینڈ کا زیادہ حصہ رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش ہوا کیونکہ آگسٹس نے پولینڈ کی ڈائٹ کے استصواب رائے کے بغیر یہ جنگ شروع کر دی تھی۔ لیکن جب چارلس نے اس امر پر اصرار کیا کہ وہ اپنی پسند کے ایک شخص کو بزور اہل پولینڈ کا بادشاہ بنا دیگا تو لازماً ایک قوی فریق آگسٹس سے گرویدہ ہو گیا، کیونکہ آگسٹس اگرچہ غیر ملکی تھا مگر وہ جائز و مستحق بادشاہ تھا۔

چارلس کا قیام پولینڈ

۱۷۰۱ء کی شاندار مہم کے کئی سال بعد تک چارلس پولینڈ کے دلدلی و جنگلی میدانوں میں آگسٹس کا تعاقب کرتا رہا اور اگرچہ وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا رہتا تھا مگر اسے کبھی یہ موقع نہ ملا کہ اپنے دشمن کو بالکل پامال کر ڈالتا۔

اس نے وارسا پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنے دست نگر اسٹینسلاس زنسکی کو بادشاہ بھی بنا دیا مگر اس سے بھی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا آخر ۱۷۰۶ء میں

چارلس نے ایک نہایت ہی سخت کارروائی کرنے کا ارادہ کرلیا، آگسٹس سیکسنی میں چلا گیا تھا، چارلس نے دفعتہً سیکسنی پر حملہ کردیا۔ اور وہاں بزور آگسٹس سے ایک معاہدہ، لکھایا جس میں اس نے اپنے رقیب اسٹینسلاس کو پولینڈ کا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس حالت میں جبکہ صلحنامہ پر دستخط ہوئے تھے وہ محض دفع الوقتی کے لیئے تھا، اور موقع ملتے ہی آگسٹس نے اسے شکست کردیا

پیٹر کی ترقی

بہر نوع آگسٹس سے صلحنامہ ہو جانے سے چارلس کو روسیوں کے خلاف کارروائی کرنے کی آزادی ملگئی۔ لیکن اب تک ضرورت سے زائد وقت گزر چکا تھا، کیونکہ نارؔوے میں پیٹر کے شکست کھانے کے بعد سے بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آچکے تھے۔ زار پسپا ضرور ہوگیا تھا مگر وہ دوبارہ قسمت آزمائی کرنے پر عزم مصمم کیئے ہوئے تھا، اور چارلس نے چھ برس کا جو طویل زمانہ پولینڈ کے دہی بھوتوں کا تعاقب کرنے میں صرف کیا، اسی مدت میں پیٹر نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو دوبارہ مرتب کرکے بحر بالٹک کے سوئیڈنی صوبوں میں سے نصف صوبوں کو فتح کرلیا۔ ۱۷۰۳ء میں اس نے اپنی اسی نئی مفتوحہ سرزمین میں سینٹ پیٹرسبرگ کی بنیاد ڈالی جو زمانۂ حال کے روس کا پایہ تخت ہونے والا تھا۔

جنگ پلیٹوا ۱۷۰۹ء

آگسٹس سے صلح ہونے کے بعد ہی چارلس نے یہ عزم کرلیا کہ روسیوں پر بھی ایک کاری ضرب لگادے۔ ۱۷۰۸ء میں وہ روس کے پرانے پائے تخت ماسکو کی طرف بڑھا مگر کوچ کی سختیوں اور موسم کے شدائد نے دشمن تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا مقابلہ شروع کردیا، آخر جب ۱۷۰۹ء میں بمقام پلیٹوا پیٹر سے مقابلہ ہوا تو اہل سویڈن حسب معمول بڑی بہادری سے لڑے مگر ان کی تکلیفوں نے انہیں بالکل ہی خستہ کردیا تھا، اور اب جنگ نارؔوے کا عوض ہوگیا، سوئیڈنی فوج کل کی کل تباہ ہوگئی۔ اور چارلس صرف چند سو سواروں کے ساتھ بمشکل تمام کسی طرح بھاگ کر ترکی میں پہنچا۔ اس جنگ کا نتیجہ ایک حتمی و قطعی اثر پیدا کرنے والا فیصلہ تھا۔ سوئیڈن ایک بڑی طاقت ہونیکے بجائے عالم گمنامی میں

روس کو سوئیڈن کی جگہ حاصل ہوگئی

پڑ گیا اور اس وقت سے شمال میں ایک نئی طاقت یعنی روس کا دور دورہ شروع ہو گیا

چارلس کا قیام ٹرکی

چارلس پانچ برس تک ٹرکی میں مقیم رہا اور بہت زور کے ساتھ یہ کوشش کرتا رہا کہ ترکوں کو اپنی حمایت میں روسیوں سے لڑا دے آخر جب ۱۷۱۴ء میں وہ اپنے وطن کو واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ سوئیڈن کی قسمت کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، کیونکہ آس پاس کی سلطنتوں نے بادشاہ کی اس طویل عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سوئیڈن کے جس جس حصۂ ملک پر انکی نظر لگی ہوئی تھی اس پر قبضہ کر لیا۔ بیشک چارلس نے اپنی خلقی جرأت و مردانگی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر اس کا ملک بالکل خستہ و درماندہ

چارلس کا انتقال ۱۷۱۸

ہو گیا تھا اور رعایا اس سے برگشتہ ہو گئی تھی ۱۷۱۸ء میں جبکہ وہ ناروے میں فریڈرکشاڈ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا ایک خندق کے اندر وہ کام آ گیا۔ اس کے بعد اسکی بہن الریکا الینرا اس کی جانشین ہوئی اور اسے اعیانی جماعت نے مجبور کیا کہ وہ اقتدار شاہی میں بہت بڑی کمی کو منظور کر لے۔ اس کے بعد ان تھکے ہوئے اہل سوئیڈن نے اپنے دشمنوں کے ساتھ عجلت سے صلح کر لی۔ ڈنمارک نے اصولاً یہ تسلیم کر لیا کہ ہر ایک سلطنت دوسری کے مفتوحہ ملک کو واپس کر دے۔ ہینوور اور برینڈنبرگ کی جرمن سلطنتوں کو سوئیڈن کے جرمن صوبوں سے معاوضہ دیا گیا، آگسٹس (قوی) پولینڈ کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ مگر پیٹر جس نے

روس کا حصول ممالک

چارلس کی شکست میں سب سے زیادہ کارنمایاں کیا تھا اسے ۱۷۲۱ء کے معاہدۂ نسٹاڈ کی رو سے اس غنیمت میں بھی سب سے بڑا حصہ ملا، کریلیا، انگریا، استھونیا، لودنیا، غرض مشرقی بالٹک کی طرف فیلینڈ کے سوا تمام سوئیڈنی مقبوضات اس کے قبضے میں آ گئے۔

الکسس کا قتل

پیٹر اب اپنے عہد کے اختتام کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اسکی حکومت نے روس میں ایک نئی شان پیدا کر دی تھی مگر وہ بھی شکست و ذلت سے نہ بچ سکا۔ روس کی تہذیب و تمدن کو ترقی دینے کے لئے اس نے ایک کام ایسا کیا جسے کسی طرح قابل مدح نہیں کہا جا سکتا۔ روس کے

انتہا پسند قوم پرست اپنی نیم وحشیانہ حالت سے ترقی کرنے کے لئے مخالف تھے، ان لوگوں نے بہت جلد اپنی امیدوں کا مرکز پیٹر کے فرزند و وارث الکسس کو بنا لیا؛ اور الکسس نے بھی اپنی جگہ پر اس رجعت پسند روش سے ہمدردی ظاہر کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پیٹر کے دل پر یہ بڑا بار ہو گیا کہ ممکن ہے کہ اس کا جانشین اس کی عمر بھر کے محبوب کام کو تباہ کر دے۔ برسوں اس نے یہ کوشش کی کہ الکسس کو اپنے خیالات کی طرف پھیر لے؛ مگر جب اس کی کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا تو اس نے سلطنت کے مفاد کی خاطر یہ عزم کر لیا کہ اپنے بیٹے کو اس راہ میں حائل نہ رہنے دے۔ اس عزم کی ہم تعریف کر سکتے ہیں مگر جس طرح اسے پورا کیا گیا وہ نہایت مہیب و ہولناک طریقہ تھا ولیعہد روس کو قید خانہ میں اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ آخر ۱۷۱۸ء میں اس کا کام تمام ہو گیا اور اغلب یہ ہے کہ خود باپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے کو قتل کرایا؛

۱۷۲۵ء میں جب پیٹر کا انتقال ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا گویا روس اپنی سابقہ ایشیائی حالت کی طرف واپس چلا جائے گا۔ پیٹر کے بعد اسکی ملکہ کیتھرائین اول نے ۱۷۲۷ء تک حکومت کی اور ۱۷۲۶ء میں آسٹریا کے ساتھ ایک اہم معاہدہ کیا۔ اس کے انتقال کے بعد

کیتھرائین

پیٹر دوم کے تمام دور حکومت (۱۷۲۷۔۱۷۳۰) میں قدیم روسی فریق کو ہر طرح غلبہ حاصل رہا۔ لیکن انیا اوئیونا (۱۷۳۰۔۱۷۴۰) اور الیزبتھ (۱۷۴۰۔۱۷۶۲) کے زمانہ حکومت میں روس نے پھر پیٹر اعظم کی روش اختیار کی اور بتدریج اس کا شمار یورپی طاقتوں میں ہونے لگا۔ جانشینی پولینڈ کی جنگ (۱۷۳۳۔۱۷۳۵) میں اس کا اثر محسوس ہوا اور جانشینی آسٹریا کی جنگ (۱۷۴۰۔۱۷۴۸) میں انگلستان و ہالینڈ نے اس سے مداخلت کی خواہش کی جنگ ہفت سالہ (۱۷۵۶۔۱۷۶۳) میں زارینہ نے فریڈرک اعظم کی مخالفت میں بہت نمایاں حصہ لیا لیکن روس کو دول عظمیٰ میں اس وقت تک قطعی طور پر جگہ نہیں ملی جبتک کہ وہ جلیل القدر عورت تخت نشین نہ ہوئی، جس نے پیٹر کے عہد کی

کیتھرائن دوم
۱۷۶۲-۱۷۹۶

روایات کو سمجھا اور اسے پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھایا یہ عورت پیٹر سوم کی ملکہ کیتھرائن دوم تھی کیتھرائن، جرمنی کی ایک معمولی شہزادی تھی اور پیٹر سوم سے اس نے اسوقت عقد کیا تھا جب وہ ولیعہد سلطنت تھا، کیتھرائن نہ صرف ذہین و مستعد کار بلکہ نہایت درجہ بے باک عورت تھی، پیٹر سوم ایک وہمی اور کسی قدر فاتر العقل شخص تھا۔ اس کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی دنوں بعد (۱۷۶۲ء میں)، ملکہ نے اپنے دو مورد عنایت شخصوں کے ذریعہ سے اس کا گلا گھٹوا کر اسے مار ڈالا اور خود ملک کی مالک بن گئی۔ اس نے اگرچہ ایسے جرم عظیم کے وسیلہ سے یہ اقتدار اعلیٰ حاصل کیا تھا مگر اس اقتدار پر قابض ہو کر اس نے نہایت ہی ہوشیاری کے ساتھ اس کا استعمال کیا۔ چونکہ اس کی نشو و نما مغرب میں، ہوئی تھی اس لئے وہ بالطبع مغربی تہذیب کی طرفدار تھی۔ خود پیٹر اعظم بھی، مدرسوں کے قیام، صنعت و حرفت کے شیوع اور تجارت کی سرپرستی میں کیتھرائن سے زیادہ سرگرم نہیں تھا۔ اس سے زیادہ اہم کام یہ ہوا کہ مغرب کی طرف وسعت حاصل کرنے کی نسبت وہ پیٹر اعظم کے خیال پر کاربند ہوئی۔

کیتھرائن کے پولینڈ و ٹرکی کو تباہ کرنے کا منصوبہ سوچنا

شمال یورپ میں سویڈن کی فوقیت تو پیٹر کے ہاتھوں پہلے ہی زائل ہو چکی تھی، اب روس کی ترقی میں یورپی طاقتوں میں سے صرف پولینڈ و ٹرکی سلطنتیں مانع تھیں کیتھرائن نے اپنی زندگی انہیں دونوں یورپی ہمسایوں کے تباہ کرنے پر وقف کر دی، اور مرتے مرتے اس نے اتنی کامیابی حاصل کر لی کہ پولینڈ کو تو بالکل برباد ہی کر دیا اور ٹرکی کو بھی اپنے قدموں کے نیچے ڈال دیا۔

پولینڈ کی طوائف الملوکی

جب چارلس دوازدہم شاہ سویڈن ایک نہایت ہی مختصر سی فوج کے ذریعہ سے کئی برس (یعنی ۱۷۰۲ء سے ۱۷۰۹ء تک) پولینڈ پر قابض رہا تو اس ملک کی انتہائی ابتری کی حالت سے یورپ کا ایک ایک شخص واقف ہو گیا تھا، ملک کی اس کمزوری کا باعث اس کے خود غرض امرا اور ان کا ناممکن العمل نظام سلطنت تھا، اس نظام سلطنت کی مضحکہ خیز سند

ناموزونیت کا ان ازہ صرف "لبرم ویٹو" (آزادی تنسیخ قانون) کے اس مشہور قاعدہ سے ہوسکتا ہے کہ ہر امیر کو یہ اختیار حاصل تھا کہ ڈائٹ کی جو تجویز اسے ناپسند ہو اسکو محض اپنے اختیار تنسیخ قانون کی رُو سے مسترد کر دے، اسی لبرم ویٹو کے ذریعہ سے ایک شخص حکومت کی چلتی ہوئی کل کو بالکل معطل کر سکتا تھا، ان حالات میں پولینڈ اندرونی مناقشات میں پھنس گیا اور بہت جلد اس کے حریص ہمسایوں نے اسے اپنا شکار بنا لیا۔

پولینڈ کی تقسیم کے لئے روس آسٹریا اور پرشیا تینوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔

اس امر کا تحقیق کرنا بے سود ہے کہ کون شخص یا کون سلطنت پولینڈ کی تقسیم کے خیال کی ذمہ دار ہے۔ یہ خیال ہوا میں گونج رہا تھا، اور تین سلطنتیں جو پولینڈ کے آس پاس واقع تھیں اور اس تقسیم سے انھیں نفع ہو سکتا تھا وہ روس، آسٹریا اور پرشیا تھیں اور ان سلطنتوں کے حکمران اس وقت علی الترتیب کیتھرائن، امیریا تھریسا اور فریڈرک تھے، پس یہ رسوائی انہیں تینوں پر منقسم ہونی چاہیئے۔

تقسیم اول ۱۷۷۲ء

تدابیر سیاسیہ کی نظر سے دیکھا جائے تو پولینڈ کی پہلی تقسیم کا سہرا فریڈرک اعظم کے سر رہتا ہے، کیونکہ کیتھرائن اس فکر میں تھی کہ کل مال غنیمت کو تنہا ہضم کر جائے لیکن عین وقت پر فریڈرک نے آسٹریا کو اپنے ساتھ ملا کر زارینہ کو مجبور کر دیا کہ وہ دوسرے ہمسایوں کو بھی ان کا حصہ دیدے، پہلی تقسیم جس کا تعلق ۱۷۷۲ء سے ہے اس نے پولینڈ کو بالکلیہ غارت نہیں کیا بلکہ ان خوش قسمت رہزنوں کے لئے کچھ ٹکڑے تراش لئے گئے۔ دریائے ڈونیا کے مغرب جانب کی زمین روس کو ملگئی، گلیشیا، آسٹریا کے ہاتھ آیا، اور مغربی پرشیا کا صوبہ پرشیا کو ملا لیکن مداخلت کا اصول اب ایک مرتبہ قائم ہو چکا تھا اور چند برس بعد تقسیم دوم (۱۷۹۳ء) اور تقسیم سوم (۱۷۹۵ء) نے پولینڈ کی قسمت پر مہر لگا دی، جسوقت پولینڈ کی آخری فوج جسے کاسسکو نے نہایت دلیری کے ساتھ لڑایا، روسیوں کے مقابلہ میں زیر ہوگئی تو پولینڈ کی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا، لیکن ایک قوم کی حیثیت سے وہ اس وقت موجود ہے اور از سر نو زندہ ہونے کی امید

بہت پختگی کے ساتھ اس کے دل میں قائم ہے؛

ترکوں کے مقابلے میں کیتھرائن کی کامیابیاں؛

کیتھرائن کو اہل پولینڈ پر جب ایسی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تو پھر ترکوں کے خلاف اپنی کوششوں کو اور تیز کرنے کا خیال اس کے دل میں موجزن ہوا۔ دو لڑائیوں میں اس نے ترکوں کو کامل شکست دیدی اور بحر اسود کے گرد اپنے ملک کی سرحد کو دریائے نیسٹر تک بڑھا لے گئی۔ (اس میں سے پہلی لڑائی ۱۷۶۸ء-۷۴ میں اور دوسری ۹۲-۱۷۸۷ء میں واقع ہوئی تھی) اتنے ملک کا حاصل کر لینا بھی بہت بڑی کامیابی تھی مگر کیتھرائن کی حریص طبیعت اس سے کب قانع ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے جانشینوں کے لئے قسطنطنیہ کا خواب اپنی میراث کے طور پر چھوڑ گئی۔ یہ جانشین بھی ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہے اور کیتھرائن کے بعد سو برس سے وہ صبر و استقلال کے ساتھ اپنی سرحد کو باسفورس کی طرف بڑھاتے رہے ہیں؛

کیتھرائن نے اپنے انتقال (۱۷۹۶ء) کے وقت روس کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ شمال کی سب سے بڑی سلطنت تھا، پیٹر کی طرح اُس کے دامن پر بھی جرائم و بدکاری کے دھبے لگے ہوئے ہیں، مگر انھیں دونوں کو یہ عزت حاصل ہے کہ انھوں نے بلا مدد غیرے بلکہ بسا اوقات خود روس کی مخالفت کے باوجود ملک کو موجودہ بلند مرتبے پر پہنچا دیا؛

باب (۲۸)

سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں میں پرشیا کا عروج

برینڈنبرگ کی تاریخ

پرشیا کی موجودہ بادشاہت کا گھوارہ برینڈنبرگ کا دو مارک (صوبۂ سرحدی) ہے؛ اس مارک کے متعلق قرون وسطیٰ کے

جزو میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ کیونکر ایک انتخابی حلقہ بن گیا اور کس طرح وہ خاندان ہوہنزولرن کے قبضہ میں آیا۔ قرون وسطیٰ کے بعد دو اور واقعات ایسے پیش آئے جنھوں نے برینڈنبرگ کے لیئے وہ میدان صاف کر دیا جس پر وہ آئندہ قدم بڑھانے والا تھا۔ لوتھر کے زمانے میں والئے برینڈنبرگ اور اس کی رعایا نے مذہب پروٹسٹنٹ اختیار کر لیا تھا، اور سترھویں صدی کے اوائل میں والئے برینڈنبرگ، جرمنی کے انتہائے مشرق و انتہائے مغربی حصص میں وسیع قطعات ملک کا وارث ہو گیا تھا، یعنی ایک طرف حوالئے رائن میں کلیوس، اور دوسری طرف پرشیا کی امارت اسے ملگئی تھی۔

امارت پرشیا کی تاریخ

امارت پرشیا کے اس طرح برینڈنبرگ میں شامل ہو جانے سے اس کی تاریخ نہایت دلچسپ ہو گئی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیئے ہمیں قرون وسطےٰ کے اس زمانے پر نظر ڈالنا چاہیئے جبکہ پرشیا کا لفظ کسی قدر مبہم طور پر اس تمام قطعہ ارض پر عائد ہوتا تھا جو مشرقی بالٹک کے گرد واقع تھا، اور جس میں کافروں کا ایک قبیلہ سلیو آباد تھا جسے پرشین (اہل پرشیا) کہتے تھے۔ اس قطعہ ملک کو تیرھویں صدی میں ٹیوٹنی نائٹوں کے فوجی گروہ نے فتح کر کے اسے عیسائی بنا لیا اور اس پر حکومت کرنے لگے، مگر پندرھویں صدی میں وہ خود شاہ پولینڈ سے مغلوب ہو کر مفتوح ہو گئے۔ شاہ پولینڈ نے اس کے بعد یہ انتظام کیا کہ پرشیا کے مغربی نصف حصے کو تو اپنی مملکت میں شامل کر لیا، اور مشرقی نصف حصے کو اس شرط سے نائٹوں کو واپس دیدیا کہ وہ اس کے باجگذار کے طور پر اس حصے پر قابض رہیں۔ اس طرح مشرقی پرشیا جاگیرانہ طور پر پولینڈ کے تابع ہو گیا اور لوتھر کے زمانے میں جب یہ نائٹ پروٹسٹنٹ ہو گئے تو ان کا طبقہ ٹوٹ گیا اور اسکے گرینڈ ماسٹر (صدر اعظم) البرٹ نے (جو خاندان ہوہنزولرن کی دوسری شاخ سے تھا) ۱۵۲۵ء میں ڈیوک کا لقب اختیار کر لیا۔ اس وقت بھی مشرقی پرشیا کی سیاسی حیثیت میں فرق نہیں آیا جب ۱۶۱۸ء میں البرٹ کے سلسلہ نسب میں کوئی باقی نہیں رہا تو امارت پرشیا (یا زیادہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہیئے کہ مشرقی پرشیا) اس کے برینڈنبرگ کے ایک رشتہ دار کو ملگئی۔

الکٹر دوالئی اعظم ۱۶۴۰-۱۶۸۸

لیکن مشرقی پرشیا اور کلیوس کے شمول سے اس قدر وسعت

حاصل کر لینے کے بعد بھی برینڈنبرگ کو جرمنی یا یورپ کے معاملات میں اسوقت تک کوئی اہمیت نہیں حاصل ہوئی، جبتک کہ سنہ ۱۶۴۰ء میں فریڈرک ولیم (جو والی اعظم کے نام سے مشہور ہے) تخت نشین نہیں ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت جنگ سی سالہ زوروں کے ساتھ جاری تھی۔ اور برینڈنبرگ انتہا درجہ کی تباہی میں مبتلا ہوگیا تھا، باوجودیکہ فریڈرک ولیم کی عمر اس وقت صرف بیس برس کی تھی تاہم اس نے نہایت قابل تعریف قوت عملی کا ثبوت دیا، اس نے ہر طرف امن قائم کر دیا، اور (سنہ [illegible] ء) جب ویسٹ فیلیا کے جلیل القدر معاہدے پر دستخط ہوئے تو اسکی مملکت میں میگڈی برگ، کیمن منڈن کی امارت ہائے اساقفہ جنھوں نے دنیاوی حیثیت اختیار کر لی تھی اور پومیرینیا کا مشرقی نصف حصہ فریڈرک ولیم کی مملکت میں شامل ہوگیا۔ برینڈنبرگ کا یہ دعویٰ تھا کہ کل پومیرینیا کا مغربی حصہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا اس وجہ سے اس دعوے کی کچھ پیش نہ گئی۔

اندرون ملک کا مسئلہ

اپنے اندرون ملک کے معاملات کے اعتبار سے فریڈرک ولیم کی حیثیت تخت نشینی کے وقت یہ تھی کہ وہ تین ایسی مملکتوں کا سر گروہ بنایا گیا جو ایک دوسرے سے دور دور فاصلے پر واقع تھیں ان میں سے ایک مملکت برینڈنبرگ کی تھی، دوسری کلیوس کی، تیسری پرشیا کی، اور ان میں سے ہر ایک کا انتظام بجائے خود ایک جداگانہ چھوٹی سی سلطنت کے طور پر تھا، ہر ایک کی ڈائٹ، فوج، نظم و نسق ملک، سب علیحدہ تھے، فریڈرک ولیم نے دانشمندانہ طور پر یہ عزم کیا کہ اس اختلاف کے بجائے اتحاد قائم کر دے۔ اسلئے اس نے ڈائٹوں کو برطرف کر کے اپنے کو مطلق العنان بنالیا۔ تینوں مقامی فوجوں کو ایک قوی انتظام کے تحت میں کر دیا، اور تین جداگانہ انتظامات ملکی کو ملا کر ایک بنا دیا۔ اس طرح اس نے اپنی تینوں مملکتوں کو باہم متحد کر لیا اور ہر اعتبار سے ایک متحدہ شاہی قائم کر دی جس پر اس کا اقتدار ویسا ہی کامل تھا جیسا فرانس پر لوئس کا اقتدار تھا۔

فریڈرک ولیم نے مشرقی پرشیا پر اپنا پورا شاہی اقتدار قائم کیا

فریڈرک ولیم ایک ایسا شخص تھا جس کے دل میں وسعت مملکت

کے خیالات بھی سوجھیں مار رہے تھے ۔ وقت آنے پر ہر طرح سے تیار رہنے کے خیال سے اس نے مستقل کوشش کے ساتھ اپنی فوج کو بڑھایا اور اسے ہر طرح سے درست و مکمل بنایا ، آخر موقع آہی گیا ۔ ۱۶۵۵ء میں پولینڈ و سوئیڈن میں جنگ چھڑ گئی ۔ اس جنگ میں والئی اعظم نے ایسی عمدہ روش اختیار کی اور ایسی شاطرانہ چالیں چلا کہ شاہ پولینڈ سے بزور ایک عہد نامہ لکھا لیا ، جس کی رو سے شاہ مذکور نے مشرقی پرشیا پر اپنے حق سیادت کو ترک کر دیا ، اور یہ امارت فریڈرک ولیم کو پورے حقوق شاہی کے ساتھ تفویض کر دی گئی ۔ فریڈرک کی یہ سب سے بڑی سیاسی کامیابی تھی ۔

اس نے اہل سوئیڈن کو شکست دی

چند برس بعد اس نے ایک اس سے بھی بڑھی ہوئی فوجی ظفر مندی حاصل کی ۔ ۱۶۷۲ء میں لوئس چہاردہم نے ہالینڈ پر حملہ کر دیا ، اور فریڈرک ولیم بہ معیت شہنشاہ اس گرفتار مصیبت جمہوریت کی امداد کے لیئے بڑھا ۔ لوئس کا صرف ایک رفیق سوئیڈن تھا پس فریڈرک کو راس سے واپس ہٹانے کے لیئے اس نے سوئیڈن کو یہ ترغیب دی کہ وہ برینڈنبرگ پر حملہ کر دے الکٹر (والی) اب انتہائی عجلت کے ساتھ وطن کی طرف پلٹا اور فیربلن میں (۱۰ ماہ جون ۱۶۷۵ء) اہل سوئیڈن کو اچانک جا لیا ، اور کامل شکست دیدی ۔ اس وقت سے برینڈنبرگ کی فوجی عظمت پوری طرح قائم ہو گئی ، اور آئندہ چند برسوں میں الکٹر نے اہل سوئیڈن کو پومیرینا سے کلیۃً خارج کر کے معاملات کو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ، لیکن جب ۱۶۷۸ء کے معاہدہ نمویجن کی رو سے عام یورپی جنگ ختم ہوئی تو فریڈرک ولیم اپنے مفتوحہ ملک پر قابض نہ رہ سکا ۔ لوئس چہاردہم نے اپنے رفیق سوئیڈن کا پورا پورا ساتھ دیا اور اس امر پر مصر رہا کہ اس کی مدد کرنے کے عوض میں سوئیڈن کو اپنے ملک کی قربانی نہیں کرنی پڑے گی ۔ فریڈرک ولیم نے دل پر جبر کر کے اسے قبول کر لیا اور پیرس کے قریب مقام سنٹ جرمین آن لے میں (۱۶۷۹ء کے) معاہدے کی رو سے نہایت رنج و افسوس کے ساتھ اپنا مفتوحہ ملک سوئیڈن کو واپس کر دیا ۔

الکٹر (والی) شاہ پرشیا ہو گیا ۔ ۱۷۰۱ء

۱۶۸۸ء میں والئی اعظم کا انتقال ہو گیا اور اس کا جانشین اس کا

بیٹا فریڈرک ہوا، اس کی طبیعت اپنے باپ سے بالکل ہی مختلف واقع ہوئی تھی وہ خلقاً کمزور و بدہیت تھا۔ اور محنت کا کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے فرائض شاہی کی انجام دہی سے زیادہ دربار کی مسرتوں سے حظ و لطف اٹھانے کا سبق پڑھا تھا اس کا عہد صرف ایک امر کے لیئے یادگار ہے کہ اس نے والئے برینڈنبرگ کے لیئے شاہ پرشیا کا نیا خطاب حاصل کر لیا۔ یہ خطاب شہنشاہ لیوپولڈ نے اس غرض سے دیا تھا کہ جانشینی اسپین کی جنگ اسوقت شروع ہی ہوا چاہتی تھی۔ اسمیں فریڈرک کو اپنے ساتھ ملالے چنانچہ ۱۸ جنوری ۱۷۰۱ء کو فریڈرک کی تاجپوشی مشرقی پرشیا کے پایہ تخت کونسبرگ میں عمل میں آئی اور اس کے بعد سے برینڈنبرگ کا والی فریڈرک سوم، شاہ فریڈرک اول کے اعلیٰ لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ شاہ پرشیا کا لقب شاہ "برینڈنبرگ" کے بجائے اس وجہ سے قابل ترجیح سمجھا گیا کہ فریڈرک کی خواہش یہ تھی کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ بادشاہ ہو، اور یہ امر صرف پرشیا میں ممکن تھا، کیونکہ پرشیا شہنشاہی کے حدود میں داخل نہیں تھی۔ اس وقت سے پرشیا کا لفظ ہوہنزولرن کی تمام سلطنتوں کے لیئے عام نام کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اور برینڈنبرگ کا پرانا نام بتدریج مٹ گیا۔

فریڈرک ولیم اول اندرون ملک کا شاہ اعظم ہے ۱۷۱۳–۱۷۴۰

فریڈرک کا جانشین، فریڈرک ولیم اول (۱۷۱۳ء تا ۱۷۴۰ء) حالت قدیمی کیطرف بازگشت کا ایک عجیب نمونہ ہے، گویا والئے اعظم پھر دنیا میں آگیا تھا، ولیم میں والئے اعظم ہی کی سی عملی معاملہ فہمی موجود تھی مگر تدابیر سفارتی کی بلند پروازی اور سیاسی حوصلہ مندی میں وہ والئے اعظم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنا تمام وقت اور اپنی تمام توجہ فوج و نظم و نسق ملکی کے نذر کردی۔ انتہائی کفایت شعاری سے اس نے کم و بیش اسی ہزار سپاہ کے رکھنے کا انتظام کر لیا جس سے اس کی فوج فرانس و آسٹریا کی سی سلطنتوں کی مستقل فوج کے برابر پہنچ گئی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی فوج تھی کیونکہ قواعد و تربیت کی سخت پابندی کی وجہ سے وہ یورپ میں سب سے زیادہ صحیح چلنے والی فوجی کل بن گئی تھی۔ اندرون ملک کی حکومت میں اس نے اس کام کو جاری رکھا جسے والئے اعظم نے شروع کیا تھا، یعنی وہ مختلف شعبہائے حکومت کو ایک مرکز کے

پرشیا کے دفتری اقتدار کی ابتدا

تحت میں لاتا رہا۔ ایک "نظارت عامہ" نے مالیات و نظم و نسق ملک کے تمام انتظامات کو اپنے تحت میں لے لیا اور اسی کے سخت مطالبات کے باعث پرشیا کی وہ مشہور دفتری حکومت وجود میں آئی جو اپنے "عرق فیتے" کے باوجود اس وقت تک اپنے پر زور کاموں اور اپنے ادائے فرائض کے انہماک کی وجہ سے مشہور رہے۔ یہ یقینی ہے کہ اس زمانے کی کسی حکومت کا انتظام اتنا جدید اور اتنا کفایت شعارانہ نہیں تھا جتنا فریڈرک ولیم کا انتظام تھا

فریڈرک ولیم کی ایک جنگ

ایسی اعلیٰ فوج اور ایک ایسے متحد العمل ملکی خدمات کا سلسلہ قائم کرنا اور ان دونوں کا براہ راست اور کلیتہً تاج کے تابع ہونا اور پھر اس کے ساتھ مفید مالی نظام قائم کرنا جس سے وہ عجیب و غریب برکت حاصل ہوئی جسے سالانہ بجٹ کہتے ہیں، یہ سب فریڈرک ولیم اول ہی کا کام تھا اور ان کاموں کے لحاظ سے اسے اندرون براعظم کا سب سے بڑا بادشاہ کہنا بجا ہے۔ لیکن اس نے پرشیا کی ملکی وسعت میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں کیا جس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ اسے اپنے اوپر یہ اعتماد نہ تھا کہ اس میں بین الاقوامی معاملات میں دخل دینے کی قوت موجود ہے۔ با ایں ہمہ اس نے جس کسی ایک معرکہ میں ہاتھ ڈالا اس میں وہ کامیاب رہا۔ یہ جنگ سوئڈن کے خلاف اس زمانے میں ہوئی جبکہ پلیٹوا کی شکست کے بعد سوئڈن کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ چونکہ سوئڈن کے تمام ہمسائے (روس، ڈنمارک اور پولینڈ) ہر ممکن تدبیر سے اس کے ممالک پر قبضہ کرتے جاتے تھے اس لیئے فریڈرک ولیم کو بھی کوئی وجہ اسکی نہیں معلوم ہوئی کہ کیوں پرشیا اس سے الگ رہے بس ایک ہی تیز و تند ۱۷۱۵ء میں اس نے سوئڈن کے حصہ پومیرینیا کو فتح کر لیا۔

اس نے اسٹٹن کو حاصل کرلیا

چارلس دوازدہم کے انتقال کے بعد ۱۷۲۰ء میں جس صلحنامہ پر دستخط ہوئے۔ اس میں فریڈرک نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اسٹٹن کے آس پاس کے قطعۂ ملک کے ملجانے پر مطمئن رہے جس سے پرشیا کے لیئے بحر بالٹک پر ایک ضروری بندرگاہ کا انتظام ہو جائے گا۔

۱۷۲۵ء میں شہنشاہ چارلس ششم اور فلپ (بادشاہ اسپین) کے اتحاد سے

خائف ہو کر فریڈرک، انگلستان و فرانس کے مخالفہ ہینوور میں شریک ہوگیا لیکن دوسرے سال وہ پھر شہنشاہ سے ملگیا، جس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس کے خاندان کی امارتہائے برگ اور رونسٹین واپس دلادے گا۔

فریڈرک ولیم اگرچہ نہایت جفاکش اور محنتی شخص تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہمی بھی تھا، مثلاً اس کا خیال یہ تھا کہ بادشاہ کا انتہائے کمال یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک بزرگ خاندان کی طرح سب کام انجام دے، اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کے خانگی معاملات میں بھی مداخلت کیا کرتا تھا جس سے لوگوں کی زندگی وبال جان ہو گئی تھی۔ خود اپنے اہل خاندان سے بھی وہ ایسا ہی سخت برتاؤ کرتا تھا جس کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے معاملات کو اس قابل افسوس حد تک

باپ بیٹے میں مناقشہ

پہنچا دیا۔ کہ اس کے فرزند و ولیعہد فریڈرک نے (جو بعد کو فریڈرک اعظم کے نام سے مشہور ہوا) اپنے باپ کے حقارت آمیز برتاؤ سے بچنے کے لئے یہ عزم کر لیا کہ وہ بھاگ کر دوسرے ملک کو چلا جائے۔ نوعمر شہزادے کی بدقسمتی سے یہ تجویز ناکام رہی، اور اس بڈھے بادشاہ کا غضب اس حد تک بھڑک اٹھا کہ اول اول تو وہ اپنے بیٹے کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا، مگر بعد کو نیک مشوروں کا لحاظ کر کے اس ارادے سے باز آیا پھر بھی وہ اسے سزا دینے سے باز نہ رہا، اور شہزادے کو ایسی ادنیٰ ادنیٰ ملکی و فوجی خدمتوں پر مامور کرتا رہا کہ کسی شاہی نسب کے شخص کو کبھی اس کا سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ اس تادیب سے اس خوش گزران شہزادے کے دل میں بغض و کینہ ضرور پیدا ہو گیا مگر اسی کا نتیجہ تھا کہ اُسے ملک کے وسیع انتظامات کی ہر شاخ سے پوری واقفیت ہو گئی۔ اور جب وہ خود بادشاہ ہوا تو وہ ایک بہت ہی باوقار بادشاہ ثابت ہوا۔

فریڈرک کی تخت نشینی
۱۷۴۰ء

۱۷۴۰ء میں فریڈرک دوم جو اب اٹھائیس برس کی عمر کو پہنچ گیا تھا، اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ چونکہ اس نے اپنے باپ کی زندگی کے آخری زمانے میں عزلت نشینی اختیار کر لی تھی اور علم ادب و دیگر علوم و فنون کے مطالعہ میں وقت گزارتا تھا اس لئے اس سے ہر ایک امر کی توقع ہو سکتی تھی، مگر یہ توقع نہیں ہوتی تھی کہ وہ فوجی تدابیر و سیاسی بلند حوصلگی کی

طرف مائل ہوگا، لیکن فوراً ہی ایک ناگہانی موقع ایسا آگیا جس سے فریڈرک کو بہت بڑے کارہائے خطیر میں درآنا پڑا۔

فریڈرک کی تخت نشینی اکتوبر ۱۷۴۰؁ء میں ہوئی تھی اور اس کے چند ہی ماہ بعد شہنشاہ چارلس ششم جو خاندان ہیپسبرگ کے سلسلۂ ذکور کا آخری شخص تھا فوت ہوگیا۔ اپنے انتقال سے بہت پہلے اس نے آسٹریا کی مشکلات کا اندازہ کرکے ایک قانون کے ذریعہ سے (جو پریگمیٹک سینکشن (فرمان شاہی) کے نام سے مشہور رہا) اپنی سب سے بڑی لڑکی میریا تھریسیا کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا اور اپنی زندگی بھر اسی فکر میں سرگرداں رہا کہ تمام یورپی طاقتوں کو اس فرمان شاہی کی تعمیل کا ضامن بنائے۔ اس قسم کی ضمانت تمام بڑی بڑی سلطنتوں سے حاصل ہوگئی اور بعض وقت اس کے لئے بہت بڑی بڑی قربانیاں بھی کرنی پڑیں، پس اپنے انتقال کے وقت چارلس کا دل مطمئن تھا اور آرچ ڈچس میریا تھریسیا، آسٹریا، بوہیمیا، ہنگری اور خاندان ہیپسبرگ کے اور دوسرے ممالک کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے فوراً تیار ہوگئی۔ یہی موقع تھا جب فریڈرک نے دخل دیا۔ فریڈرک کے باپ نے بھی فرمان شہنشاہی کی ضمانت کی تھی مگر فریڈرک نے اس کا لحاظ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اسکی نظر اس امر پر تھی کہ آسٹریا کی کمزور طاقت کے مقابلہ میں اپنے باپ کی وسیع فوج کو (جس کی پشت گری کے لئے ایک معمور خزانہ بھی موجود تھا) میدان میں لاکر ناموری و عزت حاصل کرے۔

فریڈرک نے شلیشیا پر حملہ کیا۔

سیلیشیا، آسٹریا کے قبضے میں تھی لیکن خاندان ہوہنزولرن کا بھی کوئی پرانا حق اس ملک پر تھا، اسی کو ایک بہانہ قرار دیکر فریڈرک نے اپنا علم بلند کیا اور ڈسمبر ۱۷۴۰؁ء میں اس صوبے میں داخل ہوگیا جسکی اسے اس قدر آرزو تھی۔

میریا تھریسیا میں اگر عزم و استقلال کے اعلےٰ اوصاف نہ موجود ہوتے اور مختلف اقوام جو اس کے زیر اقتدار تھیں بالاتفاق اس کی تائید نہ کرتیں، تو یہ وقت اسکے لئے بہت ہی مشکل کا آگیا تھا۔ اس کے دشمن دو طرف سے اس پر حملہ آور ہورہے تھے فرانسیسی اور ان کے جرمن رفقا براہ ڈینوب مغرب کی طرف سے اور فریڈرک، شاہ پرشیا شمال کی طرف سے بڑھ رہے تھے۔ چونکہ میریا تھریسیا تیار نہیں تھی

اس لیئے اس کی نئی بھرتی کی ہوئی فوج کو ہر موقعہ پر دبنا پڑا۔ ۱۰ اپریل ۱۷۴۱ء کو فریڈرک نے بمقام مالسوز اہل آسٹریا پر ایک بڑی عظیم الشان فتح حاصل کی اور اسطرح سلیشیا پر اپنے قبضے کو اور مضبوط کر لیا۔ اس کی یہ فتح عام یورش کا اشارہ ہو گئی۔ اس کی تقلید میں اسپین، فرانس، سیوائے، بویریا سیکسنی سب نے آسٹروی ممالک کے کسی نہ کسی حصے پر اپنا کوئی نہ کوئی حق پیدا کر لیا۔ انہوں نے اپنی فوجیں میریا تھریسا کے مقابلہ پر روانہ کر دیں اور جب اس نے غصّے کے ساتھ اس پر اعتراضات کئے تو یہ لوگ اپنے حرص وطمع کی وجہ سے اس غریب شہزادی پر اور ہنستے تھے۔ غرض چارلس کے مرتے ہی یہ ثابت ہو گیا کہ "فرمان شہنشاہی" کی قیمت اس کاغذ کے برابر بھی نہیں تھی جس پر وہ لکھا گیا تھا۔ اسی سال فرانسیسی، اہل سیکسن اور اہل بویریا نے بوہیمیا پر حملہ کر دیا۔

لیکن اس موقعہ پر پہنچکر میریا تھریسا کا ستارۂ اقبال پھر عروج کی طرف مائل ہوا جس کے اسباب میں یہ سبب بھی کچھ کم نہ تھا کہ اس نے اپنے سپاہیوں میں ایک جوش پیدا کر دیا تھا اتحادیوں کی فوج بوہیمیا سے نکال دی گئی۔ اور اب میریا نے اپنی باری میں بویریا پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اہل پرشیا بھی فرانسیسیوں کی مدد کے لیئے بوہیمیا میں داخل ہو گئے تھے، انپر بھی سخت دباؤ پڑا اگر انھوں نے (بماہ مئی ۱۷۴۲ء) بسلا میں ایک فتح حاصل کر کے خود کو بچا لیا۔ اسوقت میریا تھریسا نے انگریزی سفیر کے مشورے سے اس ارادے کو ظاہر کیا کہ وہ اپنے سب سے سخت دشمن (پرشیا) سے صلح کرنے پر آمادہ ہے ۱۷۴۲ء میں اس نے فریڈرک کے ساتھ برسلا کے ابتدائی شرائط پر دستخط کر دئے جس کی رو سے اس نے عملاً تمام صوبہ شلیشیا فریڈرک کے حوالہ کر دیا۔ پرشیا میں جس جنگ کو پہلی جنگ شلیشیا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس صلح سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس صلحنامے کو معاہدۂ برلن کی معینہ صورت میں بدل دیا گیا

دوسری جنگ سیلشیا ۱۷۴۴ - ۱۷۴۵

میریا تھریسا نے اب اپنے دوسرے دشمنوں کے خلاف جنگ کو اور زور کے ساتھ جاری کیا۔ آسٹریا کے پرانے دوست انگلستان و ہالینڈ بھی اس کے شریک ہو گئے اور جنگ کے حدود زیادہ وسیع ہو گئے آئندہ برسوں میں

فرانسیسی برابر پیچھے ہٹتے گئے۔ میریا تھریسیا نے بویریا کو فتح کر لیا ، جنوب جرمنی کو پامال کر دیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کل جرمنی کی مالک بن جائیگی۔ فریڈرک یہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ صورت پیش آئی تو وہ اپنے جدید فتوحات پر ایک برس بھی قابض نہ رہ سکیگا اس لیئے اس نے اب ایک دوسرے حملے کے لیئے حرکت کی ۱۷۴۴ء میں اس نے دوسری جنگ سلیشیا کی ابتدا کی جس میں اس کے قیاسات بالکل صحیح ثابت ہوے ، اس نے پہلے یہ کیا کہ اہل آسٹریا کو اپنی طرف متوجہ کر کے اہل فرانس و اہل بویریا کو خلاصی دلادی ، اور پھر (۱۷۴۵ء میں) اپنے دشمن کو جنگ ہائے ہوہنفریڈبرگ ، سَوہر ، گراس ہنرسڈارف اور کسلسڈارف میں شکست پر شکست دی تا آنکہ ۱۷۴۵ء کے میلاد مسیحؑ کے روز میریا تھریسیا نے فریڈرک سے اس طرح صلح کی کہ سلیشیا کی سپردگی کی (صلحنامۂ ڈرسڈن کی روسے) دوبارہ تجدید کر دی ؛

جانشینیٔ آسٹریا کی جنگ کا خاتمہ

چند برسوں تک اور یہ عام جنگ جاری رہی آخر ۱۷۴۸ء میں ہر شخص لڑائی سے عاجز آگیا اور متخاصمین نے صلحنامۂ ایکس لاشیپل پر دستخط کر دیئے جس کے موافق میریا تھریسیا کو سب نے آسٹریا کا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس کے قبل ہی ۱۷۴۵ء میں میریا تھریسیا کا شوہر فرانسس (والئے لورین) شہنشاہ منتخب ہو گیا تھا ، اور اس طرح وہ اعزاز جو مدت دراز سے میریا تھریسیا کے خاندان میں چلا آتا تھا ؛ برقرار رہا جانشینیٔ آسٹریا کی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور ہر شخص کی پیشین گوئی کے خلاف ملکہ کے اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے تمام آسٹروی ممالک مربوط و مستحکم رہے۔ صرف ایک سلیشیا کو قربان کرنا پڑا ، اور اطالیہ میں کچھ خفیف نقصانات ہوئے ؛

فریڈرک جب دوسری جنگ سلیشیا سے پلٹتا ہے تو پرشیا کی حالت میں انقلاب ہو گیا تھا۔ بادشاہ کو اپنے باپ سے ایک امید افزا سلطنت ملی تھی مگر وہ کچھ زیادہ وسیع نہ تھی اور یورپ میں اسے کوئی اقتدار بھی حاصل نہ تھا فریڈرک

پرشیا ایک بڑی سلطنت بن گئی ؛

نے سلیشیا کو اپنی مملکت میں شامل کر کے پہلے اسے معقول حد تک وسعت دی ، لیکن محض اس حصۂ ملک کے شامل ہونے سے پرشیا کا درجہ آسٹریا ، فرانس ، انگلستان یا روس کے برابر نہیں ہو سکتا تھا بلکہ پرشیا کے نوعمر بادشاہ نے جس قابلیت کا اظہار کیا اس سے پرشیا کا پلہ اس قدر بھاری ہو گیا کہ اس وقت سے اس کا شمار یورپ کے دولِ عظام میں ہونے لگا ؛

فریڈرک کے زمانۂ امن کی تیں

فوجی کامیابیوں کا سہرا جب فریڈرک کے سر بندھ چکا تو اب اس نے اس سے بھی زیادہ سخت کام کی طرف توجہ کی، یعنی وہ دانشمندی کے ساتھ حکومت کرنے اور اپنی قوم کو مادّی و اخلاقی طور پر ترقی دینے کی طرف مائل ہوا۔ دوسری جنگ سیلیشیا کے بعد صلح و امن کے جو دس برس گزرے اس میں فریڈرک نے اندرون ملک کے کاموں میں نہایت سخت محنت برداشت کی مثلاً یہ کہ اس نے دریائے اوڈر کے کنارے کے وسیع دلدلوں کو خشک کیا، نئی نہریں جاری کر کے اندرون ملک میں مال کی آمد و رفت کو ترقی دی اور لوہے، اون اور نمک کی نئی حرفتیں قائم کیں۔

فریڈرک کی فلسفیانہ حیثیت

باوجود ان تمام محنتوں کے فریڈرک کی طبیعت سے وہ عالمانہ اثر کسی وقت بھی زائل نہیں ہوا جو پیدائش کے وقت سے اس میں نمایاں تھا۔ علم ادب میں وہ اس جوش کے ساتھ منہمک رہتا تھا گویا یہی اس کی زندگی کا ماحصل ہے، گیت وغیرہ کے بنانے اور نَے کے بجانے میں اسے ہمیشہ مسرت حاصل ہوتی تھی، لیکن سب سے زیادہ جس امر سے اسے خوشی حاصل ہوتی تھی وہ زندہ دل دوستوں کا گروہ تھا۔ وہ خصوصیت کے ساتھ فرانسیسیوں کی طرف مائل تھا کیونکہ اس کے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہی قوم اس وقت یورپ کی تہذیب و تمدن کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے،

والٹیر

اور کئی برس تک (۱۷۵۰ - ۱۷۵۳) اس نے اٹھارھویں صدی کے سرآمد فلاسفہ والٹیر کو اپنے دربار میں رکھا، لیکن کچھ زمانہ کی گرم جوشیوں کے بعد شاہ و فلسفی میں ناچاقی ہوگئی، اور والٹیر بہت سی ذلت آمیز الزامات کے ساتھ برلن سے غائب ہوگیا۔ بہر نوع اٹھارھویں صدی کے ان دو سب سے زیادہ تابناک شخصوں کی عارضی یکجائی تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں ہے؛ ایک ان میں سے میدان عمل میں کوس لمن الملک بجا رہا تھا اور دوسرا معقولات و ادبیات کے آسمان کا مہر نیمروز بنا ہوا تھا۔ اس تمام دوران میں فریڈرک نے اس امر کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ میریا تھریسیا اس کی دوست نہیں ہے اور جس دغا کا وہ شکار ہوئی ہے اسے اس نے دل سے بھلایا نہیں ہے

وہ فی الواقع اس خیال میں تھی کہ سلیشیا کو واپس لے لے اور اس مقصد کے لیئے برسوں نہایت ہوشیاری کے ساتھ تدبیریں کرتی رہی۔ خود اسے اور اس کے وزیر کانز دونوں کے نزدیک ایک اہم ابتدائی کارروائی یہ تھی کہ فرانس سے اتحاد کر لیا جائے۔ اٹھارھویں صدی میں خاندان ہائے ہیپبرگ و بار بن کے درمیان (جن میں ایک صدی سے دشمنی چلی آرہی تھی) کسی قسم کا اتحاد بالکل مضحکہ انگیز معلوم ہوتا تھا۔ آسٹریا میں عام دستور یہ تھا کہ انگلستان سے اتحاد کیا جائے، اور کوئی دوسرا انتظام خود قانون قدرت کے خلاف معلوم ہوتا تھا لیکن کانز نے اپنی تدابیر سیاسیہ کا وہ معجزہ دکھا دیا جس نے آئندہ کئی برس کے لیئے یورپ کو تہ وبالا کر دیا۔ حالات ذیل سے اس کی تجاویز میں بہت مدد ملگئی تھی۔ وسط صدی میں انگلستان و فرانس دونوں اپنی اپنی جگہ پر سمندر کے اقتدار کے لیئے ہنر د آزمائی کی تیاری کر رہے تھے۔ دونوں ممالک برّاعظم میں اپنے رفیق پیدا کرنا چاہتے تھے اور چونکہ پرشیا نے مدت تک رکے رہنے کے بعد انگلستان کی ایک قرارداد پر دستخط کر دیئے تھے اس لئے فرانس نے لامحالہ پرشیا کے رقیب آسٹریا کا دامن پکڑا۔ اس کی ۱۷۵۶ء کے موسم بہار میں کانز کی تدابیر سیاسیہ کا انقلاب مکمل ہوگیا۔ اس وقت کے دو اہم سیاسی مسائل یعنی ایک طرف فرانس و انگلستان کی اور دوسرے آسٹریا و پرشیا کی رقابتوں کا تصفیہ جنگ ہفت سالہ (۱۷۵۶-۱۷۶۳) میں ہونے والا تھا اور انگلستان و پرشیا کی شمالی و پروٹسٹنٹی طاقتیں اپنے دعاوی و مقاصد کو فرانس و آسٹریا کی رومن کیتھولک طاقتوں کے مقابلہ میں مجتمع و متحد کرنے والی تھیں۔

ماریا تھریسیا انتقام کے منصوبے سوچتی ہے

قرارداد ویسٹ منسٹر جنوری ۱۷۵۶ء

معاہدۂ ورسیلز مئی ۱۷۵۶ء

لیکن میریا تھریسیا کا انحصار صرف فرانسیسی محالفہ ہی پر نہیں تھا اس نے روس، سویڈن اور سیکسنی کے ساتھ بھی محالفہ مؤکد کر لیئے تھے اور اس لیئے جب جنگ شروع ہوئی تو اسے اس امر کی قوی توقع تھی کہ فریڈرک محض اپنے مخالفین کی کثرت تعداد ہی سے دب کر کچل جائیگا۔ اس خطرۂ عظیم میں فریڈرک کو کامیابی کی اگر کوئی توقع ہو سکتی تھی

فریڈرک کے مقابلے میں اتحاد اعظم کا قائم ہونا

جنگ ہفت سالہ کا شروع ہونا

تو صرف اس طرح کہ وہ اپنی نقل و حرکت میں نہایت سرعت سے کام لے۔ اس لئے قبل اس کے کہ اتحادی جنگ کے لئے تیار ہو سکیں اس نے سکسینی پر قبضہ کر لیا، اور ۱۷۵۶ء کے موسم خزاں میں بوہیمیا پر حملہ کر دیا؛ دوسرے سال اس کے دشمنوں نے ہر جانب سے اس پر یورش کر دی، اور میریا تھریسیا کے شوہر فرانسس اول کے اغوا سے ان کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی، کیونکہ شہنشاہی کی سلطنتیں بھی اس کے مخالفوں میں شامل ہو گئی تھیں، لیکن اس مرتبہ بھی اس نے اپنی فوجی نقل و حرکت میں اس تدبیر سے کام لیا کہ ان کے متحد ہونے کے قبل ہی ان سے علیحدہ علیحدہ مقابلہ کر سکا۔ وہ عجلت کے ساتھ بوہیمیا میں داخل ہو گیا اور قریب تھا کہ اس کے پائے تخت پریگو پر قبضہ کر لے کہ (۱۸ جون ۱۷۵۷ء کو) مقام کوسن میں اسکی فوج کے ایک حصے کے شکست کھا جانے سے اسے مجبور ہو کر سکسینی کی طرف پلٹنا پڑا۔ اہل آسٹریا آہستہ آہستہ اس کے عقب میں چل نکلے، اور جس ملک کی انھیں آرزو تھی (یعنی سلیشیا) اس میں داخل ہو گئے۔ روس اس سے پہلے ہی مشرقی پرشیا میں اور اہل سوئڈن پومیرینیا میں پہنچ چکے تھے۔ اور فرانسیسی مع افواج شہنشاہی برلن کی طرف بڑھ رہے تھے فریڈرک کے دوست اور اسکے اہل خاندان یہ سمجھ رہے تھے کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا ہے، صرف وہی ایک شخص تھا جس نے اپنے دل کو قوی رکھا اور اپنی ہمت و تدبیر سے پے در پے حیرت انگیز فتوحات حاصل کر کے اس شدید خطرے کو دفع کر دیا، تھرنجیا میں بمقام راس بیک وہ بائیس ہزار آدمیوں کے ساتھ دو چند تعداد کی فرانسیسی و شہنشاہی فوجوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو ابتر و برباد کر دیا۔ (۵ نومبر ۱۷۵۷ء) اس کے بعد ہی

۱۷۵۷ء کی مشہور مہم

وہ بجلی کی طرح مغرب سے مشرق کی طرف پلٹا۔ وہ جس زمانہ میں تھرنجیا میں تھا، اسی اثنا میں آسٹریون نے سلیشیا کی فتح کو مکمل کر لیا تھا، اور دنیا میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ وہ پھر اپنے ملک پر قابض ہو گئے ہیں، لیکن جنگ راس بیک کے ایک ہی مہینے بعد برسلا کے قریب مقام لیوتھن میں فریڈرک نے چونتیس ہزار آدمیوں سے دو نی تعداد کے آسٹریوں کو نمایاں شکست دیکر نہایت ابتری کے ساتھ انھیں سربلند پہاڑوں کے

پیچھے خود ان کے ملک میں بھگا دیا، خوف و نا اہلیت نے اہل سوئڈن اور روسیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ پس موسم سرما کی آمد کے قبل ہی قبل دونوں چپلے سے کھسک گئے اور ۱۷۵۸ء کی عید مسیح کے وقت فریڈرک یہ کہنے کے قابل ہو گیا کہ بغیر کسی کمی کے وہ بدستور اپنی سلطنت کا مالک ہے۔

معاملات کا سلجھ جانا

بعد کی کسی مہم میں فریڈرک کو ایسی کثیر فوجوں کا خطرہ پیش نہیں آیا جیسا ۱۷۵۷ء میں واقع ہوا تھا۔ دوسرے سال تک انگلستان نے ایک فوج مرتب کر لی تھی جو فرڈیننڈ والئے برنسوک کے تحت میں رائن پر فرانسیسیوں کے خلاف کارروائی کر رہی تھی اور اس طرح اس جانب سے فریڈرک کو بچائے ہوئے تھی، اور چونکہ اب اہل سوئڈن کا حملہ محض ایک کھیل رہ گیا تھا اس لئے فریڈرک کو موقع تھا کہ وہ اپنے اسکینڈینوی دشمن کی طرف سے بے فکر ہو جائے تاہم اس میں شک نہیں کہ اب بھی پرشیا کے مخالفوں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی، پرشیا ایک مفلس و ویران ملک تھا جس کی آبادی بمشکل پچاس لاکھ کی تھی، اور آبادی و وسائل کے اعتبار سے روس و آسٹریا مجموعۃً کم از کم اس سے دس گنے زائد تھے، لیکن پرشیا کی زمام حکومت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جس کی طینت میں کم ہمتی و پستی کا نام و نشان تک نہ تھا، اور اس کے اسی وصف نے کچھ دنوں کے لئے دونوں طرف کے پلوں کو برابر کر دیا تھا۔

فریڈرک کمزور ہوتا جاتا تھا

آئندہ برسوں میں فریڈرک کی حکمت عملی یہ تھی کہ روسیوں اور آسٹریوں سے علیحدہ علیحدہ مقابلہ کرے تاکہ دونوں کی متحدہ فوجین اسے بالکل پیس نہ ڈالیں ۱۷۵۸ء میں وہ اس امر میں کامیاب ہو گیا کہ مقام زارن ڈارف میں روسیوں کو شکست دیکر پسپا کر دے، لیکن ۱۷۵۹ء میں انھوں نے کنرسڈارف کی تباہ کن جنگ میں اسے ہزیمت دیدی۔ اس وقت کچھ دیر کے لئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کا خاتمہ ہو گیا، لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح ایک دوسری فوج فراہم کر لی اور آخر میں اس کی حالت اس سے زیادہ بدتر نہ تھی جیسی مہم کے شروع ہوتے وقت تھی۔ بظاہر وہ کمزور ہوتا جاتا تھا سالہا سال سے اس کی طبیعت پر جو بار پڑ رہا تھا اس کا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، اور جب انگلستان کے نئے بادشاہ

جارج سوم نے ۱۷۶۱ء میں اس امداد کے دینے سے انکار کردیا جس سے فریڈرک اپنی فوج کو قائم رکھ سکتا تھا تو خود یہ عالی دماغ بادشاہ آئندہ کی امیدوں کیطرف سے دل برداشتہ ہوگیا۔

روس سے صلح ۱۷۶۲ء

اس موقع پر خود تقدیر ہی نے مداخلت کرکے فریڈرک کو بچالیا۔ فریڈرک کی سخت ترین دشمن زارینہ الیزبیتھ کا ۵ جنوری ۱۷۶۲ء کو انتقال ہوگیا اس کا جانشین پیٹر سوم شاہ پرشیا کا بہت ہی مداح تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کیا کہ فوراً ہی اپنی فوجوں کو آسٹریوں سے الگ کرلیا بلکہ یہاں تک قدم آگے بڑھائے کہ روس کے سابق دشمن پرشیا سے معاہدۂ اتحاد کرنے پر تیار ہوگیا لیکن جولائی ۱۷۶۲ء میں پیٹر تخت سے اتار دیا گیا، اور اس کی جانشین کیتھرائن دوم نے اگرچہ پرشیا کے ساتھ اتحاد کو منسوخ کردیا مگر صلح کو بدستور قائم رکھا۔ اسی سال (فانٹین بلو کے شرائط ابتدائی کی رُو سے) انگلستان و فرانس میں ایک سمجھوتا ہوگیا اور تمام سمندروں میں ان کی مخاصمت فوراً ہی بند ہوگئی۔ پس اب صرف آسٹریا و پرشیا جنگ کی حالت میں باقی رہ گئے تھے اور جس کام کو آسٹریا نصف یورپ کی مدد سے نہ کرسکا اسے اب تنہا انجام دینے کی کوئی امید نہ ہوسکتی تھی۔ اسلیئے میریاتھرسیانے بادل ناخواستہ صلح کرلینے کا ارادہ کیا اور ہیوبرٹسبرگ کی صلح (واقع فروری ۱۷۶۳ء) میں سیلیشیا مستقل طور پر فریڈرک کو دیدیا۔

امن کا دوسرا دور ۱۷۶۳ - ۱۷۸۶

صلح ہیوبرٹسبرگ کے بعد ابھی فریڈرک کی زندگی میں تیئس برس باقی تھے اور یہ تیئس برس امن و امان کے کاموں کے لیئے مخصوص تھے کیونکہ اپنے تھکے ہوے ملک میں دوبارہ قوت پیدا کرنے کے لیئے فریڈرک کی تمام طاقت و انتظامی قابلیت کی ضرورت تھی امن کے پہلے دور (۱۷۴۵-۱۷۵۶) کی طرح اب پھر ہم یہ سنتے ہیں کہ وسیع اصلاحات، صوبہ وار بنکوں کے قیام، دلدلوں کے خشک کئے جانے، نہروں کے کاٹنے اور صنعت و حرفت کی ہمت بڑھانے کی کارروائیاں عمل میں آرہی تھیں خلاصہ یہ کہ فریڈرک ہر ایک ایسے کام میں مشغول ہوگیا جسے کسی جفاکش بادشاہ نے کبھی انجام دیا ہو۔

مغربی پرشیا کا حصول

فریڈرک کی زندگی کے آخری دور کا صرف ایک سیاسی واقعہ ہماری توجہ کا محتاج ہے ۱۷۷۲ء میں پولینڈ کی بدنظمیوں کی وجہ سے اس بدنصیب ملک کی وہ پہلی تقسیم واقع ہوئی جس میں روس، آسٹریا اور پرشیا شامل تھے اس تقسیم میں مغربی پرشیا کا صوبہ فریڈرک کے حصہ میں آیا اور اس ذریعہ سے آخر الامر اس کے وسطی و مشرقی صوبے باہم مربوط ہوگئے ۔

آسٹریا و پرشیا کی رقابت

فریڈرک کے دور حکومت کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آسٹریا اور پرشیا میں دوئی پیدا کردی۔ آسٹریا کی پرانی رومن کیتھولک سلطنت مشترکیت جرمنی کی قدیم سرگروہ تھی، اب وہ جرمنی کے اقتدار کے بیئے نئی پروٹسٹنٹ سلطنتِ پرشیا کی رقیب بن گئی حقیقت یہ ہے کہ انھیں دونوں سلطنتوں کی باہمی رقابت جرمنی کی آئندہ صدی کی تاریخ کا خاص الخاص راز ہے اور اس امر کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں کہ ۱۸۶۶ء میں پرشیا کی آخری فتح اور جرمنی سے آسٹریا کے اخراج پر اس بات کا خاتمہ ہوا ہے۔ وہ مشہور قرار داد جس نے (۱۸۱۵ء میں) جرمنی کے متحد کرنے کی تمہید کا کام دیا ہے، اس میں بلا دقت ہر شخص کو نظر آسکتا ہے کہ فریڈرک کا بھی اس میں بہت بڑا حصہ ہے ۔

باب (۲۹)

اٹھارھویں صدی میں انگلستان و فرانس کے حالات

"شاندار انقلاب" کا نتیجہ

۱۶۸۸ء کے "شاندار انقلاب" سے انگلستان میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس انقلاب نے پروٹسٹنٹ حکمرانان ولیم و میری کو

تخت نشین بنادیا، "قانون حقوق" کے ذریعہ سے قانون بادشاہ پر غالب ہو گیا اور قانون "رواداری" کے ذریعہ سے سرکاری کلیسا اور منحرفوں کے درمیان مفاہمت کا راستہ کھولدیا گیا۔

ولیم کو اپنی حکومت کے ابتدائی چند برسوں تک اپنے تخت پر قابض رہنے کے لیے جنگ سے کام لینا پڑا۔ جیمز دوم نے لوئی چاردہم کے پاس پناہ لی تھی اور شاہ فرانس نے جب جیمز کی حمایت کرنے کا فیصلہ کرلیا تو انگلستان لامحالہ مخالفین کے ساتھ ہو گیا جس میں شہنشاہ، اہل ہالینڈ اور اسپین شامل تھے اور جن سے حال ہی میں لوئی نے وہ جنگ شروع کی تھی جو جنگ پیلٹینیٹ (۱۶۸۸ - ۱۶۹۷) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لوئی چاردہم کی دست درازیوں کے خلاف انگلستان نے برّاعظم کی طاقتوں کو مدد دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے قومی اغراض مدت سے اس امر کے متقاضی تھے کہ وہ فرانس کے دشمنوں کا شریک ہوجائے لیکن شاہان اسٹوارٹ کو برسر حکومت کرنے کی ایک پاداش یہ بھی تھی کہ ملک کے مفاد کے موافق نہیں بلکہ خاندانی اغراض کے موافق حکومت ہوتی تھی۔ ولیم نے بہت ہی قابل تعریف کام کیا کہ قوم کے اغراض کو شاہی اغراض سے متحد و متفق کردیا اور انگلستان کے معاملات کی اس طرح سربراہی کی کہ آئندہ سو برس تک ایک ہی روش قائم رہی

انگلستان و فرانس کی رقابت

جس کا انجام یہ ہوا کہ نہ صرف برّاعظم میں فرانس کی دست درازی و طمع رک گئی بلکہ اس کی بہترین نوآبادیاں بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے قبضے میں آگئیں اور سمندروں پر انگلستان کو فوقیت حاصل ہو گئی۔

ولیم نے آئرلینڈ کو فتح کرلیا

لوئی کے حالات کے ضمن میں جنگ پیلٹینیٹ کا بیان کسی اور موقع پر ہوچکا ہے لیکن اس کا ایک باب یعنی بغاوت آئرلینڈ ولیم کے عہد حکومت کی تاریخ میں شامل کرنا ضروری ہے۔ مارچ ۱۶۹۰ء میں جیمز دوم آئرلینڈ میں اترا اور اہل آئرلینڈ جو بہت پرجوش رومن کیتھولک تھے اس کے گرد جمع ہوگئے مگر یکم جولائی ۱۶۹۰ء کو ولیم نے جنگ بوائین میں جیمز دوم کو جو فن جنگ میں بہت ہی ناکارہ تھا شکست دیدی۔ وہ بعجلت تمام فرانس کو واپس بھاگ گیا اور جس قوم نے اس کی حمایت میں خروج کیا تھا اسے انگریزوں کے

رحم پر چھوڑ گیا جو ایک نہایت ہی شرمناک فعل تھا۔ ولیم اور اس کے جانشینوں نے اہل آئرلینڈ کے خلاف جو کارروائیاں اختیار کیں انھوں نے سو برس کے لیئے انگریزی حکومت سے مقاومت کرنے کی قوت کو توڑ دیا۔

انگلستان اور آئرلینڈ کے تعلقات

ان کارروائیوں کے بیان کرنے کے قبل یہ مناسب ہوگا کہ پوری سترہویں صدی میں انگلستان اور آئرلینڈ کے درمیان جو تعلقات تھے، ان پر ایک نظر ڈالی جائے جب سنہ ۱۶۰۳ء میں جیمز اول تخت نشین ہوا اُس وقت آئرلینڈ کئی صدی سے تاج انگلستان کے تابع چلا آرہا تھا مگر یہ محکومی برائے نام تھی جیمز خاندان اونیل کی طاقت کو توڑ کر واقعی حکمراں بنگیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس غنیمت کو قابو میں کسطرح رکھا جائے بہت غور و فکر کے بعد جیمز نے سنہ ۱۶۱۱ء میں یہ عزم کیا کہ صوبہ السٹر کو ضبط کرلے اور اس میں انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے لوگوں کو لاکر آباد کرے۔ پس اہل آئرلینڈ گروہ در گروہ وہاں سے نکال دیئے گئے اور اُن سے صرف اتنا کہدیا گیا کہ وہ کہیں اور اپنا ٹھکانا کرلیں۔ سنہ ۱۶۱۱ء کے اس فعل سے ظالموں اور مظلوموں کے درمیان ایک ایسی نفرت و عداوت پیدا ہوگئی کہ اس کی اصلاح ناممکن ہوگئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صدی میں آئرلینڈ کی تاریخ بغاوتوں اور مصیبتوں سے پر نظر آتی ہے۔ سنہ ۱۶۴۱ء میں جب انگلستان میں اندرونی مشکلات پیش آئے تو اہل آئرلینڈ ان آبادکاروں پر لوٹ پڑے اور انھیں بالکل تباہ کر ڈالا مگر انگلستان نے سنہ ۱۶۴۹ء میں اپنا انتقام لیلیا۔ اس سال کرامول نے باغیوں کو نہایت ہی بری طرح قتل کرکے تباہ کردیا اور اپنے اس کام کا خاتمہ اس پر کیا کہ السٹر کے علاوہ صوبہ لینسٹر اور منسٹر کو بھی ضبط کرلیا۔ باغی اہل آئرلینڈ شینن کے پار بھگادیئے گئے اور صوبہ کناٹ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے لیکن جب دوسری شورش کے موقع پر ولیم نے جنگ بوائین (سنہ ۱۶۹۰ء) میں باغیوں کو پست کیا تو ضبطی کا طریقہ کناٹ پر بھی عاید کیا گیا۔ اس وقت سے اہل آئرلینڈ کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ خود اپنے ملک میں کسی زمین کے مالک نہیں رہے اور اُن کی حیثیت محض کاشتکار،

مزدور اور گداگر کی رہ گئی تھی

ولیم، فرانس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے

پہلے ہی لکھا جاچکا ہے کہ بحیثیتِ شاہ انگلستان ولیم نے بہت بڑی قابلیت یہ دکھائی کہ اس نے ملک کو خود اسکے طبعی میلان پر چلنے کے قابل بنادیا اور اسے لوئس چہاردہم کے دشمنوں کی صف میں شامل کردیا۔ اس نے بحیثیتِ شاہِ انگلستان اپنی ساری زندگی اس کام کے لیئے وقف کردی کہ ایک ایسا طریق قائم کردے جو فرانس کی قوت کے ہم پلّہ ہو جائے اور ایک طرح کا توازن پیدا ہو جائے اس نے انگلستان شہنشاہ اور اہل ہالینڈ کے محالفہ کو اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنایا اور یہی محالفہ تھا جس نے آگسبرگ کی جنگ (۱۶۹۷ء-۱۶۸۹ء) سر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح رسوک کے وقت لوئس چہاردہم کو اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا اور اُسے کچھ حاصل نہ ہوا محالفین کے ہاتھ سے لوئس کو واقعی شکست دوسری جنگ میں ہوئی جو جنگ اسپین کے نام سے موسوم ہے۔ ولیم نے اگرچہ اس جنگ کے لیئے تیاری کی مگر ۱۷۰۲ء میں اسکا انتقال ہوگیا اور وہ اس کے دیکھنے کے لیئے زندہ نہیں رہا۔ اس کی بیوی، میری چند برس

قانون سلسلہ جانشینی ۱۷۰۱

پہلے ہی ۱۶۹۴ء میں انتقال کرچکی تھی چونکہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لیئے اب قانون سلسلۂ جانشینی کے بموجب تاج کی مالک میری کی بہن این قرار پائی اس قانون سلسلۂ جانشینی میں یہ بھی قرار دیا گیا تھا کہ اگر این بغیر کوئی وارث چھوڑے ہوئے انتقال کرجائے تو تاج ہینوور کی والیہ سوفیا اور اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوجائیگا۔ جس اصول پر سوفیا کا انتخاب طے پایا تھا وہ یہ تھا کہ وہ قریب ترین پروٹسٹنٹ وارث تھی

پارلیمنٹ کا عروج اور بادشاہ کا زوال

ولیم کا عہد حکومت آئینی حیثیت سے بہت ہی دلچسپ ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پارلیمنٹ اگرچہ بادشاہ کے ساتھ طویل جدوجہد میں کامیاب ہوگئی تھی مگر وہ اپنی کامیابی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر آمادہ نہیں تھی۔ اب اس نے اپنی فتح سے بتدریج نفع اٹھانے کی

عله ملاحظہ ہو شجرہ شمارہ ۱۰ (۳)

کارروائی شروع کی۔ اس لئے ولیم کے وقت سے ہم برابر یہ دیکھیں گے کہ پارلیمنٹ کا حلقہ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے اور اسی نسبت سے بادشاہ کا حلقہ اثر گھٹتا جاتا ہے تا آنکہ ہم اس حالت پر پہنچ جائینگے جو اس صدی میں رائج ہے یعنی انگلستان کا بادشاہ محض نام کا بادشاہ ہے ؛

پرس کی آزادی

متعدد قوانین جو ولیم کے وقت میں منظور ہوئے انھوں نے اس ترقی کے لئے راستہ صاف کیا۔ ہم ان میں صرف زیادہ اہم قوانین کا ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے قابل غور یہ امر ہے کہ (۱۶۹۵ء میں) وہ تمام بندشیں رفع کردی گئیں جو پرس پر عائد تھیں، اسوقت سے انگلستان میں آزادی رائے کو وہ رتبہ حاصل ہوا جو آزاد حکومت کیلئے بمنزلہ لازم و ملزوم کے ہے۔ دوسرا امر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ولیم کی پارلیمنٹ نے عادتاً یہ طریقہ اختیار کیا کہ روپئے کی منظوری صرف ایک ہی ایک برس کے لئے دیتی تھی اور اسی دستور کیوجہ سے پارلیمنٹ کا

رقوم کی سالانہ منظوری

سال بسال طلب کرنا ناگزیر ہوگیا تھا کیونکہ بادشاہ کے عمال کسی ایسے محصول کے وصول کرنے کے مجاز نہ تھے جس کی منظوری پہلے پارلیمنٹ سے نہ حاصل کرلی گئی ہو۔ اس لئے ولیم کے زمانہ سے بادشاہ کو اپنی یہ پرانی فریب کاری ترک کرنی پڑی کہ پارلیمنٹ کو ایک غیر معین زمانے تک کے لئے ملتوی کرکے اس سے نجات حاصل کرلی جائے ؛

جنگ جانشینی اسپین

این کی حکومت کے جس واقعہ نے تمام دوسرے واقعات کو نظروں سے اوجھل کردیا وہ جانشینئ اسپین کی جنگ تھی۔ اس کا حال کسی دوسری جگہ بیان ہوچکا ہے اگرچہ اس جنگ میں انگلستان کو یورپ کی طاقتوں کے درمیان تقدم حاصل ہوگیا مگر مارلبرا کی بلنہم سے مالپلیکٹ تک کے فاتحانہ یلغار کی عام طور پر تعریف نہیں کی گئی۔ فرقۂ ٹوری نے جس میں زیادہ تر طبقہ شرفا کے لوگ شامل تھے اس جنگ کو کبھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ جب محصول یوماً فیوماً سخت ہوتے گئے اور قومی قرضے کا بار بڑھتا گیا تو رعایا کا بیشتر حصہ فریق مخالف کیطرف مائل ہوتا گیا۔ ڈیوک کو ندرلینڈز اور جرمنی میں اپنی مہمات کے جاری رکھنے کا موقع صرف اس طرح ملا کہ وہگ جو وزارت پر حاوی تھے اس کے معاون تھے اور خود اسکی

بیگم سہل انگار و نیک طینت ملکہ پر قابو حاصل کئے ہوئے تھی، لیکن ڈچز ایک نخوت پسند عورت تھی اور اُس کی زبان ہمیشہ اس کے قابو میں نہیں رہتی تھی اس لئے وہ بتدریج ملکہ کی نظر سے گرتی گئی اور ۱۷۱۰ء میں ملکہ نے دہگوں سے ہر طرح پر برداشتہ خاطر ہو کر دفعتاً ان کو وزارت کے عہدوں سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد ٹوریوں کی وزارت قائم ہوئی جنکی حکمتِ عملی یہ تھی کہ جس طرح ہو سکے صلح کر لیجائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارلبرا کو ذلت نصیب ہوئی اور انگلستان نے ۱۷۱۳ء میں صلحنامۂ اٹریچٹ پر دستخط کر دئے جس کے بموجب اسے فرانس سے نیوفاؤنڈلینڈ، نوا اسکوٹیا اور ممالک خلیج ہڈسن اور اسپین سے جبرالٹر اور منارکا، ہاتھ آگئے مگر سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ انگلستان اب اس امر پر فخر و ناز کر سکتا تھا کہ سمندر میں کوئی اسکا مدمقابل نہیں رہا۔

اسکاٹلینڈ کے ساتھ اتحاد

این کے عہد کا ایک واقعہ جو اہمیت میں کسی طرح جانشینیٔ اسپین کی جنگ سے کم نہیں تھا مگر جس پر زیادہ نظر نہیں پڑتی وہ اسکاٹلینڈ کے ساتھ اتحاد کرنا تھا۔ جیمز اول کی تخت نشینی کے وقت سے اسکاٹلینڈ اور انگلستان کے بادشاہ ایک ہوتے رہے تھے لیکن اور ہر اعتبار سے کرامول کی حکومت کا زمانہ چھوڑ کر یہ دونوں ملک ہر طرح پر ایک دوسرے سے الگ رہنے کے کوشاں تھے۔ ان کی پارلیمنٹیں اور ان کے قوانین سب جداگانہ تھے ۱۷۰۷ء تک ان دونوں قوموں کے ایک صدی کے شک و شبہات اس حد تک محو ہو چکے تھے کہ ان میں ایک طرح کی قرارداد ہو سکے اور دونوں پارلیمنٹیں ایک ہو جائیں۔

خاندانِ ہینوور کی تخت نشینی

۱۷۱۴ء میں این کا انتقال ہو گیا اور تاج خاندانِ ہینوور کی طرف منتقل ہو گیا قانونِ سلسلۂ جانشینی کی رو سے والیہ صوفیا آئندہ کی وارث نامزد ہوئی تھی مگر وہ این سے پہلے ہی انتقال کر چکی تھی، اسلئے اب اس کا بیٹا جارج اول تخت نشین ہوا، یہ خیال تھا کہ مدعیٔ سلطنت یعنی جیمز دوم کے بیٹے کی طرف سے کوئی سخت کارروائی عمل میں آئے گی مگر جب ۱۷۱۵ء میں یہ صورت پیش آئی تو وہ بالکل بے ضرر ثابت ہوئی۔ جس شخص نے جیمز دوم ہونے کا دعوے کیا تھا ملک میں قدم رکھتے ہی اُس کی ہمت نے جواب دیدیا

اور وہ فرانس کو پلٹ گیا۔

وہگوں کے طبقۂ امرا کی حکومت

جارج اول (۱۷۱۳-۱۷۲۷) نے فوراً ہی ٹوریوں کو وزارت سے ہٹا دیا کیونکہ اُن کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خاندانِ اسٹوارٹ کی طرف مائل ہیں، اُس کے بعد جارج نے وہگوں میں سے اپنے مشیر مقرر کیئے اور اپنے آخر وقت تک وہ وہگوں کا ساتھ دیتا رہا اور اس طرح وہگوں کے طبقۂ امرا کی اس حکومت کا بانی بنگیا جسے اٹھارہویں صدی کی آئینی تاریخ میں ایک اہم و مقدم جگہ حاصل ہے۔

مجلسِ وزرا کی حکومت کا نشوونما

ایک ہی فرقے کے اس طویل اقتدار نے پارلیمنٹ کو یہ موقع دیا کہ وہ سلطنت پر قابو حاصل کرنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھائے اور اسی لئے کابینہ (مجلس وزرا) کی حکومت کا آغاز جارج اول کیطرف منسوب ہے۔ یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ پارلیمنٹ چارلس دوم ہی کے وقت میں وہگوں اور ٹوریوں میں منقسم تھی، پارلیمنٹ میں اگرچہ فرقۂ ٹوری کو غلبہ حاصل تھا مگر اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے بادشاہ کے لیئے یہ ممکن تھا کہ اپنے وزرا کا انتخاب وہگوں میں سے کرتا رہے، لیکن جلد یا بدیر اس امر کا عیاں ہونا قطعی تھا کہ اس قسم کی تقسیم مضر ہے اور بہترین نتائج کے حاصل کرنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وزارت کا انتخاب اس فریق سے ہو جسے دارالعوام میں کثرت حاصل ہو اس اصلاح سے بادشاہ کے اثر و اقتدار میں ایک نیا زوال پیدا ہوتا تھا مگر جارج اوّل کے دور میں یہ ترقی ہو کر رہی۔ اس کے بعد سے وزرا اگرچہ بادشاہ کی جانب سے نامزد ہوتے رہے لیکن چونکہ کوئی جماعت اس وقت تک اس تقرر کو قبول نہیں کر سکتی تھی جبتک کہ یہ تیقن نہ ہو جائے کہ دارالعوام کی کثرت رائے اُس کی مؤید ہے اس لیئے عملاً بادشاہ کے وزرا کا تقرر پارلیمنٹ کی مرضی سے عمل میں آنے لگا۔ رقوم کی سال بسال منظوری اور مجلس وزرا و فرقہ وار حکمرانی کے طریق کے انگریزی حکومت کے دستور کے طور پر قائم ہو جانے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظامِ سلطنت میں وہ حالت پیدا ہو گئی ہے جو آج اسکی ممتاز خصوصیت ہے۔

ویلپول کی فہمیدہ نگرانی

جارج کا دورِ حکومت امن و امان کا دور تھا۔ وہگ متوسط الحال اشخاص کے طبقۂ عظیم میں جس خوشحالی کو ترقی دینے کے آرزومند تھے اس سے پوری طرح وہ موقع حاصل ہو گیا۔ دیہات کے ٹوری شرفا اور ٹوری پادریوں کی متحدہ قوت کے مقابلے میں وہگوں کا انحصار اسی متوسط الحال طبقے پر تھا۔ وہگوں میں سب سے سربرآوردہ شخص اور اُن کی حکومت کا بانی سر رابرٹ ویلپول تھا۔ اس کے خیالات کا ملخص یہ تھا کہ خاندان ہینوور کے تحت میں انگلستان میں امن و امان قائم کرنا اور اپنے اہلِ ملک کی تجارتی و حرفتی قوتوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع دینا چاہیئے پس جو زمانہ اس کی رہبری میں گذرا اسے بجا طور پر "فہمیدہ زمانہ" کہا گیا ہے۔

درحقیقت ویلپول نے جب دیدہ و دانستہ قوم کے خلاف کام کرنا شروع کیا اس وقت قوم اس کی گرفت سے باہر ہو گئی۔ اس اثناء میں جارج اول کے بجائے جارج دوم (۱۷۲۷۔۱۷۶۰) حکمراں ہو گیا۔ نئے بادشاہ میں بھی اس کے باپ کی طرح ایک حد تک دیانت داری و استقلال موجود تھا اور ویلپول کی رہبری میں اس نے

اسپین سے جنگ ۱۷۳۹ء

جارج اول کی صلح و امن کی حکمتِ عملی کو جاری رکھا یہاں تک کہ چند مسلسل واقعات نے یورپ کو جنگ میں مبتلا کر دیا۔ اسپینی نوآبادیوں کے ساتھ تجارت کرنے میں مدتوں سے انگریزوں پر جو پابندیاں عائد تھیں اُن کی رو سے ۱۷۳۸ء میں انگریزی قوم میں غیظ و غضب کا طوفان برپا ہو گیا اور (۱۷۳۹ء میں) ویلپول اپنی مرضی کے خلاف اعلانِ جنگ پر مجبور کیا گیا۔ دوسرے سال شہنشاہِ چارلس ششم کے انتقال کر جانے اور اس کی میراث کے جھگڑے کے باعث برِّاعظم کی تمام طاقتیں آپس میں دست و گریباں ہو گئیں اور وہ جنگ برپا ہو گئی جسے جانشینیٔ آسٹریا کی جنگ سے موسوم کیا جاتا ہے (۱۷۴۰۔۱۷۴۸)
چونکہ ویلپول اس قسم کے بلند حوصلہ کاموں کے کرنے کے لیئے ناموزوں اور ذاتی طور پر صلح کا مؤید تھا اس لئے اس کے مؤیدین کی کثرت بتدریج کم ہونے لگی اور ۱۷۴۲ء میں اس نے استعفا دیدیا۔ اکیس برس (۱۷۲۱۔۱۷۴۲) انگلستان کی قسمت کی باگ، اس کے ہاتھ میں رہی تھی ؎

مدعئے سلطنت اصغر کا حملہ ۱۷۴۵ء

جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے جانشینئ آسٹریا کی جنگ بالکل لاحاصل رہی اور جب ایکسلاشیپل کے صلحنامے پر دستخط ہوئے تو معاملات جہاں تھے وہیں رہے۔ اس جنگ کے تعلق سے صرف ایک واقعہ اب انگلستان میں یاد کیا جاتا ہے یعنی مدعئ سلطنت کے بیٹے چارلس (دوم مدعئے سلطنت اصغر نے) اپنی بادشاہت کے واپس لینے کی کوشش کی۔ جولائی ۱۷۴۵ء میں وہ صرف سات آدمیوں کے ہمراہ اسکاٹلینڈ کے شمالی حصے میں اترا اور اہل ہائی لینڈز گروہ در گروہ اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس طرح وہ بہت جلد اس قابل ہوگیا کہ اگرچہ قلعہ اس کے ہاتھ نہ آسکا مگر شہر اڈنبرا پر اس نے قبضہ کرلیا اس موقع پر کچھ دیر کے لئے لنڈن کی حکومت حواس باختہ ہوگئی، اور مدعی سلطنت ڈربی تک پہنچ گیا مگر بہت جلد یہ ظاہر ہوگیا کہ جاگیری قبائل ایک تربیت یافتہ فوج کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ (اپریل ۱۷۴۶ء) میں بمقام کیولوڈن مور بادشاہ کے دوسرے بیٹے ڈیوک کمبرلینڈ نے بڑی سخت خونریزی کے ساتھ اہل ہائی لینڈ کو شکست دی۔ شہزادۂ چارلی بہت سے افسانہ دار خطرات برداشت کرتا ہوا بھاگ نکلا، مگر اس کے بعد وہ برطانیہ سے باہر کاہلانہ زندگی بسر کرتا رہا اور بعد میں اسکی ذات سے کسی قسم کی کوئی دقت نہیں پیش آئی (۱۷۸۸ء میں اس کا انتقال ہوگیا) اس کی یہ ناکامیاب کوشش تخت کے واپس لینے کے لئے خاندان اسٹوارٹ کی آخری کوشش تھی ؎

فرانس میں قیام قومیت ۱۷۲۳-۱۷۱۵

جس زمانے میں انگلستان، والپول کے تحت میں دنیا کی صنعتی سرگرمی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس زمانے میں فرانس جنگ جانشینئ اسپین کے تباہ کن اثرات کے دفع کرنے میں بہت کم بلکہ کچھ بھی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ۱۷۱۵ء میں جب لوئس چہار دہم کا انتقال ہوا تو اس کا پرپوتا لوئس پانزدہم اس کا جانشین ہوا۔ چونکہ لوئس پانزدہم اسوقت صرف پانچ برس کا لڑکا تھا اس لئے اس کی صغر سنی میں حکومت کا کام لوئس چہار دہم کا بھتیجا فلپ (ڈیوک آرلینز) انجام دینے لگا۔ یہ متولی ڈیوک اگرچہ ایک ذہین وطباع شخص تھا مگر بدرجۂ کاعیاش بھی تھا اور اس کا تمام تر کارنامہ

یہ ہے کہ فرانس کو اور زیادہ تباہی میں مبتلا کر دیا ۱۷۲۳ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو کسی نے اس کا رنج نہیں کیا۔ درحقیقت لوئی پانزدہم کے عہد کا بہت بڑا واقعہ یہ ہے کہ جنگ ہفت سالہ میں نو آبادیوں کی شہنشاہی کے لیے انگلستان سے اس کی کشمکش ہوئی مگر تاریخی ترتیب میں یہ واقعہ دو اور واقعوں کے بعد کا ہے جنکا مختصر ذکر ضروری ہے۔ ۱۷۳۳ء سے ۱۷۳۵ء تک فرانس، آسٹریا سے برسرِ جنگ رہا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ پولینڈ کے ایک بادشاہ کے انتخاب کی بابت ان دونوں ملکوں میں خلاف ہو گیا تھا۔ یہ لڑائی جنگ جانشینیِ پولینڈ کے نام سے موسوم ہے، فرانس نے اس جنگ میں بہت تیزی کے ساتھ آسٹریا کو الٹ دیا اور ریاست لورین پر خاتمہ قبضہ کر لیا۔ یہی آخری نفع تھا جو فرانس کو جرمنی کے قدیم دورِ حکومت میں حاصل ہوا اور اسی پر فتوحات کی طویل فہرست ختم ہو گئی جو تقریباً دو صدی قبل ہنری دوم (۱۰۰۲) کے منز، ٹول اور ورڈون پر قبضہ کر لینے سے شروع ہوئی تھی۔ دوسری جنگ یعنی جنگ جانشینیِ آسٹریا (۱۷۴۰ء و ۱۷۴۸ء) سے فرانس کے مقبوضات میں کوئی ارضی تغیر نہیں ہوا اور صلح ایکسلاشپل اس بنا پر ہوئی کہ ایک دوسرے کے مفتوحہ ملک واپس کر دئے جائیں۔

جنگ جانشینیِ پولینڈ

فرانس و انگلستان کی رقابت

اٹھارھویں صدی کے وسط میں فرانس کے لیے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ انگلستان کے ساتھ سمندر و آبادکاری کی مسابقت میں وہ اپنی حیثیت کو قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ یہ دونوں سلطنتیں جو بلا شک وشبہ دنیا میں سب سے بڑی طاقتیں تھیں، امریکہ، ہندوستان اور تمام سمندروں میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگی تھیں اور چونکہ ان کے متخاصم دعاوی کا تصفیہ صلح و آشتی سے ہونا خارج از بحث تھا اس لئے یہ ظاہر تھا کہ دونوں کو ہتیار سنبھالنا پڑینگے۔ ہم فریڈریک اعظم کے ذکر میں ابھی دیکھ چکے ہیں کہ اس رقابت کا معاملہ کیسے نازک طور پر اس تفوق کے مرحلے میں داخل ہو گیا تھا جو پرشیا اور آسٹریا کے درمیان جرمنی میں پیدا ہو گیا تھا اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ انگریزی و فرانسیسی کشمکش کے شروع ہونے کے قبل

سنہ ۱۷۵۶ء کا سفارتی انقلاب

سلطنتوں کے باہمی تعلقات میں کیسا انقلاب پیدا ہوگیا تھا اس عالمگیر جدال وقتال میں جہانتک پروشیا و آسٹریا کا تعلق تھا وہ اس کے قبل ہی جنگ ہفت سالہ میں (۱۷۵۶-۱۷۶۳ء) بیان ہوچکا ہے اب ہم اس کی انگریزی و فرانسیسی نوعیت کی طرف توجہ کرتے ہیں، اور اس طرح ہم ایک ایسی کشمکش کا حال بیان کرتے ہیں جو اس صدی کی سب سے اہم مخاصمت ہے کیونکہ اس سے یہ تصفیہ ہوگیا کہ امریکہ و ہندوستان فرانس کے قبضے میں رہینگے یا انگریزوں کے قبضے میں ہو۔

جنگ ہفت سالہ ۱۷۵۶-۱۷۶۳

فرانس نے اپنی قوت کے برقرار رکھنے کے لیئے بہت بڑی قربانیاں کیں، اُس نے اہل پروشیا اور انگریزوں کے خلاف اہل آسٹریا کے ساتھ ملکر کام کرنے کے لئے رائن کے پار ایک فوج روانہ کی اور امریکہ اور ہندر میں اپنی حفاظت کے لیئے اُس نے پر زور سامان کئے مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اسوقت اس پر ایک جاہل و بدکار بادشاہ حکمران تھا جو اسقدر کمزور تھا کہ کسی روش پر استقلال کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا تھا اور اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں تھی کہ وہ اپنے درباریوں اور اپنی داشتہ عورتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا اس جنگ کے دوران میں فرانسیسی معاملات کی اصل رہبری میڈم ڈی پامیڈر کے ہاتھ میں تھی۔

ادھر حکومت کی یہ مضحکہ خیز صورت بن رہی تھی، ادھر انگلستان کی قوت ولیم پٹ کے ایسے قابل و پرجوش شخص کے ہاتھ میں آگئی تھی جسے تاریخ میں

پٹ کپتان (سردار) انگلستان

نمائندہ عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس نے انگلستان کی قوت کو اس طرح منظم کردیا کہ اس سے قبل کبھی اسمیں یہ نظم و ترتیب پیدا نہیں ہوئی تھی۔ بحری اور بری قوتیں ساز و سامان سے آراستہ کرکے صرف ایک مقصد واحد کے لیئے تمام دنیا میں روانہ کی جارہی تھیں ان حالات میں فتح کا انگلستان کے حصے میں آنا لازمی تھا۔ فرانسیسی فوج کو جرمنی میں بمقام راسبیک فریڈرک اعظم نے ۱۷۵۷ء میں بہت بڑی شکست دی اور

انگریزوں کے فتوحات

بعد کو اسے انگریزی اور ہینوری قوموں نے فرڈینینڈ (برنسوک)

کی سرکردگی میں اس طرح روک لیا کہ وہ کچھ بھی نہ کرسکی۔ لیکن انگریزوں کو زیادہ نمایاں فوائد یورپ میں نہیں بلکہ سمندر پار نوآبادیوں میں حاصل ہوئے اولاً ۱۷۵۸ء میں فرانسیسی اوہیو کے کناروں سے نکالے گئے۔ دوسرے سال جب وولف نے کیوبک پر قبضہ کرلیا تو دریائے سنٹ لارنس کے تمام علاقہ پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا اور کناڈا کی فتح مکمل ہوگئی۔ مزید براں ہندوستان میں مشہور و ممتاز لارڈ کلایو (فاتح پلاسی ۱۷۵۷ء) نے فرانسیسیوں کو زیر کرلیا اور انگریزوں کے اثر کو مستحکم کردیا۔ اس کے ساتھ ہی (۱۷۵۹ء کی) لیگاس اور کیوبران کی عظیم الشان بحری فتوحات نے انگلستان کی قدیم بحری عظمت کو پائیدار بنیاد پر قائم کردیا۔

جارج سوم
۱۷۶۰-۱۸۲۰

۱۷۶۰ء میں جبکہ جنگ نہایت زوروں پر تھی کہ جارج دوم کا انتقال ہوگیا اور اس کا پوتا جارج سوم (۱۷۶۰-۱۸۲۰) اس کا جانشین ہوا۔ جارج سوم کے ذہن میں صرف ایک خیال مرکوز تھا اور وہ چاہتا تھا کہ حکومت میں وہ بادشاہوں کی سابقہ حیثیت حاصل کرے جسے پارلیمنٹ نے غصب کرلیا تھا۔ اس حکمت عملی میں وہ اس درجہ مستغرق ہوگیا تھا کہ جنگ اس کے لئے ایک دوسرے درجہ کی چیز ہوگئی تھی۔ اس لئے اس نے ۱۷۶۱ء میں پٹ کو جو جنگ مجسم سمجھا جاتا تھا وزارت سے برطرف کردیا اور اس کے تھوڑے ہی زمانے بعد لارڈ بوٹ کو (جسے اس نے محض اپنی آزادانہ مرضی سے وزیر بنالیا تھا) یہ حکم دیا کہ فرانس سے صلح کرلی جائے۔ انگلستان کے نمائندوں نے اپنے کام کو عجلت کے ساتھ انجام دینے کے خیال میں اگرچہ وقتاً فوقتاً انگلستان کے فوائد کو قربان کردیا مگر پھر بھی پٹ کے فتوحات کے عظیم الشان

لہ۔ فرانسیسی دریائے مسیسپی کے تمام اطراف پر اپنے حق کے دعویدار تھے اور انگریزوں کے اس سے خارج رکھنے کے لئے انھوں نے بالائی اوہیو پر ایک قلعہ بنایا تھا۔ ۱۷۵۵ء میں جنرل بریڈک اس فرانسیسی قلعہ کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا مگر اس نے ورجینیا کے افسر جارج واشنگٹن کی صلاح پر چلنے سے انکار کردیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بہت بری طرح شکست ہوئی آخرالامر جب اس فرانسیسی قلعہ پر قبضہ ہوگیا تو انگلستان کے سب سے بڑے وزیر کے اعزاز میں اس کا نام بدلکر پٹسبرگ رکھا گیا۔

نتائج الٹ نہیں سکتے تھے۔ صلح پیرس کی رو سے انگلستان نے فرانس سے

صلح پیرس ۱۷۶۳ء

کناڈا اور دریائے مسیسپی کے مشرقی قطعات تک حاصل کرلئے اور ہندوستان میں فرانسیسیوں کو اس درجہ پست کردیا کہ اُن کے پاس صرف چند تجارتی مرکز رہ گئے ؛

انقلاب امریکہ ۱۷۷۶ء

اگر جنگ ہفت سالہ انگلستان کی سب سے بڑی ظفرمندی ہے تو اس کے تھوڑے ہی زمانے بعد اسے سب سے سخت دقت بھی برداشت کرنی پڑی۔ سنہ ۱۷۶۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے امریکہ کی نوآبادیوں پر ایک ٹیکس محصول کاغذات عدالتی کے نام سے لگایا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ اس محصول سے بددلی پیدا ہوگئی ہے تو از راہ دانشمندی اسے واپس لیلیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی اس امر کا دعوے داعلان کیا گیا کہ برطانوی پارلیمنٹ کو نوآبادیوں پر محصول لگانے کا حق ہے۔ چونکہ اہل امریکہ اس نقطۂ خیال کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اس لئے کشیدگی بڑھتی گئی اور اس کی وجہ سے بہت جلد عوام نے زیادتیاں شروع کردیں۔ ٹاؤنشنڈ نے بعض غیر مقبول محصول لگائے، برطانوی وزارت نے فوجی قوت سے کام لیا اور اہل امریکہ اُس کے جواب میں انقلاب سلطنت پر آمادہ ہوگئے (اور سنہ ۱۷۷۶ء میں اعلان آزادی شائع کردیا)۔ سنہ ۱۷۷۸ء میں نوآبادی والوں نے اپنے وکیل بنجمن فرنکلن کے توسط سے فرانس سے اتحاد کرلیا اور اس کے بعد انگریزوں پر خشکی و تری دونوں طرف سے سخت دباؤ پڑنے لگا۔ آخر یارک ٹاؤن کے امریکی ہیرو جارج واشنگٹن کے حوالے کئے جانے کے بعد (سنہ ۱۷۸۱ء میں) انگریز صلح کی طرف مائل ہوئے

صلح ورسیلز ۱۷۸۳ء

صلح ورسیلز میں انگلستان نے فرانس کے ساتھ نوآبادیوں کے متعلق چند غیر اہم رعایتیں کیں مگر حقیقتاً اس صلح کی قابل یادگار شرط اُن کی نوآبادیوں کی آزادی کا تسلیم کیا جانا تھا ؛

آئرلینڈ میں اضطراب کی تجدید

امریکہ والوں کی اس کامیابی نے اہل آئرلینڈ کے دلوں میں پھر حرکت پیدا کردی کہ وہ بھی کچھ کریں۔ ولیم سوم کے زمانے کی سخت ضبطیوں کے بعد سے وہ اپنی مصیبتوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت

کر رہے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل ہی تباہ ہوگئے تھے مگر اب انھوں نے قانون سازی کی آزادی میں ہوم رول کے لیئے شور مچانا شروع کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ لندن کی وزارت نے جو امریکہ کے حادثہ سے مرعوب ہوگئی تھی، (۱۷۸۲ء میں) اسے منظور کر لیا لیکن اس سے جزیرے کی پریشانیاں ختم نہیں ہوئیں۔ رومن کیتھولک باشندگان ملک اور پروٹسٹنٹ آبادکاروں کے درمیان خونریز مقابلے عام طور پر ہوتے رہتے تھے۔

قانون اتحاد سنہ ۱۸۰۰ء

سنہ ۱۸۰۰ء میں پٹ اصغر نے جو اس وقت وزیر اعظم تھا یہ عزم کیا کہ اس صورت حالات کا خاتمہ کرنا چاہئے اور اس نے ایک قانون اتحاد کا منظور کرا دیا جس سے ہمیشہ کے لئے آئرلینڈ کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا اور آئرلینڈ کی پارلیمنٹ کو لندن کی برطانوی پارلیمنٹ کے ساتھ ملحق کر لیا گیا اس کے بعد سے آئرلینڈ پر ہر اعتبار سے انگریزی دارالصدر سے حکومت ہو رہی ہے۔

اس قانون اتحاد کا اثر عوام کے دلوں پر زیادہ نہیں ہوا کیونکہ جس زمانے میں یہ قانون منظور ہوا ہے اسی زمانے میں فرانس کا انقلاب ہوا اور (اگرچہ اسے بارھواں برس ہو چکا تھا) پھر بھی تمام یورپ ہمہ تن اسی کیطرف متوجہ تھا۔

جزوِ سوم

انقلاب و تنظیم جدید

از انقلاب فرانس تا زمانہ حال

۱۷۸۹ء تا ۱۹۰۰ء

ہمارا تیسرا جزو انقلاب فرانس سے شروع ہوتا ہے، جس نے حقیقتاً قوم کے اقتدار اعلیٰ اور اتحاد قومی کے جدید اصولوں کو عام طور پر رائج کر دیا۔ چونکہ یہ اصول مطلق العنانی کے اُن اصول کے بالکل منافی تھے جو سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں شائع تھے اس لئے ایک کشمکش پیدا ہو گئی جو حریت و استبداد کی جنگ کے نام سے تمام انیسویں صدی میں جاری رہی، لیکن انجام اس کا حریت کی فتح پر ہوا جس سے بالعموم کل یورپ میں آئینی یا مشروط بادشاہیاں قومی بنیاد پر قائم ہو گئیں ؎

باب (۳۰)

انقلاب فرانس و دورِ نپولین

اگر سترہویں صدی (جو ریشلو، کالبرٹ، اور لوئس چہاردہم کو یاد دلاتی ہے) توسیع فرانس کا دور سمجھی جاتی ہے تو اٹھارہویں صدی جس میں متولی آرلینز، لوئس پانزدہم اور میڈیم ڈی پامپیڈر کے نام یادگار ہیں، فرانس کے تنزل کا دور ثابت ہوئی۔ ہم ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں کہ جنگ ہفت سالہ نے سلطنت کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی کیونکہ جرمنی میں فرانسیسی فوجوں کی شکست سے اس کا فوجی وقار زائل ہوگیا تھا اور بحری تباہیوں نے اس کی جہازی قوت کو برباد کرکے نوآبادیوں سے اسے محروم کر دیا تھا۔ مگر فرانس کی اعلیٰ حیثیت کا زائل ہو جانا ہی جنگ ہفت سالہ کا بدترین نتیجہ نہ تھا بلکہ (۱۷۶۳ء کی) صلح پیرس کی تکمیل کے بعد وہ اس درجہ خستہ اور درماندہ ہوگیا کہ محبانِ وطن بھی اس شک میں پڑ گئے کہ آیا پھر کبھی اسے بحالی و قوت حاصل ہوگی یا نہیں۔

اٹھارہویں صدی کے اختتام پر فرانس کی حالت۔

یہ انحطاط طریق حکومت کا نتیجہ تھا

پہلی نظر میں یہ صورت خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ فرانس کا ملک طبعی وسائل کے لحاظ سے یورپ کے ہر ایک ملک پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کی آبادی جس کا تخمینہ ڈھائی کروڑ تھا اپنی ہر ایک رقیب سلطنت سے بڑھی ہوئی تھی، اور محنت، کفایت شعاری و ذہانت کے اعتبار سے قوم کے عامۃ الناس کو کسی دوسری قوم کے مقابلے میں

کوئی وجہ خوف کی نہ تھی۔ پس اگر ایک ایسی قوم اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں تباہی کے قریب آگئی ہو تو اس کی وجہ قوم کے کسی طبعی نقص کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی تھی، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حکومت اور نظم معاشرت کا وہ نظام غارت ہو گیا تھا جس نے قوم کو باہم مربوط کر رکھا تھا۔

بادشاہ کی ذات ہی سلطنت ہے

شاہان فرانس کی مطلق العنانی کو جس طرح نشو و نما ہوئی اس سے ناظرین واقف ہیں، انھوں نے بتدریج حکومت کے تمام فرائض کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ درحقیقت (جیسا کہ خود لوئس چہاردہم نے بالاعلان کہہ دیا تھا) بادشاہ کی ذات ہی سلطنت تھی، لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ بادشاہ پر جب اس قدر وسیع فرائض عائد ہو جائیں تو پھر کوئی ایسا ہی لایق و فایق بادشاہ ہو تو وہی ان ذمہ داریوں کا بار اٹھا سکتا اور شاہی منصب کی وقعت کو قائم رکھ سکتا

لوئس پانزدہم

ورنہ ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ لوئس چہاردہم نے کم از کم اتنا تو کیا کہ معاملات پر پوری توجہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی مگر اس کا جانشین لوئس پانزدہم جو ایک کمزور و خفیف الحرکات شخص تھا اور مسلسل کام کرنے کی قوت بھی اس میں نہ تھی، وہ ان اختیارات کو عملاً پورا کرنے سے گریز کرتا رہا، جن پر اپنا حق جتانے سے وہ کسی سے کم نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکمرانی کا کام درباریوں اور نودولتوں کے ایک طماع گروہ کے ہاتھ میں آگیا، جن کی نظر صرف اپنی دولت کے بڑھانے پر رہتی تھی اور سلطنت کے کسی مفاد کے قربان کر دینے پر اُن کو اتنا بھی افسوس نہیں ہوتا تھا کہ کسی شخص کے کندھے ہلا دئے جائیں اور پھر ہنس دیا جائے۔

جاگیری طبقات، امتیاز خاص کے مالک بن گئے

لوئس پانزدہم کے دور حکومت میں اگر یہ جامع الاختیارات بادشاہی برابر زوال پذیر ہوتی جاتی تھی تو اس کے ساتھ ہی اس تمام معاشرتی نظم میں بھی جس کی سرتاج بھی بادشاہی تھی، انتشار کے آثار کچھ کم ہویدا نہیں تھے۔ تمام یورپ کی طرح فرانسیسی نظم معاشرت تاریخۂ اول بھی طبقہ وار اصول جاگیری تھا۔ جاگیری زمانے میں حکمرانوں کے دو بڑے طبقے مسلّم سمجھے گئے تھے، پادری اور امرا اور صوبے کے حکمرانوں کی حیثیت سے

جو خدمات یہ انجام دیتے تھے اس کی وجہ سے یہ لوگ محصول سے معاف تھے۔ اٹھارہویں صدی میں مرکزی حکومت ان خدمات کو انجام دینے لگی، مگر پادری اور امرا اب بھی محاصل سے مستثنٰی رہے۔ پس سوال یہ ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اس کا جواب صاف یہ ہے کہ انتظام ناقص تھا، کیونکہ اس انتظام کی رُو سے فرانس کو ذی اختیار و غیر ذی اختیار طبقات میں منقسم کر دیا گیا تھا، یعنی وہ رعایا جو حافی ذار (محصول نہیں ادا کرتی) تھی اور وہ رعایا جو محصول ادا کرتی تھی لیکن یہ معاشرتی عدم مساوات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی تھی بلکہ ذی اختیار طبقات ہر قسم کے اعزاز و منافع پر بھی تن تنہا حاوی تھے۔ فوج جو عوام کے روپے سے قائم تھی اس میں ایک لفٹنٹ کا عہدہ بھی کسی عام شخص کے لڑکے کو نہیں مل سکتا تھا، اور شاذ و نادر مستثنیات کے علاوہ ادنٰے طبقے کے کسی شخص کو نہ تو کلیسا میں اور نہ حکومت میں کسی اعلیٰ عہدے پر پہنچنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔

ذی اختیار اشخاص کی تعداد و دولت

جن دو طبقوں کے لیئے یہ وسیع اختیارات مخصوص تھے اُن کے ارکان کی تعداد زیادہ وسیع نہیں تھی۔ اُمرا کے خاندانوں کی تعداد پچیس ہزار سے تیس ہزار تک تھی جس میں بحساب اوسط ایک لاکھ چالیس ہزار آدمی داخل تھے۔ اور اہل کلیسا جن میں مختلف مذہبی طبقات کے لوگ اور دیہاتوں کے پادری سب شامل تھے وہ بھی کم و بیش اسی قدر تھے۔ یہ دونوں فرقے فرانس کی تقریباً نصف زمین پر قابض تھے، پس غصے میں بھری ہوئی قوم کا یہ دعویٰ بہت بجا تھا کہ "اِنکے ملک میں محصول کا اصول یہ ہے کہ جن لوگوں کو امداد کی ضرورت نہیں انھیں آسائش پہنچائی جائے اور محصول سے معاف رکھا جائے اور جو پہلے ہی بوجھ سے دبے پڑے ہیں ان پر اور زیادہ بوجھ لاد دیا جائے"۔

طبقۂ سوم کی ترقی

عوام یا طبقۂ سوم کے ارکان جو ان اختیارات کے عہدوں سے محروم کر دئے گئے تھے، جو سلطنت کے اول دو طبقوں کے لیئے مخصوص تھے۔ انھوں نے مجبور ہو کر کاروباری اولوالعزمی یا علم ادب کو اپنی قوتوں کے اظہار کا وسیلہ بنایا، اور اسی میدان میں جولانیاں دکھلانے لگے۔

انھوں نے خود پیرس اور صوبجات کے شہروں میں خوب دولت جمع کر لی یہاں تک کہ اُن کے وسائل جو اُن کی کفایت شعاری و جفاکشی کی وجہ سے برابر بڑھتے جاتے تھے اُمرا کے وسائل سے بہت بڑھ گئے کیونکہ اُمرا اپنا کام صرف یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہو یا جسقدر وہ قرض لے سکیں اسے شان و نمائش میں صرف کر دیں۔ اس طرح طبقہ متوسط مدت سے اُمرا کے بہ نسبت اچھی حالت میں ہو گیا تھا، اور اب اس نے اور اعتبارات سے بھی اُمرا پر سبقت لیجانے کے لیئے قدم بڑھائے، کیونکہ ازدیاد دولت کے ساتھ انھیں فرصت بھی زیادہ ہو گئی تھی اور علم و ترقی کے حاصل کرنے کی خواہش اور استطاعت بھی بڑھ گئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ اٹھارہویں صدی کی ترقی میں طبقہ سوم نمایاں طور پر فرانس کا ذہنی مرکز بن گیا تھا؛

مزدوری پیشہ طبقہ کی پریشانی

اگرچہ ایک طرف طبقہ متوسط بلاشک و شبہ ترقی کرتا جاتا تھا لیکن دوسری طرف رعایائے فرانس میں سے بیشتر حصے کی حالت جسے اکثر طبقہ چہارم کہتے ہیں اس سے بالکل مختلف تھی اور وہ انتہا درجے کی فلاکت میں مبتلا تھا۔ اس طبقہ میں شہروں کے بے خانماں اشخاص اور کسان داخل تھے اور شہروں کے بے خانماں اشخاص میں اہل حرفہ اور مزدور شامل تھے؛ اور چونکہ طبقہ متوسط اپنی انجمنہائے حرفتی کے ذریعہ سے تجارتی و صنعتی معاملات پر حاوی و قابض تھا اس لیئے بے خانماں گروہ اپنے سے زیادہ دولتمند اہل شہر کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا تھا؛

کسانوں کی پریشاں حالی

لیکن ان محنت مزدوری کرنے والوں سے بھی زیادہ بدتر حالت کسانوں کی تھی۔ کیونکہ ان پر اس قدر بار ڈال دیا گیا تھا جو عقلاً و انصافاً کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ علاقے کا زمیندار ان سے لگان وصول کرتا، کلیسا ان پر عشر عائد کرتا، اور بادشاہ بھی اُن سے اپنے حسب مرضی محصول وصول کرتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ انتہائی محنت و مشقت کے بعد بھی کسانوں کے پاس اتنا نہیں بچتا تھا کہ وہ اپنی گزران کر سکیں۔ اگر ان مقررہ محصولوں سے اتفاقاً کچھ بچ رہتا تھا تو اس قلیل بچت کی نسبت بھی ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا کسی نہ کسی

جاگیرانہ مطالبے کی ندر نہ ہو جائے۔ چنانچہ زمیندار کو شکار کھیلنے کا کامل حق حاصل تھا اور کسان شکار کو اپنے کھیت سے روکنے کے لیئے باڑہ باندھنے کے مجاز نہ تھے قلعہ کے سواروں کا پرہ اگر موسم بہار کے نئے نئے گیہوں کے کھیت کو روندتا ہوا نکل جاتا تھا تو کسان اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی سال بھر کی محنت کی تباہی پر صبر کر کے بیٹھ رہے اور بھوکوں مرتا رہے۔[۱]

جس تصویر پر ہم اس وقت نظر ڈال رہے ہیں اس کی ہئیت یہ ہے کہ حکومت وجود معطل ہو گئی تھی اور نظم معاشرت متناقض طبقوں میں منقسم ہو گیا تھا،

اصلاح کا مطالبہ

اٹھارہویں صدی میں فرانس کی عام زندگی نا قابل برداشت ہو گئی تھی۔ دائمی تباہی سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ اصلاح کی غرض سے اس طرز معاشرت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ امر تعلیم یافتہ طبقہ کو یوماً فیوماً زیادہ صاف نظر آتا جاتا تھا اور لکھنے والوں کا ایک گروہ جو "فلاسفہ" کے نام سے مشہور ہے اُن کا نفس ناطقہ بن گیا تھا۔

طغیان علمی

اٹھارہویں صدی تنقید کی صدی ہے، لوگوں نے سلطنت کلیسا اور نظم معاشرت کی کل ہئیت کو از سر نو ڈھالنا شروع کر دیا تھا، اور اپنی تنظیمی میراث کو عام فہمی کی روشنی میں جانچنے لگے تھے۔ اسوقت تک اگر تمام چیزیں اس وجہ سے بحال خود قائم رکھی جاتی تھیں کہ ازمنہ گزشتہ نے ان پر اپنی پسندیدگی کی مہر لگا دی تھی، تو اب اس زمانہ سے ان کی بقا صرف اس امر پر منحصر تھی کہ آیا وہ کار آمد اور زمانہ موجودہ کے لیئے ضروری ہیں یا نہیں، بالفاظ دیگر یہ کہ زندگی کا اصول اب "عقل" پر قرار پا گیا تھا۔ اس مسلک کو فلسفیوں نے یورپ کے ایک سرے سے دوسرے تک پھیلا دیا تھا۔ جو شے عقل اور سائنس کے مخالف ہوتی تھی اس پر وہ آتشباری شروع کر دیتے تھے، کلیسا کی ناروا داری، طبقہ امرا کے

---

[۱] اس کے علاوہ اور بھی بہت سی پریشان کن جاگیرانہ ذمہ داریاں تھیں از انجملہ سڑکوں کا بنانا، گذرگاہ کا محصول اور زمیندار کی چکی پیسنا اور اس کے تنور میں روٹی پکانا۔

امتیازات، اختیارات شاہی کے ناروا استعمال، تعزیری عدل وانصاف کی خرابی اور اسی قسم کی اور صدہا چیزوں کو انھوں نے ہدف ملامت بنا رکھا تھا۔

اس طغیانِ علمی کا مرکز فرانس تھا اگرچہ اٹھارھویں صدی میں روائتی اقتدار کے خلاف یہ شور ہر جگہ پھیلا ہوا تھا مگر اہل فلسفہ میں زیادہ سر برآوردہ تمام فرانسیسیوں ہی کے تھے اور تمام فرانسیسی فلسفیوں میں والٹیر[1] اور روسو[2] نے سب سے زیادہ اضطراب پیدا کیا۔ اُن کی اور اُن کے متبعین کی تصانیف سے ۱۷۸۹ء کے انقلاب سے بہت پیشتر ہی یہ حالت پیدا ہو گئی تھی کہ خیالات میں ایک انقلاب واقع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے موجود الوقت کلیسا، سلطنت اور نظم معاشرت کا اثر بہت نمایاں طور پر اُن سے زائل ہو گیا تھا۔ ۱۷۸۹ء کے مادّی انقلاب نے جو کچھ کیا وہ صرف اسقدر تھا کہ ان واقعات مسلمہ کو تنظیمات و قوانین میں دائر و سائر کر دیا۔ جب کوئی نظم معاشرت خود اپنے ہی لوگوں کی نظروں میں بالکل مہمل ہو جائے تو ہر وقت اور صدہا طریقوں سے اس کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ وہ شے جو انقلاب فرانس کی براہ راست محرک ہوئی اور جس نے قدیم حکومت کی تباہی کا طبل بجا دیا وہ مالیات کی حالت تھی۔

[1] والٹیر (۱۶۹۴ء-۱۷۷۸ء) مضحکات میں بہت کامل تھا۔ اس نے اس زمانہ کے لوگوں کی نظروں میں خود ان کے عہد کو لغو بتایا تھا چونکہ اسکی تحریریں اپنے وقت کے حالات سے بہت زیادہ خصوصیت رکھتی تھیں اس وجہ سے اب ان کا پورا لطف باقی نہیں رہا ہے۔ غالباً اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ قابل قدر تصنیف (خطبہ اخلاقیات L' Essai Surbs Mocurs) ہے۔

[2] جین جیکسن روسو کی پیدائش جنیوا کی تھی۔ اپنی کتاب ((امائل)) میں جو ایک تعلیمی تصنیف ہے اور سوشل کانٹریکٹ (معاہدہ معاشرتی Social Contract) میں جو معاشرت سے متعلق ہے اس نے یہ وعظ سنایا ہے کہ مصنوعی حالت کو ترک کر کے فطرت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے والٹیر اور روسو بہت سے اہم امور میں مختلف الرائے تھے مگر ملکی و مذہبی آزادی کا دونوں نے بڑی طلاقت لسانی سے مطالبہ کیا ہے۔

لوئس چہاردہم کے قرضوں کو لوئس پانزدہم کی لڑائیوں اور فضول خرچیوں نے بہت بڑھا دیا تھا اور اٹھارھویں صدی کے وسط تک آمدنی کے مقابلے میں اخراجات کی کمی فرانس کے لئے ایک مرض مزمن بن گئی تھی جب تک لوئس پانزدہم زندہ رہا (۱۷۱۵-۱۷۷۴) یہ کمی قرض سے پوری ہوتی رہی اگرچہ یہ خطرناک تدبیر تھی مگر اس کمزور بادشاہ کے دل میں اس سے کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوا وہ بڑے اطمینان سے کہا کرتا تھا کہ وہ میری زندگی بھر کام یوں ہی چلتے رہیں گے،، اس پر میڈیم ڈی پاپیڈر نہایت متانت سے یہ اضافہ کرتی کہ ،،اور اس کے بعد طوفان آجائے گا،،۔

لوئس شانزدہم کی تخت نشینی

جب لوئس شانزدہم (۱۷۷۴-۱۷۹۲) اپنے دادا کے بعد پر تخت نشین ہوا تو پھر مادی اصلاح کے معاملے میں تاخیر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ نیا بادشاہ تخت نشینی کے وقت صرف بیس برس کی عمر کا تھا اور سچے دل سے چاہتا تھا کہ اپنی قوم کی مدد کرے مگر بدقسمتی یہ تھی کہ کسی ایک مجوزہ طریقے کو نشو نما دینے اور مخالفت کے باوجود اسے انجام تک پہنچانے کے لئے جس قوت عمل اور ذہانت کی ضرورت تھی وہ اس میں موجود نہ تھی۔ اس کی ملکہ میری انٹیانٹ (آسٹریا کے میریا تھریسیا کی لڑکی) ایک نہایت پاکیزہ صورت اور زندہ دل عورت تھی مگر بادشاہ کی طرح وہ بھی نوعمر و ناتجربہ کار تھی

مالی اصلاح کی کوششیں

لوئس کی تخت نشینی سے انقلاب کے شروع ہونے تک پندرہ برس کا زمانہ (۱۷۷۴-۱۷۸۹) ایک ایسا دور تھا جس میں مالی مشکلات کی کشمکش برابر جاری رہی۔ سوال یہ تھا کہ آمدنی سے اخراجات کس طرح پورے کئے جائیں اور صاف ظاہر تھا کہ اس کا قابل عمل حل یہی تھا کہ صورت حالات میں اصلاح کی جائے۔ دربار کے مسرفانہ اخراجات کم کئے جائیں اور امتیازی طبقات اپنے مستثنیٰ حقوق سے دست بردار ہوں ان معاملات پر غور کرنے کے لئے لوئس نے اولاً اپنے وزرا میں متعدد قابل و ممتاز اشخاص کو شامل کیا۔ اس کے وزراے خزانہ میں مشہور اقتصادی ٹرگوٹ (۱۷۷۶-۱۷۷۳) اور صراف نکر (جس کی وزارت اولیٰ ۱۷۷۶ء سے ۱۷۸۱ء تک اور وزارت ثانیہ ۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۰ء تک تھی) داخل تھے۔ ان لوگوں نے

اگرچہ اصلاح کے لئے صدق دل سے کوششیں کیں مگر امرا کی مخالفت اور نیز اس تباہ کن مدد کی وجہ سے جو فرانس نے اہل امریکہ کو دی تھی ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ صدی کی آٹھویں دہائی ختم ہوتے ہوتے بادشاہ کو بالکل دیوالیے پن کا سامنا ہو گیا چونکہ اس کے پاس اب کوئی اور وسیلہ مطلقاً باقی نہیں رہا تھا اس لئے اس نے قوم سے التجا کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ عزم بجائے خود ایک انقلاب تھا کیونکہ اس سے یہ بات پیدا ہوتی تھی کہ مطلق العنان بادشاہی ناکامیاب ہو گئی ہے۔ چنانچہ مئی ۱۷۸۹ء میں تمام مملکت کی اسٹیس جنرل (مجلس شوریٰ) اس قومی تباہی کے متعلق بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئی۔

قوم سے التجا (۱۷۸۹ء)

"اسٹیس جنرل اول جاگیرانہ طبقات کے زیر اثر تھی"

یہ اسٹیس جنرل فرانس کی پرانی جاگیرانہ پارلیمنٹ تھی جس میں ہر سہ طبقات یعنی پادری، امرا اور عوام سے منتخب شدہ نمایندے شامل تھے۔ چونکہ یہ اسٹیس جنرل پونے دو سو برس سے جمع نہیں ہوئی تھی اسلئے کوئی شخص اس امر سے آگاہ نہ تھا کہ اس کی کارروائی کس طرح کی جائے البتہ اسقدر یقینی تھا کہ سابق میں یہ مجلس طبقہ وار رائے دیتی تھی اور امتیازی طبقات کی کارروائی ہمیشہ فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوا کہ اسٹیس جنرل قدیم بناپر تھی یا ایک جدید مجلس تھی

مجلس میں پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس نئی اسٹیس جنرل میں امیروں اور پادریوں کو ان کا قدیمی تفوق ملنا چاہیئے یا نہیں عوام کے نزدیک (جنھیں فرانس میں طبقہ سوم کہتے تھے) اس کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ نئی "اسٹیس جنرل" پرانی جاگیرانہ سلطنت کی نمایندہ نہیں تھی بلکہ کل متفقہ قوم کی نمایندہ تھی اور اس لئے ہر شخص کو برابر کا حق رائے دہی ملنا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر طبقہ سوم اس رائے پر مصر تھا کہ اظہار رائے طبقات کے ذریعہ سے نہیں بلکہ افراد کے ذریعے سے ہونا چاہیئے۔ چونکہ طبقہ سوم کو امرا اور پادریوں کے طبقے کے بہ نسبت دو چند نمایندے بھیجنے کی اجازت دیگئی تھی اس لیئے عوام کے چھ سو نمایندے تھے اور پادریوں اور امیروں میں سے ہر ایک کے تین تین سو نمایندے۔ پس اس سے یہ صاف عیاں تھا کہ

کہ اگر طبقہ سوم کی تجویز مان لی گئی تو ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اسلئے امیروں اور پادریوں نے اس کی سخت مخالفت کی، لیکن ایک مہینے کے بحث و مباحثہ کے بعد (۱۷۔ جون کو) طبقہ سوم نے اس عقدے کو قطع کرکے حل کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ جاگیرانہ طبقے اس کے ساتھ شامل ہوں یا نہوں طبقہ سوم ہی قدیمی مجلس ہے۔ اس چیرہ دستی سے خوفزدہ ہو کر بادشاہ و دربار نے یہ کوشش کی کہ اس فوری مطالبے سے عوام کو دبالیں کہ وہ پرانے طریق کارروائی کو تسلیم کریں، لیکن جب عوام نے کسی قسم کے خوف و مرعوبیت کا اظہار نہیں کیا تو بادشاہ خود دب گیا اور اس نے (۲۷ جون کو) امیروں اور پادریوں کو حکم دیا کہ وہ طبقہ سوم کے ساتھ شریک ہو جائیں پس اس طرح انقلاب کے ابتدائی زمانہ میں اختیارات بادشاہ اور جاگیرانہ طبقوں کے ہاتھ سے نکلکر عوام کے ہاتھوں میں آ گئے ؎

مجلس قومی

(۱۷۸۹-۱۷۹۱)

مجلس قومی ذہین مگر غیر عملی اشخاص پر مشتمل تھی ؎

یہ مجلس قومی جو فرانس میں دوبارہ جان ڈالنے کے لیئے اس طرح قائم ہوئی اس میں اعلےٰ درجہ کے ذی علم اور صاحب فہم اشخاص شامل تھے جن میں اپنے ملک کو زندہ کرنے کا سچا جوش موجود تھا، مگر اس میں ایک مہلک نقص ایسا تھا جس نے ان تمام خوبیوں کو غارت کر دیا۔ اس مجلس میں وہ لوگ شامل تھے جن کا مایہ بساط ان کا قیاس تھا تجربہ سے سروکار نہ تھا لہذا ان میں یہ تباہ کن میلان پیدا ہو گیا کہ جو مسئلہ پیش آتا اسے وہ اپنی خطیبانہ فصاحت و بلاغت دکھانے کا ایک موزوں موقع سمجھ لیتے تھے ؎

بارہ سو قانون سازوں کی اس وسیع جماعت میں سے آہستہ آہستہ کچھ لوگوں کو تقدم حاصل ہو گیا جن میں لیفیٹ، رابسپیر اور مرابو نے سب سے زیادہ اہمیت پیدا کر لی۔ مارکوئس ڈی لیفیٹ نے انقلاب امریکہ میں بڑا نام پیدا کیا تھا اور اگرچہ اس کا تعلق طبقہ امرا سے تھا مگر بذات خود اسکو عوام کے ساتھ ہمدردی تھی۔ رابسپیر ایک قانون پیشہ شخص تھا اور خودنمائی و تنگدلی اس میں بہت زیادہ تھی مگر وہ جمہوریت کے اصول پر دیوانہ وار شیدا تھا۔ ان سب سے بالاتر اور اپنے تمام شرکا سے بلند پایہ شخص کاؤنٹ ڈی مرابو تھا، کیونکہ وہ طبعاً ایک مدبّر تھا۔ شاید تمام مجلس میں وہی ایک شخص تھا جو یہ طبعی اصول سمجھتا تھا کہ جس طرح ایک پودہ یا بچہ بتدریج نشوونما و بالیدگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حکومت کا ارتقا بھی طبعی و تدریجی طور پر ہوتا ہے اس لئے اس کی خواہش یہ تھی کہ موروثی بادشاہت کو علیٰ حالہا قائم رکھنا چاہئے اور اس میں صرف اسی قدر اصلاح کرنی چاہئے جو اس کی صحت و طاقت کے بحال کر دینے کے لئے ضروری ہو، مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اسے کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی کہ وہ ایک رہبر کا سا اثر حاصل کر سکے۔ سب سے اول تو یہ کہ وہ طبقہ امرا سے تھا اور اس وجہ سے اس کی نسبت شک و شبہ کی گنجائش تھی، دوسرے یہ کہ اس کی زندگی کا ابتدائی زمانہ بہت لغو طور پر بسر ہوا تھا جسے اب نمایاں کر کے اس کے خلاف دکھایا جانے لگا تھا اور اسی سے اس کی عزت و وقعت کے اعتماد میں فرق آ گیا تھا۔

انقلاب کے پستی کی طرف مائل ہو جانے کا باعث عوام تھے

مجلس قومی کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ ایک نیا نظام حکومت تیار کرے یہ امر نہایت ہی ضروری تھا کہ یہ کام اطمینان کے ساتھ انجام دیا جائے اور اس میں عامیانہ جذبات اور زیادتیوں کو مطلق دخل نہ ہو۔ چونکہ مجلس قومی صاحب املاک اشخاص کی نمائندہ تھی اس لئے ہر طرح یہ امید تھی کہ اس کی کارروائی بہت سکون و قاعدہ کے ساتھ ہو گی لیکن بدقسمتی سے مجلس بہت جلد عوام کے اثر میں آ گئی اور یہی امر انقلاب کے تنزل و تباہی کا باعث ہوا۔ ادنےٰ طبقوں

کے خیال میں اصلاح کے معنی طوائف الملوکی کے تھے، اور انھیں کے اثر کے غالب آجانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۸۹ء کے واقعات نے اس قدر ہولناک صورت اختیار کر لی۔ اگر ہم اس امر واقعہ کو سمجھ لیں تو اس پستی و ذلت کی اصلی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جو ایک خالص پاکیزہ تحریک میں رونما ہو گئی تھی۔

پیرس کی شورشیں

اس ذلت و پستی کے لئے بادشاہ اور قومی مجلس دونوں ذمہ دار ہیں کیونکہ باتفاق یکدگر کام کرنے کے بجائے انھوں نے یہ کوشش کی کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دربار کی سازشوں کی افواہوں کے ذریعہ سے عوام میں برابر اشتعال پیدا کیا جاتا رہا، اور وہ اس بادشاہ کے خلاف جیسے فصیح البیان مقرر "مطلق العنان" کہا کرتے تھے شورش برپا کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہا کرتے تھے چنانچہ ۱۴ر جولائی کو پیرس کے عوام الناس نے جوش غضب میں بیسٹائل پر حملہ

بیسٹائل پر حملہ اور اسکا فتح ہو جانا

کر دیا جو پیرس کے وسط میں ایک قدیمی قید خانہ تھا جس میں سلطنت کے مجرم قید ہوتے تھے، اس موقع پر عوام الناس اور شاہی فوج کے درمیان ایک خونریز مقابلہ وقوع میں آیا اور عوام الناس نے اس عمارت کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔

بادشاہ اس وقت مقام ورسیلز میں تھا اور بیسٹائل کے اس واقعہ سے جو سبق حاصل کرنا چاہئے اسے اس نے غلط نہیں سمجھا انقلاب کے مقابلے میں اسلحہ سے کام لینے کا اگر کچھ بھی خیال اس کے ذہن میں تھا تو اس نے اسے بالکل ترک کر دیا اور عوام سے آشتی پیدا کر لینے کی کوشش کی، اور شہری طبقے نے بھی عارضی ہی طور پہ سہی مگر زیادہ صلح آمیز طریقہ اختیار کیا۔ زیادتیوں

نیشنل گارڈ (قومی محافظین) کا قائم کیا جانا

کو ترک کرنے کا ارادہ کر کے انھوں نے ایک محافظ ملک فوج نیشنل گارڈ کے نام سے قائم کی اور مقبول عام لیفیٹ کو اس کا سپہ سالار بنایا۔ اب سوال یہ تھا کہ آیا یہ قومی فوج اپنے فرض کو بھی سمجھتی ہے یا نہیں، اور آیا اس میں اتنی قوت ہے یا نہیں کہ وہ ان خلاف قانون عناصر کو دبا سکے جنگی جرأت و تعداد برابر

بڑھتی جاتی تھی ۔

۵ و ۶ اکتوبر کی شورشیں

امتحان کا موقع بہت جلد آگیا۔ اکتوبر میں ایک دوسری درباری سازش کی افواہ نے عوام میں بہت سخت ہیجان پیدا کر دیا۔ کہا یہ جاتا تھا کہ "مطلق العنان بادشاہ" پھر اسی تدبیر میں لگا ہوا ہے کہ انقلاب کو فوج کی مدد سے دبا دے۔ اسکے علاوہ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہے جس نے سارے ملک کا غلہ خرید کر شہر میں ہولناک قحط ڈال دیا ہے۔ ۵ اکتوبر کی صبح کو دس ہزار عورتیں غصے میں بھری ہوئی اور مدتوں کی تکلیف کی وجہ سے بھیانک شکلیں بنائے ہوئے ورسیلز کو روانہ ہوئیں تاکہ بادشاہ کو بزور پیرس میں لے آئیں۔ اُن کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ بادشاہ کے پیرس میں آجانے سے خوشحالی کا دور شروع ہو جائے گا۔ یہ ایک طبعی بات تھی کہ جب وہ اس طرح چلیں تو شہر کے تمام اوباش مرد و عورت ان کے ساتھ ہو لئے، مگر سوال یہ ہے کہ حکام اس وقت کہاں تھے اور قومی فوج کا سپہ سالار لیفیٹ کیا کر رہا تھا؟ عوام کی اس شورش کی حالت میں اسکا فرض صاف عیاں تھا مگر یہ یقینی ہے کہ اس نے ان شورش انگیزوں کو منتشر کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بادشاہ کو پیرس میں واپس لانے کے معاملے میں خود ان کا ہم خیال تھا۔ ان شورشیوں کے ورسیلز پہنچ جانے کے بہت دیر بعد وہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر اس نے ہر شے کو نہایت ابتر حالت میں پایا مگر اسکی بروقت مداخلت سے اتنا ہوا کہ شاہی خاندان والوں کی جانیں بچ گئیں، لیکن عوام نے اگرچہ بادشاہ و ملکہ کی جان چھوڑ دی مگر اس کے ساتھ ہی انھوں نے بہت پختگی کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ ان کو اس کے سوا کسی امر سے اطمینان نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ اور شاہی خاندان دارالصدر کو منتقل ہو جائے ۔

بادشاہ کا پیرس میں بلایا جانا

بادشاہ بجز اس کے کیا کر سکتا کہ راضی برضا ہو جائے چنانچہ ۶ اکتوبر کو یہ خوفناک غوغائی اپنی فتح کے گیت گاتے اور سڑکوں کے کنارے ناچتے کودتے ہوئے شاہی خاندان کو محل ٹیولیرز

واقع پیرس میں لے آئے۔ بادشاہ کے بعد قومی مجلس بھی وہیں آگئی اور محل کے قریب ہی شہسواری کے مدرسے میں اسے جگہ دی گئی۔

اس وقت سے عوام کو غلبہ ہوگیا

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ ۵ و ۶ اکتوبر کے واقعات نے شاہی کو تباہ کر دیا، اور لیفیٹ اس الزام سے بری نہیں ہوسکتا کہ ایک بڑی حد تک وہ بھی اس میں دخیل تھا۔ درحقیقت اگر لیفیٹ کی یہ خواہش تھی کہ بادشاہ اس کی قید میں آجائے تو ٹیولیرز میں آکر عملاً یہی صورت پیدا ہوگئی تھی لیکن خود لیفیٹ اسوقت سے عوام کی قید میں تھا۔ اگرچہ کئی مہینے بعد اسے اس کا احساس ہوا۔

عوام کی طاقت میں جس امر نے بہت بڑی مدد دی وہ یہ تھا کہ تمام طبقوں میں یکساں جوش و خروش پیدا ہوگیا تھا۔ یہ انقلاب جیسے ہولناک قدم بڑھاتا ہوا چلا اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ۱۷۸۹ء میں رائے عامہ میں جیسا ہیجان پیدا ہوگیا تھا اس کی نظیر شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ اس اضطراب کے سب سے زیادہ نمایاں علامات وہ اخبار و رسائل تھے جو ہر روز کے واقعات کے متعلق تشریحی بیانات شائع کرتے تھے لیکن لوگوں کے دلوں کی ہیجانی کیفیت کے اظہار کے لئے اخباروں سے بھی زیادہ نمایاں شہادت کلب (بزم احباب) سے ملتی تھی۔ مشورے اور مباحثے کے لئے کلبوں کا قائم ہونا اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہوگئی تھی۔ یہ کلب ایک ساتھ تمام اطراف و جوانب میں پیدا ہوگئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنے جانے والوں کے جوش کی وجہ سے ہر ایک قہوہ خانہ ایک طرح کی سیاسی انجمن بن گیا تھا۔ ان تمام اجتماعات میں جیکوبن (انتہا پسندوں) کو بہت جلد سب سے زیادہ نمایاں درجہ حاصل ہوگیا، ان کی ابتدا معتدل طریقے پر ہوئی اور ان کا مقصود یہ تھا کہ اصلاحات آئینی سے دلچسپی رکھنے والے اور تعلیم یافتہ اشخاص ایک جگہ جمع ہوا کریں۔ بہت تیزی کے ساتھ اسکی لاتعداد شاخیں قائم ہوگئیں اور ملک فرانس کے تمام عرض و طول میں ان کا دور دورہ ہوگیا، لیکن بدقسمتی سے یہ کلب بھی بہت جلد انتہا پسند انقلابی میلان کے

اثر میں آ گئے لیفیٹ و مرآبو کو جو بہت زیادہ حاوی تھے، رابسپیر نے آہستہ آہستہ پست کر دیا، اور رابسپیر کو جب ایک مرتبہ قابو حاصل ہو گیا تو اس نے ان انجمنوں ہی کو ملک کے انتہا پسند خیالات کے متحد کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔

امتیازات خاص کی موقوفی ۴۔ اگست ۱۷۸۹ء

۱۷۸۹ء اور ۱۷۹۱ء کی تمام مدت میں مجلس قومی فرانس کے لیئے ایک ہیئت حکومت مہیا کرنے اور نظام سلطنت کے درست کرنے میں مشغول رہی۔ لوئس شانزدہم کے ابتدائی زمانہ میں امتیازات کا وہ مسئلۂ عظیم جو ناقابل حل ثابت ہوا تھا مجلس قومی کے ایک مرتبہ قائم ہو جانے کے بعد پھر اس میں کوئی دشواری باقی نہیں رہی ۴۔ اگست ۱۷۸۹ء کو امرا اور پادری اپنی بلند ہمتی کے اظہار کے طور پر از خود اپنے تمام جاگیری امتیازات سے دست بردار ہو گئے، اور یہ خواہش کی کہ وہ فرانسیسی شہریوں کے سواد اعظم میں بطریق مساوات داخل کئے جائیں۔ ۴۔ اگست کا دن دور انقلاب میں ایک بہت ہی اہم دن سمجھا جاتا ہے۔

نظام جدید کی ہیئت و نقشہ

مجلس ملکی روزمرہ کے کاموں کی ادائی کے وقفوں میں فرانس کے آئندہ نظام حکومت کے متعلق غور و بحث کرتی رہی۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ یہاں کسی تفصیل کے ساتھ اس پر نظر ڈالی جائے لیکن اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ یہ کام ایسے لوگوں کے ہاتھ سے انجام پایا تھا جنہیں مطلق العنان حکام اعلیٰ کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھانا پڑی تھیں تو اس نظام سلطنت کا اصل الاصول ہماری سمجھ میں آ جائے گا۔ اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ حکومت کا حصہ واضع قانون اس کے عاملانہ حصے سے فائق و برتر قرار دیا گیا تھا۔ قانون سازی کے فرائض ایک مجلس واضع قوانین کے سپرد دیئے گئے تھے جس کا صرف ایک ایوان تھا اور جس کا انتخاب دو برس کے لیئے ہونا قرار پایا تھا۔ مرآبو جو اس انقلاب کا سب سے بڑا مدبر تھا، اس نے سخت کوشش کی کہ بادشاہ کے اختیارات اس حد تک قائم رکھے جائیں جو ایک عاملانہ حکومت کے خوبی کے ساتھ چلانے کے لیئے ضروری ہوں، لیکن اس کے شرکا نے اس کی کچھ قدر نہ کی اور تقریباً کل اہم معاملات میں اسے شکست ہو گئی۔

مرابو کا انتقال اپریل ۱۷۹۱ء

ان مایوسیوں اور غیر محتاط عیش پرستیوں سے اس کی صحت تباہ ہو گئی اور ۱۷۹۱ء کے اپریل میں اس کا انتقال ہو گیا اپنے آخری اوقات میں اس نے انقلاب کے مختلف مدارج کے متعلق جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہ گویا معجزنما تھیں کیونکہ کلیتہً صحیح ثابت ہوئیں۔

فراری کی ناکامیاب کوشش ۲۰ جون ۱۷۹۱ء

شاہی کے حامی و مؤید مرابو کے انتقال سے بادشاہ کی قدر و منزلت بہت پست ہو گئی۔ ۶ اکتوبر سے درحقیقت لوئس عوام الناس کی قید میں تھا، اور اسی وقت سے مجلس قومی برابر اس کے اختیارات کو گھٹاتی جاتی تھی۔ جو نظام حکومت ۱۷۹۱ء میں مکمل کیا جا رہا تھا اسے لوئس ناقابل عمل سمجھتا تھا اور چونکہ مرابو کے انتقال کی وجہ سے قرار واقعی طور پر اس کی نظر ثانی کی توقع جاتی رہی تھی اس لئے اس میں استعجاب کی کوئی وجہ نہیں کہ بادشاہ نے بھاگ نکلنے کا خیال قائم کیا ہو۔

بادشاہ اور شاہی خاندان کی فراری کے متعلق نہایت ہی رازداری کے ساتھ انتظامات کیے گئے تھے۔ اور ۲۱ جون کی رات اس کے لیئے مقرر ہوئی تھی۔ گھوڑوں کے بدلنے کے مواقع پر تھوڑی سی تاخیر نہ ہو جاتی یا بادشاہ اپنے کو پوشیدہ رکھنے میں ذرا زیادہ احتیاط سے کام لیتا تو یہ کوشش کامیاب ہو گئی ہوتی، لیکن بادشاہ سینٹ میں ہولڈ اور اس سے کچھ آگے بڑھکر وینس میں پہچان لیا گیا، جہاں گھوڑوں کے بدلنے میں اتفاقیہ تعویق ہو گئی تھی یہیں ان مسافروں کو عوام نے گھیر کر اپنے قبضے میں کر لیا، اور روانگی سے چند روز بعد یہ مفرورین بہ حیثیت قیدی کے پھر پیرس میں لائے گئے۔

اختلاف رائے

بادشاہ کے اس فرار سے اہل پیرس کی رائیں بہت شدت کے ساتھ منقسم ہو گئیں۔ آئینی شاہ پسندوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ حد سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ان کے نظام سلطنت کے لیئے ایک بادشاہ کی ضرورت تھی اور اس موقع پر انھوں نے دیکھ لیا کہ ان کا سلسلہ بادشاہ ان کی تجویز پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے۔ پس وہ اس قیدی اور بے سلاح لوئس کا وقعتاً ایسا لحاظ و ادب کرنے لگے جیسا انھوں نے اس

زمانے میں بھی نہ کیا تھا جب اسے کچھ اختیار حاصل تھا۔ دوسری طرف ڈینٹس اور رابسپیر کے ایسے جمہوریت پسندوں نے اس فرار کو جمہوریت کے اعلان کے لئے ایک حیلہ قرار دے لیا۔ (چنانچہ ۱۷ جولائی ۱۷۹۱ء کو) ایک ایسی کشاکش پیدا ہو گئی کہ اس کے قبل پیرس میں کبھی یہ حالت نظر نہیں آئی تھی، لیکن شاہی پسندوں کی اب بھی کثرت تھی اور انھوں نے قومی فوج سے شورشیوں کے خلاف کام لیکر فتح حاصل کر لی۔ مجلس نے جب بادشاہ سے یہ

بادشاہ کا دوبارہ رخصت ہونا

سن لیا کہ اس کا یہ ارادہ ہر گز نہیں تھا کہ وہ فرانس کی سرزمین کو چھوڑ کر نکل جائے تو انھوں نے نہایت احترام کے ساتھ دوبارہ اسکا خیر مقدم کیا اور لوئیس نے اپنی جگہ پر اپنی رعایا سے اپنی خوشنودی و رضامندی ظاہر کرنے کے لئے نظام سلطنت کو قبول کر لیا اور اس پر کاربند ہونے کا حلف لیا۔ نظام سلطنت کا آخری نقش و نگار درست کرنیکے بعد ۳۰ ستمبر ۱۷۹۱ء کو مجلس نے خود اپنے کو برطرف کر دیا اور وہ نظر سے غائب ہو گئی۔ اس کی دو برس کی سخت محنت کا جس سے

مجلس خود اپنے کو برطرف کر دیتی ہے۔ ۱۷۹۱ء

پرجوش لوگوں کو پرانے یورپ میں نئی جان ڈال دینے کی توقع تھی) زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی قوم کو ایک مکمل آزادانہ نظام حکومت مل گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ جس نظام حکومت کا اس قدر شور مچا ہوا تھا آیا وہ امن و خوشحالی کا وہ دور پیدا کر دیگا یا نہیں جسکی پیشین گوئی کی جا رہی تھی؟

مجلس قانونی

(یکم اکتوبر ۱۷۹۱ء لغایت ۲۱ ستمبر ۱۷۹۲ء)

نئی مجلس واضع قوانین کی ناتجربہ کاری

سوال مذکورۂ بالا کا جواب بہت کچھ اوّل مجلس قانونی پر منحصر سمجھنا چاہئے یہ مجلس جدید نظام سلطنت کے مواقف منتخب

ہوئی تھی اور قومی مجلس کے ملتوی ہونے کے دوسرے روز اس کا اجتماع ہوا۔ مجلس قومی میں اپنی عظمت و ایثار کا جو باطل خیال پیدا ہو گیا اور جس نے اُس کے تمام کاموں کو خراب کر رکھا تھا، اسی کا یہ بھی اثر تھا کہ اس نے ایک حکم یہ دیدیا کہ اس کے ارکان میں سے کوئی شخص اس نئی مجلس قانونی کا رکن نہ منتخب ہو پس فرانس کے سات سو سینتالیس نئے واضعان قانون سب کے سب ناتجربہ کار تھے۔ یہ امر بجائے خود پرخطر تھا، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ ارکان میں زیادہ نمود جوشیلے نوجوانوں کو حاصل تھی جن کے اس سیاسی عروج کا موجب ان کی وہ قوتِ فصاحت تھی جس کا اظہار ان کے مقامی جیکوبن کلب میں ہوا کرتا تھا

مجلس کی جمہوریت پسندی اس مجلس کا خطرناک انداز اسی وقت ظاہر ہو گیا جب ارکان نے خود کو مختلف گروہوں میں منضبط کیا۔ صرف ایک چھوٹی سی جماعت موسوم بہ فیولاں (Feuillants.) نظامِ سلطنت کی تائید پر آمادہ ہوئی دو سب سے زیادہ با اثر گروہ ژیراند[۱] اور پہاڑ نشین[۲]، جمہوریت کے قیام کے طرفدار تھے اور پہلے ہی روز سے انھوں نے عمداً بادشاہی کے فنا کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے جس طرح درجہ بدرجہ اپنی تباہی کے کام کو پورا کیا اس پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ بادشاہ پر سب سے سخت ضرب اس وقت پڑی جب اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کر دے یہ اعلان انقلاب کا نیا نشان راہ ہے اور اگر یہ اعلان نہ ہوا ہوتا تو اس مجلس قانونی کو ہم تقریباً بالکل فراموش کر دیتے ٭

آسٹریا کے خلاف جنگ آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ مختلف حالات و اسباب کا نتیجہ تھا سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ یورپ کی شاہیاں (جن کا فطری سرگروہ میری انیٹانٹ کا بھائی شہنشاہ لیوپولڈ تھا) انقلاب کے مقابلے میں

---

[۱] یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ اس فریق کے سرگروہ فرانس کے صوبہ ژیراند کے ارکان تھے

[۲] اس فریق کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ یہ لوگ مجلس میں بنچوں کی سب سے اونچی صف میں بیٹھتے تھے ٭

معاندانہ خیالات کا اظہار کرنے لگی تھیں، اور آسٹریا و پرشیا کی جانب سے ۱۷۹۱ء کے موسم خزاں میں اعلان پلنٹز کا شائع ہونا فرانسیسیوں کی ناگواری کا سبب ہوگیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ فرانس کے جو اُمرا ملک سے نکل گئے تھے اور زیادہ تر دریائے رائن کے پار رہتے تھے انھوں نے لوئس شانزدہم کے بھائی کاؤنٹ ارٹائس کی سرکردگی میں اپنے کو منضبط کر لیا تھا اور انتقام کی دھمکیاں دے رہے تھے، اس سے اہل فرانس برافروختہ ہوگئے تھے۔ سب سے آخری وجہ یہ تھی کہ فرقۂ جرانڈ کو یہ توقع تھی کہ جنگ سے شاہی کا تختہ الٹ جائے گا اور اسی کا وہ متمنی تھا۔ اگرچہ رابسپیر اور دوسرے سربرآوردہ جیکوبن جنگ کے خلاف تھے مگر ان مختلف النوع اغراض و حالات کا اثر ایک دوسرے پر ایسا پڑا کہ مجلس نے جوش میں آکر لوئس شانزدہم کو آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ پر مجبور کر دیا (۲۰ اپریل ۱۷۹۲ء)۔

اس جنگ کا عام ہو جانا لازمی تھا

بدقسمتی یہ ہوئی کہ قابل و لائق لیوپولڈ، اعلان جنگ سے ایک ماہ قبل انتقال کر گیا تھا اور انقلاب سے جنگ کرنے کا کام اسکے ناقابل بیٹے فرانسس دوم کو (۱۷۹۲-۱۸۳۵) انجام دینا پڑا لیکن لیوپولڈ نے انتقال سے قبل وقوع جنگ کی صورت کے لیے کچھ انتظامات کر دئے تھے "انقلاب" میں شاہی کے خلاف جو خطرات مضمر تھے ان سے خائف ہو کر اس نے فروری ۱۷۹۲ء میں فریڈرک ولیم دوم شاہ پرشیا کو اپنا حلیف بنا لینے پر راضی کر لیا تھا۔ پس ۲۰ اپریل کے اعلان سے نہ صرف آسٹریا بلکہ پرشیا بھی میدان جنگ میں آگئی اور اس طرح دور انقلاب کی وہ لڑائیاں شروع ہوگئیں جنھوں نے انقلابی خیالات کو دنیا کے انتہائی حدود تک پہنچا دیا۔ سرحدی و روائتی علامات کو یادر ہوا کر دیا اور بیس برس تک قدیم یورپ کو جدید فرانس کے پنجۂ ہلاکت میں گرفتار کر دیا۔

فرانسیسیوں کی شکست

اس میں شک نہیں کہ جمہوریت پسند جرانڈ جو اس جنگ کے اصل بانی مبانی تھے انھیں بہت آسانی کے ساتھ فتح حاصل ہو جانے کی توقع تھی۔ وہ اس وہم میں پڑے ہوئے تھے کہ انقلابی خیالات کے

تاقابل دفع حملہ کے سامنے مطلق العنان بادشاہوں کے تخت درہم برہم ہو جائینگے اور خود جرانڈون کا ہر جگہ بنی نوع انسان کے نجات دہندہ کے طور پر خیر مقدم کیا جائے گا، لیکن پہلے ہی معرکے میں انھیں سخت مایوس ہونا پڑا۔ غیر تربیت یافتہ فرانسیسی فوج آسٹریوں کے نمودار ہوتے ہی بغیر لڑے ہوئے منتشر ہو گئی اور موسم گرما کی آمد کے ساتھ ہی ساتھ یہ خبر ملی کہ اہل آسٹریا و اہل پرشیا نے ملکر خود فرانس پر حملہ کر دیا ہے۔ اس غیر متوقع نازک حالت کے پیش آجانے سے پیرس کے جمہوریت پسند غصہ و خوف سے بھڑک اٹھے۔ وہ دبی زبان سے غداری کا ذکر کرنے لگے اور بہت جلد ان کے مقرروں نے نہایت ہی بڑے الفاظ میں علی الاعلان بادشاہ پر الزام لگانا شروع کر دیا کہ فرانس کی شکستوں کا باعث وہی ہے ؛

پرشیا کا مقدمتہ الجیش روز بروز جسقدر پیرس سے قریب تر آتا جاتا تھا اسی قدر خوف زدہ اہل شہر کا اضطراب و اشتعال بڑھتا جاتا تھا۔ جب پرشیا کے سپہ سالار اعظم ڈیوک برنسوک نے ایک مہمل اعلان میں یہ دھمکی دی کہ بادشاہ کے سر کا اگر ایک بال بھی بیکا ہوگا تو وہ اس کا عوض شہر سے لیگا، تو پھر غصے کی یہ سلگتی ہوئی آگ اس زور سے بھڑکی کہ قابو سے باہر ہو گئی پیرس کے عوام الناس جو ۲۰ جون کو شورش برپا کرنے میں ناکامیاب رہچکے تھے انھوں نے ۱۰ اگست کی صبح کو جمہوری سرگروہوں کے زیر انتظام ٹیولیرز کی طرف کوچ کر دیا تاکہ اس شخص کا تختہ الٹ دیں جس کی نسبت مقرروں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ مادر وطن (فرانس) کے غیر ملکی دشمنوں سے اتحاد رکھتا ہے ؛

الزام بادشاہ کے سر رہا

۱۰ اگست ۱۷۹۲ء

لوئی صرف اپنے سوئزرلینڈ کے اجیر سپاہیوں کے دستے پر بھروسہ کر سکتا تھا، اور اگر وہ چاہتا تو اس دستے سے دلیرانہ مقابلہ کرتا مگر وہ ایسا شخص نہیں تھا جو غیرت و تہور کے جذبات سے متحرک ہو جائے۔ اس کے دل میں اگر کوئی قطعی عزم تھا تو یہ کہ اس کی وجہ سے خانہ جنگی میں فرانس کا خون نہ بہے۔ آٹھ بجے صبح کو جب اس نے یہ دیکھا کہ عوام الناس

محل پر حملہ کر دینے پر آمادہ ہیں تو اس نے محل کو چھوڑ کر مجلس قانونی میں پناہ لی۔ اہل سوئزرلینڈ کے دستۂ محافظ نے اپنے سرگروہ سے محروم ہو کر بطور خود دلیرانہ مقابلہ کیا اور صرف بادشاہ کے قطعی حکم پر ٹیولیرز کو حوالہ کر کے واپس نکل جانے کی کوشش کی لیکن دونوں جانب تعداد کا فرق بہت بڑھا ہوا تھا، اور اِن سپاہیوں کا بہت بڑا حصہ سڑکوں کے اوپر کاٹ ڈالا گیا ؛

بادشاہی اور نظام سلطنت کی شکست

اس اثنا میں مجلس اس کام میں مشغول تھی کہ عوام کے اس فیصلے پر اپنی باضابطہ رضامندی سے مہر تصدیق لگا دے ؛ خود نوشی کی موجودگی میں ارکان نے بادشاہ کے تعطل کی رائے دی اور ایک نئے نظام سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ایک "قومی مجلس عارضی" کے انتخاب کا حکم دیا۔ موجودہ مجلس کی میعاد ۲۱ ستمبر تک قرار دی گئی یہی دن نئی جماعت کے اجتماع کے لئے مقرر ہوا۔ پس اس طرح نہ صرف شاہی کا خاتمہ ہو گیا بلکہ وہ نظام حکومت بھی نقش بر آب ہو گیا جس کی نسبت بیانگ دہل یہ کہا جاتا تھا کہ انسان کی رسائی ذہن کا یہ انتہائی ثمرہ ہے ؛

حکومت غوغائیوں کے سرگروہوں کے ہاتھ میں آ گئی ؛

بادشاہ کے تعطل سے حکومت از روئے قانون مجلس قانونی اور اس وزارت کے ہاتھ میں آ گئی جسے مجلس نے منظور کیا تھا۔ مگر چونکہ دار الصدر عوام کے ہاتھ میں تھا اور حکومت کی کل معطل ہو گئی تھی اس لئے یہ غیر ممکن تھا کہ اصلی اختیار عوام الناس کے ان سرگروہوں کے ہاتھ میں نہ آ جائے جنھوں نے ۱۰ اگست کو بادشاہ کو زیر کر دینے کی جرات کی تھی۔ یہ فتحمند سرگروہ مجلس کے فریق ماؤنٹین، اور ان "محبان وطن" سے ہر طرح پر متفق و ہمخیال تھے جنھوں نے حال ہی میں اپنی زیادتی و چیرہ دستی سے کمیون (یعنی مجلس بلدی) پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس مہیب حلقے میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیتیں ڈینٹن، میریٹ اور رابسپیر کی تھیں اور یہی چند اشخاص اور ان کے پیرو ۱۰ اگست سے جب دن شاہی کا تختہ الٹا گیا اور ۲۱ ستمبر تک (جس روز قومی مجلس عارضی جمع ہوئی) فرانس کے اصلی حکمراں رہے ؛

فریق ماؤنٹین فرانس کی نیابت کرتا ہے۔

یہ عیاں تھا کہ اس نازک وقت میں فرانس کی سب سے پہلی

ضرورت یہ تھی کہ غیر ملکی حملے کو مسترد کیا جائے۔ اہل پرشیا برابر بڑھتے آرہے تھے، اس لیئے فریق ماؤنٹین نے اپنے آپ کو قومی مدافعت کا مرد میدان قرار دیا اور سوائے ان کاموں کے جو زندگی کی اشد ضروریات یا آلات مدافعت کے مہیا کرنے کے لیئے ضروری ہوں اور سب کام بند کر دیئے گئے، اور آخر آخر تمام مرد آبادی سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائے۔ ستمبر کے شہرۂ آفاق متعدد قتل عام نے تمام پیرس بلکہ سارے فرانس پر ہیبت طاری کر دی۔ اس جور وظلم اور مجنونانہ روش کی طرز حکومت کے متعلق ہم جو رائے چاہیں قائم کریں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس کا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا یعنی ایک ایسی فوج میدان جنگ میں آگئی جس کے سپاہی مرنے مارنے پر تیار تھے، اور اس طرح اس حکومت نے فرانس کو بچا لیا۔

اہل پرشیا کو والمی میں شکست ہوئی ستمبر ۱۷۹۲ء

جمہوریت کے نئے سپاہیوں نے بتدریج اہل پرشیا کی پیشقدمی کو روک دیا اور آخر ۲۰ ستمبر کو جنرل کلرمین نے بمقام والمی اہل پرشیا کو شکست فاش دیدی، جس پر شاہ فریڈرک ولیم نے (جس کے خیالات پولینڈ کی مزید تقسیم کے قریب الوقوع ہونے کی طرف منعطف ہو چکے تھے) بازگشت کا حکم دیدیا اور چند ہفتوں کے اندر اندر پرشیا کا ایک شخص بھی فرانس کی سرزمین پر باقی نہیں رہا۔

ستمبر کے قتل عام ۲، ۳، ۴ ستمبر

بدقسمتی سے انتہائی خیالات کے جمہوریت پسندوں کی یہ حقیقی وعظیم الشان کامیابی متواتر ہولناک جرائم کی تمہید بن گئی یہ سمجھنے کے لیئے کہ اس قسم کے مظالم کیوں واقع ہوئے، ہمیں پھر ایک مرتبہ فرانس کی حالت پر نظر ڈالنا چاہیئے۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور اختیارات چند شخصوں کے ہاتھ میں تھے جو اپنے ملک کے بچانے کا عزم مصمم کیئے ہوئے تھے۔ یہ ایک نہایت بیباک گروہ تھا جس میں ڈینٹن، میرٹ اور ان کے رفقا کے ایسے لوگ شامل تھے، اور چونکہ وہ اس امر کے روادار نہ تھے کہ فوجوں کی آراستگی کے کام میں حمایت شاہی کی مقامی شورشوں کو خلل انداز ہونے دیں، اس لیئے انھوں نے تخویف وتہدید کے ذریعہ سے آئین پسندوں کو

(جنکی غالباً اب بھی کثرت تھی) دبانا چاہا۔ جن لوگوں پر بادشاہ کی طرفداری کا ذرا بھی شبہ ہوا انہیں قیدخانے میں ڈال دیا گیا، اس طرح قیدخانے بھر گئے اور پھر ستمبر کے ابتدائی ایام میں دیدہ و دانستہ ان قیدیوں کا قتل عام کرکے قیدخانے خالی کر دیئے گئے۔

قاتلوں کے ایک مسلح گروہ نے جسے مجلس بلدی نے باقاعدہ اجرت پر مقرر کیا تھا قیدخانوں کو گھیر لیا اور تین دن کے اندر تقریباً دو ہزار بے بس شخصوں کو قتل کر ڈالا۔ اس ناپاک و ملعون کارروائی کے روکنے کے لئے ایک شخص نے بھی انگلی نہیں اٹھائی۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل پیرس حواس باختہ ہو گئے تھے۔ وہ اس کارروائی کو دیکھتے رہے اور دم نہ مار سکے۔

قومی مجلس عارضی

(۲۱ ستمبر ۱۷۹۲ء لغایت ۲۶ ستمبر ۱۷۹۵ء)

فرانس سلطنت جمہوری بن گیا — خوف و دہشت کی حکومت کا یہ مختصر دور قومی مجلس عارضی کے جمع ہونے (۲۱ ستمبر) اور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کے بعد عارضی طور پر ختم ہو گیا۔ اس جماعت کا پہلا کام یہ تھا کہ اس نے شاہی کو منسوخ قرار دیدیا۔ اسی زمانے میں اہل پرشیا کو والمی میں شکست ہوئی تھی اور اس شکست کے بعد بہت جلد اہل آسٹریا کو بھی لائل کی دیواروں سے پسپا ہونا پڑا اس لئے فرانس بیرون ملک کے فوری خطرے سے آزاد ہو گیا تھا۔ پس اب فرانس کی فوجیں سیکسنی پر حملہ آور ہوئیں، رائن کی طرف بڑھیں اور بماہ نومبر جنگ جیمپز میں آسٹروی ندرلینڈز کو فتح کر لیا۔ اس طرح جب فرانس حملے کی زد سے مامون و مصئون ہو گیا تو مجلس عارضی نے اپنی عنان توجہ معاملات اندرونی کی طرف منعطف کی۔

جرانڈ و ماؤنٹین — فرانس اس وقت جس اندیشناک حالت میں تھا اس میں کل امور کا دارومدار اسی حکمران جماعت کی ترکیب و ترتیب پر تھا، اس میں تقریباً

آٹھ سوارکان داخل تھے جو سب کے سب جمہوریت پسند تھے مگر اس جمہوریت پسندی میں ان کے مدارج مختلف تھے، ان میں دو فریق تو وہی جرانڈ اور ماؤنٹین تھے جنکا حال ابھی قانونی مجلس کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے اب ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا فریق پلین (صاف باطن) پیدا ہوا جو کبھی "جرانڈ" کے ساتھ رائے دیتا اور کبھی "ماؤنٹین" کے ساتھ مگر قطعی طور پر وہ کسی کے ساتھ شامل نہیں تھا جرانڈ ایک ایسی نئی "اٹوپیا" (بہشت ارضی) کا خواب دیکھ رہے تھے جو محض توضیع قوانین سے از خود پیدا ہو جائے گی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ خونریزی کا دور ختم ہو جائے اور وہ ان دھبوں کو دھو ڈالیں جو آزادی کے نام پر لگنا شروع ہو گئے تھے، مگر ماؤنٹین زیادہ تند مزاج و عملی طبیعت کے لوگ تھے، ان کا مقدم خیال یہ تھا کہ فرانس کو غیر ملکیوں سے بچانا چاہئے اور اس مقصد اعظم کے حاصل کرنے کے لئے وہ خود آزادی تک کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ تھے۔

بادشاہ پر مقدمہ قائم ہو کر اس کا قتل کیا جاتا ہے

۲۱ر جنوری ۱۷۹۳ء

جرانڈ و ماؤنٹین کے تفرقے کا ناقابل اندمال ہونا اسوقت صاف عیاں ہو گیا جب مجلس عارضی نے بادشاہ پر مقدمہ چلایا۔ ۱۰ر اگست سے بادشاہ مع اپنے خاندان کے قیدخانۂ ٹمپل میں محبوس تھا، اب دسمبر میں یہ معزول بادشاہ مجلس عارضی کی عدالت کے روبرو طلب کیا گیا۔ فرقہ جرانڈ کے لوگ اس معاملے کو قوم کی طرف رجوع کرنے کے لئے مضطر تھے مگر ماؤنٹین کو عوام الناس کی پشت پناہی حاصل تھی اور انھوں نے اسی تہدید سے مجلس عارضی کو اپنا ہم رائے بنا کر لوئی کیپیٹ پر (جو کسی وقت میں لوئی شانزدہم تھا) موت کا فتویٰ صادر کرا لیا، اور ۲۱ر جنوری ۱۷۹۳ء کو گلوٹائن نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

فرانس کے خلاف پہلا اتحاد۔ ۱۷۹۳ء

بادشاہ کے قتل سے تمام یورپ میں غصے کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور ایک بہت وسیع اتحاد نے فرانس کو خطرے میں ڈال دیا مگر فرانس نے اس صلائے جنگ کو قبول کر لیا اور فروری ۱۷۹۳ء میں فرانس نے انگلستان و ہالینڈ کے خلاف اور مارچ میں اسپین

کے مقابلے میں اعلان جنگ کردیا۔ ۲۳ر مارچ کو خود مقدس رومن شہنشاہی نے فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ پس اس طرح آسٹریا و پرشیا کے ساتھ جو جنگ تھی وہ عام یورپ کی جنگ بن گئی۔ ان حالات میں فرانس کی سرزمین کی حفاظت ۱۷۹۲ء کے موسم گرما کے مثل پھر اپنے وقت کی سب سے اہم ضرورت ہوگئی۔ ۱۲ر مارچ کو فرانسیسی فوجیں نیروِنڈن کے قریب منہزم ہوگئیں اور مجلس عارضی کی حالت پر اس کا بہت ہی نمایاں اثر پڑا۔ یہ ظاہر تھا کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جو ہر چہار طرف سے بڑھتے آرہے تھے فرانس کے لئے عام انسانی قوت سے کچھ بڑھکر قوت کے اظہار کی ضرورت تھی چنانچہ نو ارکان کی پہلی "مجلس حفاظت عامہ"، فوراً ہی قائم کی گئی، اور اس نئی مخدوش حالت نے بہت تیزی کے ساتھ جرانڈ اور ماؤنٹین کی عداوتون کو تنافر کی اس حدتک پہنچادیا کہ مصالحت کا امکان باقی نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ وطن کی حمیت میں دونوں فریق برابر تھے مگر اب مقدم سوال حب الوطنی کا نہیں تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ ان حملوں سے جو خطرے درپیش ہیں ان کے روکنے کی سب سے زیادہ عملی صورت کیا ہے۔

فریق جرانڈ کا مغلوب ہوجانا

فریق جرانڈ کے فلسفی اس امر پر مصر تھے کہ اخلاقی اثر و تدبیر سے کام لینا چاہئے اور ان کے تار پود کا سلسلہ کسی طرح اختتام کو نہیں پہنچا تھا۔ چونکہ صورت معاملات اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اخلاقی اثر اور بحث مباحثہ سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لئے فریق ماؤنٹین کے پرجوش افراد نے یہ عزم کرلیا کہ اپنے حریفوں کو بالکل پست و مغلوب کردیں، پیریٹ نے مجلس عارضی پر حملہ کرنے کے لئے عوام الناس کو باقاعدہ مرتب کیا اور یہ غوغائی مجلس کے روبرو آکر فرقۂ جرانڈ کے سرگروہوں کے سروں کا مطالبہ کرنے لگے۔ آخر الامر ۲ر جون کو ان میں سے اکتیس اشخاص جن میں وَرگ نیو، برِسو، ژان سونے کے ایسے اعلیٰ مقررین بھی شامل تھے زیر حراست قرار دیدیئے گئے۔

فریق ماؤنٹین کا غلبہ

اعتدال پسند جرانڈون کے زوال کے بعد فریق ماؤنٹین کے جوش غضب کے ظاہر ہونے سے آخری روک اٹھ گئی۔ حکومت اب اُن کے

ہاتھ میں تھی، وہ جس طرح چاہتے اس سے کام لیتے اور چونکہ ان کی رائے ہمیشہ سے یہ تھی کہ حکومت کا اولین مقصد یہ ہے کہ فرانس کو اس کے دشمنوں سے نجات دلائی جائے، پس اب اس مقصد عظیم کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے بالارادہ ۱۷۹۲ء کے موسم گرما والا کامیاب طریقہ اختیار کیا یعنی ہول وتخویف کی حکومت قائم کر دی۔ دور انقلاب کا وہ حصہ جو تاریخ میں "دور ہول وتخویف" کے نام سے مشہور ہے ۲ر جون کو شروع ہوا جبکہ مجلس عارضی سے اعتدال پسند عنصر جس کی نمائندگی فریق جیرانڈ کر رہا تھا خارج کر دیا گیا۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ اس دور کو طویل دور ہول وتخویف کہا جائے تاکہ اگست وستمبر ۱۷۹۲ء کے مختصر "دور ہول وتخویف" سے یہ تمیز ہو جائے ؛

دور ہول وتخویف

(۲ر جون ۱۷۹۲ء لغایت ۲۷ر جون ۱۷۹۴ء)

حفاظت عامہ کی مجلس اعظم

۱۷۹۲ء کے موسم گرما کا مختصر دور ہول وتخویف اپنی دو نمایاں خصوصیات کے لئے ممتاز تھا، اولاً سرزمین فرانس کی پرزور محافظت۔ ثانیاً پیرس کے مخالف عناصر کو خونریزی کے ذریعہ سے دبانا۔ ہول وتخویف کے طولانی زمانے میں بھی یہ باتیں ایک معین طریق پر نشو ونما پاکر ظاہر ہوئیں پرزور مدافعت کے اطمینان کے لئے ایک زبردست عاملانہ قوت سے زیادہ کس شے کی ضرورت ہو سکتی ہے، اس لئے فریق ماؤنٹین نے حفاظت عامہ کی ایک نئی مجلس قائم کی جس میں بارہ رکن تھے اور اس مجلس کو اس نے قریب قریب غیر محدود عاملانہ اختیارات دیدئے۔ چونکہ اس مجلس میں بالیقین سب سے قابل تو نہیں مگر سب سے زیادہ نمایاں شخص رابسپیر تھا اس لئے لوگوں کے دلوں میں عام طور پر اسی کا نام اس "مجلس حفاظت عام" کا مرادف ہو گیا ہے ؛

ہول وتخویف کے عمل میں لانے کی کل

عاملانہ قوت کے اس طرح منتظم ہوجانے کے بعد ضرورت یہ باقی رہی تھی کہ انقلاب کے مخالف عناصر کے دبانے کا ایک باقاعدہ انتظام اختیار کیا جائے۔ اس باقاعدہ انتظام کی تکمیل کو ہول وتخویف کو عمل میں لانے کی کل کہنا چاہئے، اس کے اجزائے ترکیبی حسب ذیل تھے، سب سے اول اشخاص مشتبہ کا قانون تھا، اس عجیب وغریب تدبیر سے حکام کو یہ اختیار حاصل ہوگیا تھا کہ جس شخص کی نسبت ان کے سامنے یہ ظاہر کردیا جائے کہ وہ مشتبہ ہے اسے قید کردیں، اشخاص مشتبہ کے اس مذموم قانون نے بہت جلد قیدخانوں کو انتہائی حد تک بھر دیا۔ اب قیدخانوں کے خالی کرنے کا کام اس تخویف کی کل کا دوسرا پرزہ تھا جو "انقلابی عدالت" کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ وہ خاص عدالت تھی جو مشتبہ اشخاص کے مقدمات کو مضبوطی وعجلت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ اول اول اس انقلابی عدالت نے قانون کی کچھ ظاہری صورتوں کا پاس ولحاظ کیا مگر بتدریج اس نے عجلت کے مقابلہ میں ہر ایک خیال کو ترک کردیا۔ ایک وقت ایسا آگیا جب قیدی اس عدالت کے سامنے گروہ درگروہ لائے جاتے اور صرف ان کے ناموں کی فہرست پڑھ کر ان پر موت کا حکم صادر کردیا جاتا تھا۔ اس ہولناک کارروائی میں ان بدنصیبوں کے لئے اب صرف تیسری منزل باقی رہ گئی تھی۔ وہ گاڑیوں میں بھر بھر کر ایک میدان میں بھیجے جاتے تھے جسے "میدان انقلاب" کہتے تھے اور یہاں تماشہ دیکھنے والے اور شور مچاتے غوغائیوں کے درمیان (جو ہر روز صبح کو اس منظر کے دیکھنے کے لئے اس طرح جمع ہوتے تھے گویا وہ کسی ضیافت میں آئے ہیں) ان مظلوموں کے سر گلوٹائن کے ذریعے سے ان کے جسموں سے جدا ہو ہو کر گرتے تھے اس ہول وتخویف کا ابھی پوری طرح

ہیبرٹ وجارلوٹ کارڈے

زور بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے خاص بانیوں میں سے ایک شخص ہیبرٹ کو ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ ہیبرٹ پیرس کے نہایت ہی غریب وذلیل طبقے کا نفس ناطقہ تھا اسکی خونریزی کی وحشتناک تشنگی نے ہر ایک صاف دل شخص کو اس سے متنفر کردیا تھا اور آخر نارمنڈی کی ایک

شریف دل وحسین لڑکی چارلوٹ کارڈی نامی کے دل میں یہ جوش پیدا ہوگیا کہ وہ اس بلا سے اپنے ملک کو نجات دلائے۔ چنانچہ ۱۳ر جولائی ۱۷۹۳ء کو وہ کسی نہ کسی طرح اس کے مکان میں داخل ہوگئی اور اس کے غسل خانے میں اسے خنجر بھونک کر مار ڈالا، وہ جانتی تھی کہ یہ فعل خود اس کی موت کے ہم معنی ہے مگر اپنے اس کام سے اسے جو مسرت تھی وہ کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوئی اور چند روز بعد گلوٹائن کی طرف اسی طرح گئی جیسے کوئی مطمئن القلب شہید موت کی طرف جاتا ہو۔

جیسے جیسے جلیل القدر افراد اس "ہول وتخویف" کی حکومت کے شکار ہوئے ان کے واقعات کا کماحقہ احصا مشکل ہے۔ اکتوبر میں میری اینٹائنٹ انقلابی عدالت کے روبرو طلب کی گئی۔ وکیل سرکاری نے چند ناقابل ثبوت

میری اینٹائنٹ کی موت
اکتوبر ۱۷۹۳ء

الزامات اس کے خلاف پیش کئے، اس نے ایک شریفانہ عظمت کے ساتھ ان سب باتوں کو انگیز کیا اور موت کا حکم صادر ہونے پر تختۂ قتل پر اس ہمت کے ساتھ چڑھی جو قیاصرہ کی لڑکی کے لئے سزاوار تھا[لہ]۔

ڈیوک آرلینز

دوسرا شکار ڈیوک آرلینز تھا، انقلاب برپا کرنے والوں میں، غالباً اس شخص کی ہستی سب سے زیادہ قابل نفرت تھی، وہ خاندان باربن کی دوسری شاخ کا بزرگ خاندان تھا مگر اس نے شاہی کی طرفداری ترک کردی تھی اور ذلت کے اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ اپنے عزیز یعنی بادشاہ کی موت تک کی رائے دیدی تھی۔

لہ میری اینٹائنٹ نے دو بچے چھوڑے، ایک پندرہ برس کی شہزادی تھی اور دوسرا ولیعہد فرانس، لوئس جو آٹھ برس کا تھا۔ شہزادی ۱۷۹۵ء میں رہا کردی گئی مگر لڑکا اس رحم سے فائدہ اٹھانے سے قبل ہی اپنے محافظان محبس کے ظالمانہ برتاؤ سے جان بحق ہو چکا تھا۔ اس مظلوم ولیعہد کو جو لوئس ہفتدہم سمجھا جاتا ہے اس طرح دیدہ و دانستہ تکلیفیں دیکر مار ڈالنا انقلاب کے ناپاک جرائم میں سب سے زیادہ سفاکانہ جرم ہے۔

میڈم ادلینڈ

دوسری طرف میڈم ادلینڈ کی شخصیت اس سے بالکل ہی مختلف تھی اس میں جمہوریت کے متعلق اسی قسم کا مبہم و فیاضانہ جوش تھا جو فرقۂ جرانڈ کی عام خصوصیت تھی، چونکہ وہ بالطبع اسی فریق کی طرف مائل تھی اس لئے اسے بھی تختۂ قتل پر چڑھنا پڑا ؀

کارکنان ہول و تخویف میں اختلاف لابدی تھا ؀

لیکن ہول و تخویف کی اس حکمرانی کیلئے ایک حد کا ہونا اور جلد یا بدیر اس کے موئدین میں اختلاف کا پیدا ہو جانا لابدی تھا اور جب یہ اختلاف پیش آیا تو یہ یقینی تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف اسی شدت غضب کا اظہار کریں جسکا اظہار وہ قبل ازیں متفقہ طور پر اُمرا کے خلاف کر چکے تھے۔ چنانچہ ۱۷۹۳ء کے موسم خزاں میں اس ہول و تخویف کے فریق میں اختلافات باہمی کے قطعی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ ان کا سب سے زیادہ انتہا پسند حصہ جسکی قوت کا انحصار اس امر پر تھا کہ وہ پیرس کی حکومت پر قابض اور ایک شخص ہبرٹ نامی کی سرکردگی میں تھا رومن کیتھولک مذہب سے خصوصیت کے ساتھ عناد ظاہر کرنے لگا۔ اس قدیم مذہب کی جگہ لینے کے لئے (جو طبقۂ امرا ہی کے مانند مبغوض تھا) ایک مذہب عقلیت کا اعلان کیا گیا، اور سب سے آخری کارروائی یہ کی گئی کہ اس عجیب و غریب عقیدے کی عاجلانہ فتح کے خیال سے پیروان ہبرٹ نے مجلس بلدیہ سے یہ حکم نافذ کرایا کہ پیرس کے تمام معبد بند کر دیئے جائیں یہ یقینی تھا کہ اس حد سے بڑھی ہوئی انقلابی کارروائی سے سچے اہل مذہب جن کی تعداد ہنوز بہت زیادہ تھی برگشتہ ہو جائیں گے اور چونکہ ہبرٹ نئی حکومت کی مطلق العنانی کی بھی مخالفت کر رہا تھا اس لئے اسے اور اس کے پیروؤں کو جیکوبن کے سامنے ملعون قرار دینے کے لئے راب سپیر نے سب سے پہلے موقع سے فائدہ اٹھایا اور آخر الامر مارچ ۱۷۹۴ء میں مجلس حفاظت عامہ نے ان ملحدوں کے اس تمام گروہ کے قتل کیئے جانے کا حکم دیدیا ؀

پیروان ہبرٹ کا خاتمہ مارچ ۱۷۹۴ء

ہبرٹ کے زوال کے بعد ڈینٹن اور اس کے دوستوں کی باری آئی مگر اس کے اسباب بالکل جداگانہ تھے۔ فرقۂ ڈینٹین کی حکومت کے

قائم کرنے میں ڈینٹن سے زیادہ کسی نے کام نہیں کیا تھا۔ وہ ایک دیوہیکل شخص تھا اور ملکداری کی حقیقی قابلیت بھی اس میں موجود تھی۔ اس نے ایک سے زائد مرتبہ نازک موقعوں پر اپنے قطعی اثر سے کام لیا تھا۔ ۱۷۹۲ء کے موسم گرما میں فرانس کو پرشیا سے خلاصی دلانے اور ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کے لیے سب سے زیادہ اسی کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ موجودہ دور کی مسلسل خونریزی سے وہ متنفر ہو گیا تھا۔ پس اس نے رحم کے لیے اپنی آواز بلند کی، لیکن رابسپیر اور اس کے جوش جنون میں بھرے ہوئے نوجوان متبع سنٹ جسٹ کے نزدیک "رحم" کسی لحاظ سے "غداری" سے کم نہیں تھا

پیروان ڈینٹن کا خاتمہ اپریل ۱۷۹۴ء

اور ڈینٹن کے "اعتدال" کی طرف مائل ہونے سے انھوں نے دفعتہً خوفزدہ ہو کر اسے اور اس کے دوستوں کو (۵ اپریل ۱۷۹۴ء کو) قتلگاہ میں بھیجدیا۔ اس طرح رابسپیر کو اپنے آخری حریف سے بھی نجات مل گئی، پس کوئی تعجب نہیں کہ اب باہر لوگ دبی زبان سے یہ کہنے لگے تھے کہ وہ اس تدبیر میں ہے کہ خود ڈکٹیٹر (آمر مطلق) بن جائے۔

رابسپیر کا غلبہ

چنانچہ ۱۷۹۴ء کے موسم بہار میں رابسپیر اور امارت مطلق کے درمیان صرف ایک ہی شئے حائل رہ گئی تھی اور وہ خود اس کی سیاسی ناقابلیت تھی۔ فرقۂ جیکوبن، پیرس کی مجلس بلدیہ، مجلس عارضی اور مجلس حفاظت عامہ جسطرح اس کے چشم و ابرو کے اشارے پر گردش کر رہی تھیں اس سے صاف عیاں تھا کہ سب کی سب اس کی مٹھی میں ہیں۔ یہ سب سے زیادہ ملعون شخص جس نے اپنے سیاسی خیالات کی طرح اپنا عقیدہ بھی جین جیکس روسو کی تحریرات سے اخذ کیا تھا، اسے ۷ مئی کو اس درجہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اس نے مجلس عارضی سے بزور ایک اعلیٰ فرمان اس مضمون کا نافذ کرا لیا کہ ملحدین جس مذہب "عقلیت" کی حمایت کر رہے تھے وہ برطرف کر دیا جائے اور مجلس نے یہ اعلان کر دیا کہ فرانسیسی قوم ایک "ہستی اعلیٰ" اور روح کے عدم فنا کی قائل ہے، اب ۸ جون کو "ہستی اعلیٰ" کا یہ مضحکہ خیز مذہب بڑے

شاندار رسوم کے ساتھ باقاعدہ قائم کیا گیا جس میں راب سپیر نے خود بذات خاص قیسس اعظم کی خدمت انجام دی۔ دو دن بعد اس نے یہ ظاہر کردیا کہ اپنے نئے روحانی منصب کی تعبیر وہ کس طرح پر کرنا چاہتا ہے کیونکہ ایک باقاعدہ فرمان کے ذریعہ سے

"ہستی اعلیٰ" کے مذہب کا اجرا۔

وہ اس امر میں کامیاب ہوگیا کہ "انقلابی عدالت" کو اس کے آخری قانونانہ ظاہرداری سے معرا کردے۔ درحقیقت یہی وقت تھا جب پیرس میں لوگ ایک ایک ساتھ گروہ درگروہ قتل ہونے لگے۔ عدالت کی تنظیم جدید کے قبل کے پینتالیس دن میں پیرس کے اندر مقتولوں کی تعداد ۵۷۷ تھی اور اس کے بعد کے پینتالیس دن میں یہ تعداد ۱۳۵۶ کی خوفناک حد کو پہنچ گئی۔ حکومت میں کیسا ہی عہدہ حاصل ہو، میدان جنگ میں کیسی ہی خدمت انجام دی ہو مگر کوئی شے بھی گرفتاری وقتل سے مامون نہیں کرسکتی تھی۔ آخر یہ دہشت وتخویف ایک ابر کی طرح خود مجلس عارضی پر محیط ہوگئی اور خوف سے بے بس ہوکر یہ جماعت ایک وقت کے لیئے اس غیر طبعی حالت کے تابع ہوگئی، مگر جب ہمہ وقت موت کا خطرہ سروں پر مسلط رہنے لگا تو یہ امید وبیم کی حالت ناقابل برداشت ہوگئی اور راب سپیر کے تمام مخالف اسے پامال کرنے کے لیئے متحد ہوگئے۔ قوم میں اس کے پیرو بے حد وشمار موجود تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر اسنے کوشش کی ہوتی تو پہلے ہی اپنے دشمنوں کو پامال کردیا ہوتا مگر عملی کارروائی کے بجائے اس نے تقریریں کرنے اور لوگوں کو برا بھلا کہنے کو ترجیح دی۔ ادھر ۹ تھرمیڈور[۱] (۲۷ جولائی) کو اسے اور اس کے پیروؤں کو مجلس نے خارج الذمہ قرار دیدیا اور دوسرے روز یہ سب قتل کردیئے گئے۔

ا؎۔ چونکہ مجلس عارضی کو شاہی دور گزشتہ کی ہر شے سے نفرت تھی اس لیئے وقت کے شمار کا بھی ایک نیا طریقہ نکالا گیا، جمہوریت کی آفرینش حضرت عیسٰی کی ولادت سے زیادہ اہم سمجھی جاتی تھی اس لیئے قیام جمہوریت کا پہلا دن یعنی ۲۲ ستمبر ۱۷۹۲ء ایک نئے سنہ کا آغاز قرار دیا گیا۔ اسکے ساتھ تمام عیسوی تقویم کو اعیانی رنگ میں رنگا ہوا قرار دیا گیا اور اس کے بجائے ایک نئی تقویم

تھرمیڈوریون کی حکومت

(۲۷ر جون ۱۷۹۴؁ء لغایت ۲۶ر اکتوبر ۱۷۹۵؁ء)

رابسپیر کے قتل سے "ہول وتخویف" کے دور کا خاتمہ ہوگیا جس کی وجہ محض یہی نہیں تھی کہ یہ طریقہ اسی کا نکالا ہوا تھا بلکہ زیادہ تر اس وجہ سے کہ ایک برس کے ہولناک مظالم کے بعد یہ طریقہ کلیتہً نامقبول ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تھرمیڈوری جن میں بہتیرے اس ہول وتخویف کے عمل میں لانے میں نہایت سرگرم رہ چکے تھے، ان میں اتنی سیاسی قابلیت موجود تھی کہ وہ مقتضائے وقت کو سمجھ کر اس کے آگے سر جھکا دیں اس لیئے انھوں نے سال گزشتہ کی تمام کارروائیوں کا سارا الزام رابسپیر کے سر ڈال کر خود نہایت بیباکی سے ایسی روش اختیار کی گویا وہ ہمیشہ سے عمدہ حکومت اور امن وامان کے دلدادہ رہے ہیں اہل شہر میں بھی آہستہ آہستہ ہمت آتی گئی اور وہ تھرمیڈوریوں کے گرد جمع ہوتے گئے۔ آخر کار متواتر سخت ضربوں سے ہول وتخویف کے تمام اجزا وعناصر سرزمین فرانس سے محو ہوگئے۔ پیرس کی مجلس بلدیہ غوغائیوں کا خاص قلعہ تھا، اسے منسوخ کر دیا گیا۔ انقلابی عدالت منتشر کر دی گئی مجلس حفاظت عامہ کے فرائض محدود کر دیئے گئے اور اس فتح کو تکمیل کرنے کے لیئے بدنظمی کا قدیم

نرم کارروائیوں کی طرف بازگشت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تجویز کی گئی۔ اس نئی انقلابی تقویم کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ مہینوں کے نئے نام ایجاد کیئے گئے تھے مثلاً نووس (Niuose ماہ برف) پلوویس (Pluniose ماہ بارش) ونٹوس (Ventose ماہ باد) یہ تینوں جاڑے کے موسم کے نام تھے۔ جرمینال (Germinul ماہ شگوفہ)۔ فلوریل (Floreal ماہ گل) پریریل (Prairial ماہ سبزہ) یہ تینوں موسم بہار کے نام تھے۔ اسی طرح کے اور نام بھی تھے انھیں تغیرات میں اس مجلس عارضی نے ایک تغیر ایسا کیا جو مقبول عام ہوگیا یعنی وزن پیمائش کے قدیم پیچیدہ طریقے کے بجائے اس نے میٹر کا طریقہ جاری کر دیا۔

امن یعنی جیکوبن کلب بند کر دیا گیا دوسرے سال یعنی اپنے طویل زمانۂ اقتدار کے آخری برس میں مجلس عارضی نے فرانس پر اہل ملک کی جماعت کثیر کی معتدل رائے کی پوری موافقت کے ساتھ حکومت کی۔

رفتار جنگ کی ترقی

ہول و تخویف کے دور کو اگر زوال ہوگیا تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے کام کو انجام کو پہنچا چکا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کی ان تمام کارروائیوں کا عذر یہ تھا کہ فرانس خطرے کی حالت میں ہے اس کے متعلق اور جو کچھ کہا جائے اتنا ضرور ہے کہ اس نے ایک ہیبتناک اتحاد کی فوجوں کے مقابلے میں فرانس کی حفاظت کی۔ اس حفاظت پر اب ناظرین کو ایک عاجلانہ نظر بھی ڈالنا چاہیئے ۱۷۹۳ء کی مہم میں فرانسیسیوں نے صرف اتنا کیا تھا کہ وہ اپنی جگہ پر قائم ہوگئے تھے مگر ۱۷۹۴ء میں مجلس حفاظت عامہ کے فوجی ماہر خصوصی کارنٹ نے اپنی نمایاں قوت تنظیم کا جو اظہار کیا اور جس خوبی سے اس نے کام کے قابل نوجوانوں کو انتخاب کیا اس سے انقلابی فوج اس قابل ہوگئی کہ وہ جنگ کو اپنے دشمنوں کے ملک کے اندر پہنچا دے۔ اسی سال کے اندر فلیورس میں (۲۶ جون کو) جورڈن کی فتح نے بلجیم کو فرانسیسی فوجوں کے قدموں کے نیچے ڈال دیا اور تھوڑے ہی زمانے بعد پشگرو نے ہالینڈ پر قبضہ کر لیا۔ مملکت آسٹریا کا جزو ہونے کی وجہ سے بلجیم تو بہت جلد فرانس سے ملحق کر لیا گیا مگر ہالینڈ کی حکومت میں صرف تھوڑا سا تغیر و تبدل کر کے اسے فرانس کے نمونے پر جمہوریہ بیٹویا بنا دیا گیا اور فی الحال (۱۷۹۵ء میں) اس کی آزادی مسلم قرار دیدی گئی۔ ان حیرت انگیز فتوحات نے اتحاد کے شکست کے لئے راستہ صاف کر دیا

پرشیا و اسپین سے صلح

اور چونکہ تھرمیڈوری بجائے خود جنگ کے جاری رکھنے کے خواہاں نہیں تھے اس لئے جب انھیں پرشیا و اسپین کی حکومتوں کے ایسے میلان کی اطلاع ملی تو انھوں نے ان حکومتوں سے مراسلت شروع کر دی اور ۱۷۹۵ء کے موسم بہار میں بمقام بیسل باہم گر صلح ہوگئی۔ ان عہد ناموں کے ساتھ ہی ساتھ ٹسکینی و ہیسی کیسل سے بھی معاہدات ہوجانے کی وجہ سے فرانس کی حالت بہت سلجھ گئی۔ بڑی طاقتوں میں سے اب صرف آسٹریا

وانگلستان فرانس کے خلاف میدان جنگ میں باقی رہ گئے تھے۔

مجلس عارضی نے اپنے نظام حکومت کو مکمل کر لیا

اسی اثناء میں مجلس عارضی نے اس کام پر بھی توجہ کی جس کے لیئے اس کا اجتماع ہوا اور جس کی طرف سے اس نے مدت سے غفلت اختیار کر رکھی تھی۔ یعنی ۱۷۹۵ء کے دوران میں اس نے ۱۲ جرمینال (یکم اپریل) اور یکم پریریل (۲۰ مئی) کی شورشوں کو جنھیں جیکوبن نے بھڑکایا تھا فرو کیا اور جمہوریہ فرانس کے لیئے ایک نئے نظام سلطنت کی تکمیل کر دی یہ نظام سلطنت اشاعت کے لیئے بالکل تیار تھا کہ اکتوبر میں مجلس عارضی کو دوسرے خلاف قانون عنصر کے حملے سے سابقہ پڑا جو ۱۳ وِنڈیمیر (۵ اکتوبر) کی

بونا پارٹ مجلس عارضی کی حفاظت کرتا ہے۔ اکتوبر ۱۷۹۵ء

شورش کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اب مجلس میں بہ نسبت سابق کے زیادہ ہمت آگئی تھی اور اس نے اپنی مدافعت کا عزم کر لیا۔ اس نے مدافعت کے کام کو ایک مختصر سی جماعت کے ذمہ کر دیا جس نے اپنی جگہ پر اس فرض کو ایک نوجوان افسر نپولین بونا پارٹ کو جو اتفاقاً پیرس میں موجود تھا، سپرد کر دیا۔ یہ نوجوان اس سے قبل ہی طولون میں اپنی قابلیت کا نمایاں طور پر اظہار کر چکا تھا اور اپنی قابلیت کے مزید اظہار کا اس سے بہتر موقع اسے نہیں مل سکتا تھا چنانچہ جب ۵ اکتوبر کو عوام الناس مجلس عارضی کی طرف بڑھے تو نوجوان بونا پارٹ نے اس زور کی باڑھ سے ان کا استقبال کیا کہ وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں سے سینکڑوں فرش صحن پر مر کر رہ گئے پیرس کے عوام الناس کے ساتھ معاملہ کرنے کا یہ ایک نیا طریقہ تھا اور اس کا اثر بھی قطعی ہوا۔ اب اس عزم کے مقابلے میں عوام کو تحکم کا وہ مزہ بھول گیا جس کا لطف وہ چھ برس سے اٹھا رہے تھے۔ اور اس طرح بونا پارٹ اور اس کے سپاہیوں کے اس منظر عام پر آنے سے ایک نئے دور امن کا آغاز ہو گیا۔

سال سوم کا نظام سلطنت

مجلس عارضی اپنے بقیہ کام کو بغیر خوف و خطر کے انجام نہیں دے سکتی تھی اس نے ۲۶ اکتوبر کو خود اپنے کو برطرف کر دیا، اور نیا نظام سلطنت فوراً ہی عمل میں آگیا۔ یہ نظام سلطنت، سال سوم کے

نظام سلطنت کے نام سے موسوم ہے، کیونکہ جمہوری تقویم کے اسی سال میں اسکی تکمیل ہوئی تھی۔ اس نے پانچ ارکان کی ایک عاملانہ حکومت قائم کی جو ڈائرکٹری (نظامت) کہلاتی تھی اور وضع قوانین کا کام دو ایوانوں کے سپرد کیا۔ جسے علی الترتیب "مجلس پنج صد"، اور "مجلس قدما" کہتے تھے۔ ۱۷۹۱ء کے نظام سلطنت کے مقابلے میں جس میں صرف ایک ہی ایوان رکھا گیا تھا اور وہ ناکام ہوچکا تھا، یہ ایک نمایاں فرق تھا۔

نظامت

۱۷۹۵-۱۷۹۹ء

نظامت نے آسٹریا کے خلاف ایک مہم کی تجویز قرار دی۔

نظامت کی تمنا یہ تھی کہ وہ فرانس کے بقیہ دشمنوں یعنی انگلستان آسٹریا اور سارڈینیا کے خلاف کوئی شاندار فتح حاصل کرکے اپنے برسر اقتدار آنے کو نمایاں کرے۔ کسی بیڑے کے نہ ہونے کی وجہ سے انگلستان پر حملہ کرنا تو خارج از بحث تھا۔ البتہ آسٹریا پر حملہ ہوسکتا تھا اور نظامت نے یہی عزم کرلیا کہ فرانس کی متحدہ فوج سے آسٹریا پر ضرب لگائے۔ پس اس مقصد کے موافق وہ "فتح کے منتظم"، "کارنٹ نے جو خود بھی ایک ڈائرکٹر (ناظم) تھا ایک ایسی تجویز تیار کی جس سے اہل آسٹریا پر ایک ساتھ جرمنی و اطالیہ میں حملہ ہوجائے۔ دو اعلیٰ درجہ کی فوجیں جورڈن و مورو کے تحت میں جرمنی کے کام پر متعین ہوئیں جس کا معاملہ بہت زیادہ اہم سمجھا گیا تھا دوسری طرف اطالوی مہم جو محض خیال بٹانے کے لئے اختیار کی گئی تھی بیس ہزار آدمیوں کی بے سروسامان سی فوج کے سپرد ہوئی جسے مجلس عارضی کے محافظت کرنے والے جنرل بوناپارٹ کے تحت میں دیا گیا۔ مگر اپنی قابلیت کے زور سے بوناپارٹ نے نظامت کے قائم کردہ اندازوں کو بالکل الٹ دیا اور آخر میں اپنی مہم کو اہمیت کے اس درجہ پر پہنچا دیا کہ جنگ کا فیصلہ جورڈن و مورو پر نہیں بلکہ بوناپارٹ پر منحصر ہوگیا۔

بوناپارٹ اطالیہ میں

بوناپارٹ کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی فوج سے اہل پیڈمانٹ و آسٹریا کی فوج کو جس کی تعداد اس سے دوچند تھی شکست دیدے۔ چونکہ دشمن کی فوجیں مجموعی طور پر اس سے فائق تھیں اسلیئے اس نے بالطبع یہ عزم کیا کہ اہل پیڈمانٹ و اہل آسٹریا سے علحدہ علحدہ مقابلہ کرے۔ اس تجویز کا انحصار عجلت و تیزی پر تھا اور اب یہ امر عیاں ہو جانے والا تھا کہ بوناپارٹ کی بہت بڑی فوجی قابلیت یہی تھی کہ وہ عجلت سے کام لے سکتا تھا۔ برف ابھی پہاڑیوں پر سے پگھلی بھی نہیں تھی کہ وہ غیر متوقع طور پر ٹیورن کے دروازوں پر جا پہنچا اور شاہ سارڈینیا سے بزور صلح حاصل کی جس کے بموجب فرانس کے اس پرانے دشمن کو (مئی ۱۷۹۶ء میں) سیوائے و نائس، فرانس کے حوالے کر دینا پڑے۔ ادہر سے فارغ ہو کر بوناپارٹ آسٹریوں کی طرف متوجہ ہوا اور ابھی مئی کا مہینہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ لمبارڈی سے انھیں نکال دیا۔ پوپ اور دوسرے چھوٹے حکمرانوں نے خوفزدہ ہو کر قطعات ملک کے حوالہ کرنے اور فنون لطیفہ کے سامانوں کی نذریں پیش کر کر کے بعجلت تمام صلح حاصل کرنے کی فکریں کیں۔ اہل آسٹریا نے اپنے ازدست رفتہ موقع کو حاصل کرنے کے لیئے بارہا کوششیں کیں مگر ارکولا (نومبر ۱۷۹۶ء) اور ریوولی (جنوری ۱۷۹۷ء) میں بوناپارٹ نے اپنی حیرت انگیز چستی و چالاکی سے ان فوجوں کو جو اس کے خلاف بھیجی گئی تھیں بہت ہی نمایاں شکستیں دیدیں اور پھر اپنے شرائط منوانے کے لیئے کوہستان آلپس کو قطع کرتا ہوا خود وائنا کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔

صلح کیمپو فارمیو ۱۷۹۷ء

بوناپارٹ کی اس ناگہانی تاخت نے شہنشاہ فرانسس دوم کو صلح کے لیئے درخواست کرنے پر مجبور کر دیا اور باہمی نامہ و پیام کا نتیجہ (اکتوبر ۱۷۹۷ء میں) صلح کیمپو فارمیو کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدے کے بموجب آسٹریا نے اپنے بلجیمی صوبے فرانس کو دیدیئے، اطالیہ میں فرانس کے سیاسی انتظامات اور جزائر آیونین کے فرانسیسی قبضے کو تسلیم کر لیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے اثر سے کام لیکر "شہنشاہی" کو اس امر پر آمادہ کر دیگا کہ رائن کو بطور سرحد کے تسلیم کر لیا جائے۔ اس مراعات کے عوض میں

شہنشاہ کو فرانس کی طرف سے جمہوریہ وینس اور آسٹریا و الیبٹا کے وینسی مقبوضات اور اڈج تک کا ملک دیدیا گیا۔

بوناپارٹ نے اطالیہ میں دو جمہوریتیں قائم کیں۔

اطالیہ کے جن فرانسیسی انتظامات سیاسیہ کو آسٹریا نے صلحنامہ کیمپو فارمیو میں تسلیم کیا تھا وہ بوناپارٹ کا ذاتی کام تھا اور اس نے اپنی فتوحات جنگ سے یہ سلطنتیں قائم کی تھیں۔ ان میں سے ایک سس آلپائن (جنوب آلپس) کی جمہوریہ تھی جو کل وینش آسٹریا کے سابق صوبۂ لمبارڈی پر محتوی تھی۔ دوسری لگیوریا کی جمہوریہ تھی جو جنیوا کی قدیم جمہوریہ سے مرتب ہوئی تھی یہ دونوں جمہوریتیں فرانس کی جمہوریت کے نمونے پہ قائم کی گئی تھیں اور ہر طرح پر اسی کی دست نگر تھیں۔

بوناپارٹ فرانس کا بطل اعظم ہو گیا۔

بوناپارٹ جب فرانس کو واپس آیا تو اس کا خیر مقدم قومی ہیرو (بطل اعظم) کی حیثیت سے کیا گیا کیونکہ اسی کے ذریعہ سے فرانس کو وہ امن حاصل ہوا جس کی وہ مدت سے آرزو کر رہا تھا۔ نہ صرف امن بلکہ فرانس و برّ اعظم میں صلح آمیز تعلقات قائم کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بوناپارٹ نے ایسے مفید مطلب شرائط بھی حاصل کر لئے جن کا خواب فرانس کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ پس یہ ایک طبعی امر تھا کہ جس شخص نے ایک ہی مہم میں اپنے آپ کو اپنے ملک میں اس درجہ ممتاز کر دیا ہو وہ اس وقت سے تمام معاملات کا مرکز بن جائے۔

بوناپارٹ کی زندگی

تیس برس کی عمر تک پہنچنے کے قبل ہی قبل بوناپارٹ کا فرانس میں یہ اعلیٰ منزلت حاصل کر لینا ایک ایسا واقعہ تھا کہ اس کی نوعمری کے احباب اس کا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جزیرۂ کارسیکا میں ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا تھا۔ یہ وہی وقت تھا جب یہ اطالوی جزیرہ جنیوا کی چھوٹی سی سلطنت سے فرانس کے قبضے میں آیا تھا اور یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ نپولین کی پیدائش کے وقت فرانس یہاں پر اپنی حکومت کے جمانے میں مشغول تھا اور اہل کارسیکا اس جبیرہ دستی کی مخالفت کر رہے تھے، اگرچہ وہ آخر میں مطیع ہو گئے۔ فرانسیسیوں اور کارسیکا والوں

کی اس کشمکش کا ایک عجیب نتیجہ یہ بھی ہوا کہ نپولین کے دل میں بچپن ہی سے فرانسیسیوں کی طرف سے ایسی نفرت جاگزیں ہو گئی کہ اوائل شباب کے تمام زمانہ بھر وہ ان سے سخت متنفر رہا، اور اس فاتح قوم کی طرف سے اس کا دل بہت ہی آہستہ آہستہ صاف ہوا جس کا باعث زیادہ تر فرانس کا انقلاب تھا، فرانسیسی انقلاب نے قابلیت کی بنا پر ترقی کرنے کا ایک راستہ کھول دیا اور اس طرح نپولین کو جس نے فوجی زندگی اختیار کر لی تھی نہایت جلد جلد مدارج ترقی طے کرنے اور اپنی پرجوش بلند حوصلگی کے خواب کی تعبیر حاصل کرنیکا موقع ملگیا۔ اولاً محاصرۂ ٹولون میں اور اس کے بعد پیرس میں اس نے خاص امتیاز حاصل کیا۔ اب صلح کیمپو فارمیو نے اسے تمام حریفوں سے قطعاً سربلند کر دیا۔

صرف انگلستان میدان جنگ میں رہ گیا۔

تمام برّاعظم کے ساتھ فرانس کی صلح ہو جانا ایک ایسا امر تھا جس پر نظامت خود کو مبارکباد دینے کی مستحق تھی۔ ایک انگلستان کے سوا فرانس کے اور تمام دشمنوں کو اس نے پست کر دیا تھا مگر انگلستان کے تیور سے اب بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس جمہوریت کے سامنے سر جھکا دیگا۔

انگلستان پر یہ مصر میں حملہ کیا گیا ۱۷۹۸ء

اس لئے ۱۷۹۸ء میں نظامت نے جب ستمبر ۱۷۹۷ء کے ("فرکٹیڈر") والے ضرب کاری سے اپنی حیثیت کو مضبوط کر لیا، تو ۱۷۹۸ء میں اس نے انگلستان کو مغلوب کرنے کے لئے ایک مستحکم حملے کی تیاری کی۔ بیڑے کے نہ ہونے کی وجہ سے اس جزائری سلطنت پر حملہ کرنا خارج از بحث تھا، اس لئے یہ ارادہ کیا گیا کہ اس کے مقبوضات کو خطرے میں ڈال کر اس پر بالواسطہ ضرب لگائی جائے۔ پس کامل رازداری کے ساتھ ٹولون میں ایک مہم کی تیاری ہوئی اور اس کی کمان بوناپارٹ کو سپرد کی گئی۔ انگریزی امیرالبحر نلسن ضرور تاک میں لگا ہوا تھا مگر نپولین اس کی نظر سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، اور مئی ۱۷۹۸ء میں مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مصر اس وقت ٹرکی کا ایک صوبہ تھا، اور ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہی مشرق کی کنجی ہے اور بوناپارٹ اگر دریائے نیل پر مستحکم طور سے جم جاتا تو ہندوستان

و مشرق کے ساتھ انگلستان کے تعلقات کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نلسن کو جیسے ہی بوناپارٹ کی نقل و حرکت کی خبر لگی وہ اس کے تعاقب میں لگ گیا اور اگرچہ وہ اس قدر دیر سے پہنچا کہ فرانسیسیوں کو اسکندریہ کے قریب اترنے سے روک نہ سکا لیکن یکم اگست کو خلیج ابوقیر میں فرانسیسی بیڑے پر حملہ کرکے اور اسے تباہ کرکے اس مہم کو ایسا ہی کامل طور پر غارت کردیا جیسا اسے پہلے سے روک لینے کی صورت میں ہوتا۔ اب بوناپارٹ کے لیئے یہ ممکن تھا کہ وہ مصر اور تمام افریقہ کو فتح کرتا چلا جائے مگر یورپ سے وہ منقطع ہوگیا تھا اور یہ انقطاع بمنزلہ اس کے تھا کہ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ قید ہوگیا۔

جنگ خلیج ابوقیر

مصری مہم کی ناکامی

پس اس طرح مصر کی مہم ابھی اچھی طرح شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ برباد ہوگئی۔ نپولین اصلی حالت کی طرف سے اپنے سپاہیوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال سکتا تھا مگر وہ خود اندھا نہیں بن سکتا تھا۔ بیڑے کی تباہی کی تلافی کرنے کے لیئے جو کچھ اس سے ہوسکتا تھا اس نے کیا اور جنگ اہرام (۱۷۹۸ء) میں مصر کے مملوکیوں پر شاندار فتح حاصل کرکے وادی نیل کا مالک بن گیا۔ دوسرے سال اس نے شام کی طرف کوچ کیا اور فرانس سے سلسلۂ آمد و رفت قائم رکھنے کے لیئے بندرگاہ عکہ کا محاصرہ کرلیا، مگر یہ حملہ مسترد کردیا گیا اور وبا نے اس کے بہادر سپاہیوں کو بہت گھٹا دیا۔ پس یہاں سے دل برداشتہ ہوکر نپولین، مصر کو پلٹ گیا اور جب وہ اپنی قسمت کے تغیر سے ناامید ہوگیا تو دفعتہً اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ فوج کو وہیں چھوڑکر خود یورپ کو چلا جائے۔ چنانچہ ۲۲ اگست ۱۷۹۹ء کو وہ کسی نہ کسی ترکیب سے انگریزی محاصرے سے نکل گیا اور ۹ اکتوبر کو اپنے چند رفیقوں کے ساتھ فریجس میں جا اترا۔ جس فوج کو وہ چھوڑ گیا تھا وہ اگرچہ ناقابل تلافی طور پر ہاتھ سے جاتی رہی[1] مگر فرانس میں فاتح اطالیہ کا جس جوش کے ساتھ خیر مقدم

[1] ایک برس بعد اس فوج نے خود کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔

ہوا اس کے سامنے یہ واقعہ بھلا دیا گیا۔

اتحاد ثانی ۱۷۹۹ء

فرانس کا یہ پر جوش استقبال جس نے بوناپارٹ کے سفر پیرس کو ایک فاتح کا جلوس بنا دیا تھا، اس کی وجہ ایک حد تک وہ غیر متوقع نقصانات بھی تھے جو اس نوجوان سپہ سالار کی عدم موجودگی میں نظامت کو دوسرے مواقع پر برداشت کرنا پڑے تھے۔ جیسے ہی یہ خبر ملی کہ بوناپارٹ مصر میں بند ہو گیا ہے ویسے ہی یورپ نے فرانس کے غلبے سے آزاد ہو جانے کی امید میں اس جنگجو جمہوریہ کے خلاف ایک دوسرا اتحاد قائم کر لیا۔ انگلستان کی رقمی مدد سے آسٹریا و روس نے از سر نو کی جنگ کو پھر جاری کر دیا اور ۱۷۹۹ء ان متواتر فتوحات کے لیے ممتاز ہے جنھوں نے فرانس کو اطالیہ و جرمنی سے صاف نکال دیا۔

نپولین، نجات دہندہ

پس کوئی تعجب نہیں کہ قوم کی امیدیں اس ایک نوجوان سرگروہ کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھیں۔ کون دوسرا فرانسیسی سپہ سالار تھا جس نے بوناپارٹ کی سی قابلیت کا اظہار کیا ہو، یا خود اپنے یا فرانس کے لیے ایسی شاندار کامیابیاں حاصل کی ہوں۔ علاوہ ازیں پانچ ناظموں کی حکومت عاملانہ آپس میں ظاہری اتفاق تک کو بھی قائم نہ رکھ سکی تھی اور معاملات اس کے قبضۂ اقتدار سے نکلنے لگے تھے۔ بدنظمی اس قدر علانیہ طور پر پھیل گئی تھی کہ طرفداران شاہی اپنے خفیہ مقامات سے نکل پڑے تھے اور جائز بادشاہ کی واپسی کے لیے علانیہ مراسلت کرنے لگے تھے۔ بالغرض اکتوبر ۱۷۹۹ء میں فرانس میں ایسی ابتری پھیلی ہوئی تھی کہ ہر شخص بلا تامل بوناپارٹ کی طرف اس طرح لپکا جیسے کوئی اپنے نجات دہندہ کی طرف دوڑے۔

بوناپارٹ نے نظامت کو الٹ دیا ۱۷۹۹ء

رائے عامہ کی اس حالت سے آگاہ ہوتے ہی نپولین نے یہ عزم کر لیا کہ حکومت کو پلٹ دے۔ اسے جو کچھ مخالفت بھی پیش آئی وہ مجلس پنج صد کی طرف سے پیش آئی اور اس جماعت کو فوجی قوت سے مغلوب کر دیا گیا۔ نپولین ۱۸ برومیر (۹ نومبر ۱۷۹۹ء) کی ضرب کاری کو جس آسانی کے ساتھ عمل میں لایا اس سے یہ ثابت ہو گیا

کہ سال سوم کا نظام سلطنت قبل اس کے کہ اسے قصداً برباد کیا جائے از خود مردہ ہوچکا تھا۔

حکومت قنصلی

(۱۷۹۹ - ۱۸۰۴)

بوناپارٹ، فرانس میں ایک نیا نظام حکومت قائم کرتا ہے

بوناپارٹ اب آزاد تھا کہ کوئی ایسا نیا نظام حکومت قائم کرے جس میں یہ یقین ہو کہ خاص اہمیت کی کوئی جگہ اسے ابھی مل جائے گی۔ اس نے بہت صحیح طور پر یہ رائے قائم کی کہ فرانس کو جس شے کی ضرورت و خواہش ہے وہ ایک مضبوط عاملانہ حکومت ہے کیونکہ دس برس کی بے لگام آزادی نے قوم کو پھر مطلق العنانی کی تجدید کیلئے تیار کر دیا تھا۔ بوناپارٹ نے اس معاملے میں اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اور اس کا نتیجہ قنصلی نظام سلطنت کی صورت میں نکلا۔ یہ طریق حکومت قابل فاضل سئیس کا مجوزہ تھا جس میں حکومت کا کام عملی طور پر ایک عہدہ دار کے ہاتھ میں مجتمع ہوگیا تھا جو قنصل اول کہلاتا تھا تاہم حکومت عامہ کی ظاہر داریاں قائم رکھی گئی تھیں۔ وضع قوانین کے فرائض دو جماعتوں کو سپرد ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مجلس نمائندہ عوام (Tribunate) تھی اور دوسری مجلس نافذ قوانین (Legislative.) لیکن چونکہ اول الذکر کو مسودات پر صرف بحث کرنے کا اختیار تھا رائے دینے کا اختیار نہیں تھا اور ثانی الذکر کو صرف رائے دینے کا اختیار تھا بحث کی اجازت نہ تھی لامحالہ ان کی قوت اس طرح سے منقسم ہوگئی تھی کہ ان کا تمام اثر زائل ہوگیا تھا۔ پس اب بغیر کسی دوسری ضرب کے قنصل بوناپارٹ جب موقع دیکھتا محض اپنے لقب کے بدل دینے سے شہنشاہ نپولین بن سکتا تھا۔

نپولین کا دوبارہ اطالیہ میں جانا۔

لیکن سردست زیادہ اہم ضرورتیں درپیش تھیں کیونکہ فرانس

اتحاد ثانی سے برسر جنگ تھا، اور اس لیئے میدان جنگ میں کام کی ضرورت تھی مہم کے شروع ہونے کے قبل ہی روس کی بر محل علیحدگی سے فرانس کے دشمن پھر وہی انگلستان و آسٹریا رہ گئے تھے۔ اس لیئے اب کے بھی ۱۷۹۶ء کی سی حالت پیدا ہو گئی اور قنصل اوّل نے اس کے مقابلے کے لیئے بھی اسی قسم کی کارروائی کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنی تمامتر توجہ آسٹریا کی طرف مرکوز کردی۔ موروؔ کو جرمنی میں روانہ کیا اور خود دشمن سابق آسٹریا کے مقابلے کے لیئے اطالیہ میں گیا۔ وہ اوائل موسم بہار میں کوہ سینٹ برنرڈ کی بلندی پر سے گزر گیا جو بالکل ایک افسانہ کا سا واقعہ معلوم ہوتا ہے اور اس طرح اسے یہ موقع مل گیا کہ آسٹریا کے بازگشت کے راستے میں حائل ہو کر اس پر ضرب لگا سکے اور دشمن کو مجبور کر دے کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھیر جائے۔ چنانچہ ۱۴ جون ۱۸۰۰ء کی جنگ مرنگو میں اس نے اہل آسٹریا کو بالکل پامال کر دیا اور ایک ہی وار میں تمام اطالیہ کو واپس لیلیا۔ فرانسس دوم کو دوبارہ فرانسیسی قوم کے ناقابل تسخیر ہونے کو تسلیم کرنا پڑا۔ صلح لیونوائل (۱۸۰۱ء) میں کیمپو فارمیو کی تمام حوالگیوں کی ازسرنو تصدیق کی گئی اور چونکہ شہنشاہی بھی صلح لیونوائل میں ایک فریق تھی اس لیئے اب کے مرتبہ رائن کے بائیں کنارے کے حوالے کرنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہی۔ صلح لیونوائل کی اہمیت کا باعث یہی سرحد رائن کی خصوصیت ہے۔ مزید براں چونکہ صلح نے پھر اطالیہ کو بوناپارٹ کے ہاتھ میں دیدیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے اس سے سلوک کرے۔ پس اس نے فرانس کے زیر اثر سس الپائن اور لگوریا کی جمہوریتیں پھر قائم کر دیں۔

صلح لیونوائل ۱۸۰۱ء سرحد رائن

۱۷۹۸ء کی طرح اب پھر اس اتحاد کا جو رکن اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تھا وہ انگلستان تھا۔ اس عظیم الشان بحری سلطنت کو زیر کرنے کی تدبیر کیا تھی۔ بوناپارٹ کی بحری قوت اس کام کے لیئے ہمیشہ ناکافی رہی اور اسے دوبارہ مصر کا سا تجربہ کرنے کی خواہش نہیں تھی۔ چونکہ اس معاملے میں کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا تھا اس لیئے اس نے

صلح امئینز ۱۸۰۲ء

لندن کی وزارت سے مراسلت شروع کی اور مارچ ۱۸۰۲ء میں ایک دوسرے کے مفتوحہ علاقجات کی واپسی کی شرط پر انگلستان سے صلح کرلی گئی

فرانس کی ساری دنیا سے صلح ہوگئی

اب دس برس کی جنگ آزمائی کے بعد فرانس کی تمام دنیا سے صلح ہوگئی تھی۔ یہ موقع نہایت امید افزا تھا مگر دیکھنا یہ تھا کہ آیا وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اپنی اندرونی طاقت کو مجتمع کرتا اور بیرون ملک میں اپنا اعتماد قائم کرتا ہے یا نہیں جس سے ۱۸۰۲ء ایک نئے دور ترقی کا آغاز سمجھا جانے لگے؛

بوناپارٹ فرانس کے نظم ونسق کو ازسرنو درست کرنے کا تہیہ کرتا ہے۔

درحقیقت امن وامان کے کاموں کے انجام دینے میں بھی بوناپارٹ کی جفاکشی و مستعدی میں کسی قسم کی کمی نہیں ظاہر ہوئی۔ حالانکہ ملک میں جیسی ابتری برپا تھی اس کو دیکھتے ہوئے بہت قوی شخص بھی ہمت ہار دیتا۔ درحقیقت یہ کہنا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ گزشتہ دس برس میں جیسی عام تباہی برپا رہی تھی اس نے بوناپارٹ کی حکومت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے وقت تک حکومت کے کسی ایک اصول یا ایک تنظیم کو بھی بحال خود باقی نہیں چھوڑا تھا۔ پس معاہدات لیونوائل و اینئز کے بعد کے زمانۂ امن میں جو کچھ قنصل اول کے پیش نظر تھا وہ کسی طرح اس سے کم نہ تھا کہ تمام فرانس کے نظم ونسق کو ازسرنو قائم کیا جائے لیکن بوناپارٹ نے اس تنظیم جدید کے کام کو استقلال کے ساتھ ہاتھ میں لیا، اور ابتک اس کے بہت سے کام باقی ہیں جن سے اس کے سزاوار شہرت ہونے کا بہترین ثبوت ملتا ہے؛

مرکزی انتظام

سب سے پہلے بوناپارٹ کے انتظامی طریق پر بحث کرنا ہے گزشتہ دس برس کے اندر فرانس کا اندرونی انتظام بالکل تباہ و ابتر ہوگیا تھا۔ صوبوں کی بدانتظامی کے درست کرنے کے لئے نپولین نے ایک طریقہ پریفکٹ (صوبہ دار) اور سب پریفکٹ (نائب صوبہ دار) کا نکالا جنھیں وہ خود براہ راست مقرر کرتا تھا اور جو صوبوں میں اس طرح حکومت کرتے تھے کہ گویا وہ صوبوں میں چھوٹے درجے کے قنصل اول

تھے۔ درحقیقت اس سے یہ ترشح ہوتا تھا کہ "انقلاب" نے حکومت خوداختیاری کے جن طریقوں کو ترقی دی تھی وہ ترک کر دیئے گئے مگر اس کے ساتھ ہی اس سے امن وانتظام کا قائم کرنا بھی مدنظر تھا اور اس وقت تمام قوم اسی کی خواہاں تھی۔

کلیسا کے ساتھ مصالحت سنہ ۱۸۰۱ء

نپولین نے دوسرا کام یہ کیا کہ فرانس میں مذہب وکلیسا کو دوبارہ قائم کر دیا۔ "انقلاب" رومانی کلیسا کی برابر مخالفت کرتا رہا تھا، اس نے کلیسا کی جائدادیں ضبط کر لی تھیں اور یہ کوشش کی تھی کہ اس کے پادریوں کو سلطنت کا عہدہ دار بنادے۔ نپولین یہ جانتا تھا کہ کلیسا کو اس کی سابقہ حالت پر پلٹا دینے سے قوم اس کی شکر گزار ہوگی، اس لیے اقتدار اعلیٰ پر فائز ہوتے ہی اس نے پوپ سے مراسلت شروع کر دی جس کا انجام سنہ ۱۸۰۱ء میں ایک صلح پر ہوا جسے سنہ ۱۸۰۱ء کی کانکارڈیٹ (Concordat) کہتے ہیں۔ اس کانکارڈیٹ کی شرائط کے بموجب ایک طرف کلیسا ضبط شدہ جائدادوں کے دعاوی سے دست بردار ہو گیا اور دوسری طرف اس کے معاوضے میں سلطنت نے قیسوں اور اسقفوں کے وظائف کی ذمہ داری وسیع پیمانے پر اپنے ذمے لی۔ علاوہ ازیں حکومت نے اساقفہ کی نامزدگی بھی اپنے لیے مخصوص رکھی۔ پس اس طرح کلیسا دوبارہ قائم ہو گیا، مگر اس کا مدار کار بہت کچھ سلطنت پر ہو گیا۔

عدل وانصاف کا دوبارہ قائم ہونا۔ ضابطۂ نپولینی

لیکن بوناپارٹ کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ اس نے اپنے ضابطۂ نپولینی کے ذریعے سے فرانسیسی عدالتوں اور فرانسیسی قوانین کو دوبارہ مرتب ومنتظم کر دیا۔ دور انقلاب کے قبل فرانس میں عدالتی حدود واختیارات کی ابتری ناقابل بیان ہے۔ ضابطۂ نپولینی کی رو سے تمام فرانس میں قانون کی ایک عام کتاب اور انصاف کا ایک عام طریقہ رائج کیا گیا جس کی وجہ سے مقدمات کا تصفیہ کم خرچ میں

سلہ۔ یہ لفظ اس قرارداد باہمی کے لیے مخصوص ہے جو پوپ اور کسی دنیاوی سلطنت کے درمیان ہو۔

عجلت و اطمینان کے ساتھ ہونے لگا۔ شہنشاہ جسٹینین کے تحت میں رومی قوانین کا جو بلند پایہ ضابطہ مرتب ہوا تھا اس کے بعد سے پھر کبھی ایسی مکمل سعی و محنت ظہور میں نہیں آئی تھی۔

مذکورۂ بالا کاموں سے امن و امان کی جس روش کا آغاز ہوا تھا اگر نپولین صدق دل سے اس طرف متوجہ رہتا تو بہ اغلب وجوہ وہ انقلاب کے نتائج کو منضبط و مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر اس میں کام کرنے کی بے اندازہ خواہش اور نام و نمود حاصل کرنے کی تمنا جس درجہ بڑھی ہوئی تھی وہ امن کے کاموں اور ایک ملکی حاکم کے فرائض کی انجام دہی سے زیادہ دنوں تک قانع نہیں رہ سکتی تھی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کے دل میں یہ ارمان پیدا ہو گیا کہ وہ سکندر کا ایسا جلیل القدر فاتح اور آگسٹس کا ایسا بلند مرتبہ شہنشاہ بن جائے۔

نپولین نے تاج شہنشاہی زیب سر کیا ۲ دسمبر ۱۸۰۴ء

۱۸۰۲ء میں اس نے خود کو زندگی بھر کے لیے قنصل منتخب کرا لیا تھا۔ اس کارروائی سے اس کا قدم اورنگ شاہی کے قریب پہنچ گیا اور مئی ۱۸۰۴ء میں اس نے جمہوریت نوازی کا آخری پردہ بھی اٹھا دیا اور اپنے کو فرانسیسیوں کا شہنشاہ مشتہر کر دیا۔ آخر الامر اس سال دسمبر میں پیرس کے کلیسائے ناٹرڈیم میں وہ مع اپنی بیوی جوزیفائن کے ایسے رسومات کے ساتھ زیب دہ تخت شہنشاہی ہوا کہ ورسیلز کی شان و شوکت دلوں میں تازہ ہو گئی۔

شہنشاہی

۱۸۰۴ - ۱۸۱۵

فرانس کا جمہوریت سے شاہی کی صورت میں بدل جانا بالطبع اس امر کا موجب ہوا کہ جن ماتحت جمہوریتوں کو اس نے اپنے گرد قائم کر رکھا تھا ان میں بھی تغیر ہو جائے۔ ان کی یہ نام نہاد آزادی فرانس کا عطیہ تھی اور جب فرانس نے

خود اپنی آزادی کو خیر باد کہدیا تھا تو باستدلال منطقی ان کی آزادی کا بھی خاتمہ تھا۔ نپولین کے ایک اشارے سے جمہوریہ بٹیویا نے خود کو ہالینڈ کی شاہی میں تبدیل کر دیا اور نپولین کے بھائی لوئس بوناپارٹ کو بہت تشکر و امتنان کے ساتھ اپنا بادشاہ بنا لیا۔ علیٰ ہذا سس الپائن کی جمہوریہ شاہی اطالیہ

نپولین کا شاہ اطالیہ ہوجانا مئی ۱۸۰۵ء

بنگئی اور اطالیہ میں نپولین نے حکومت کے کام کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور مئی ۱۸۰۵ء میں بمقام ملان باضابطہ اس کی تاج پوشی عمل میں آئی۔

انگلستان سے تجدید جنگ۔

یورپ کی حکومتوں نے اول اول جس جوش کے ساتھ نپولین کا خیر مقدم کیا تھا وہ ان اہم تغیرات کے قبل ہی زائل ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ نپولین ایک ایسا فاتح ہونا چاہتا ہے جو فتح سے کبھی سیر نہ ہو سکے اور جو ان سب کے نگل جانے کے لئے موقع کا منتظر ہے۔ نپولین اور انگلستان کے درمیان جو مراسلت جاری تھی اس کا انجام ۱۸۰۳ء ہی میں تجدید جنگ کی صورت میں نمایاں ہو چکا تھا نپولین نے اب بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر بولون میں بحری ساز و سامان تیار کیا اور کم از کم ایک برس تک انگلستان اس خیال سے پریشان رہا کہ دفعتہً اس پر حملہ نہ ہو جائے لیکن کسی موزوں بیڑے کے نہ ہونے کی وجہ سے نپولین کی تجویز اول ہی سے محض مذاق بن گئی تھی اور ۱۸۰۵ء کے موسم گرما میں اس نے بالکلیہ اسے ترک کر دیا۔

اتحاد ثالث

نپولین نے اس تجویز کو اس وجہ سے ترک کیا کہ اس کا بیڑہ سمندر پر حاوی ہونے کے ناقابل ثابت ہوا۔ اسی اثناء میں انگلستان اس امر میں کامیاب ہو گیا کہ آسٹریا و روس کو ملا کر ایک نیا اتحاد ثلثہ

جنگ آسٹرلز ۱۸۰۵ء

قائم کر دے۔ اس صورت معاملات کا پتہ چلتے ہی نپولین نے اپنی انگریزی مہم کو چھوڑ دیا اور اپنے براعظم کے دشمنوں کے زیر کرنے کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ اس نے آسٹریا و روس کی متحدہ فوجوں کو موریویا میں ۲ دسمبر ۱۸۰۵ء کو بمقام آسٹرلز

قطعی ہزیمت دی۔ شہنشاہ فرانسس دوم کو پھر اس ناقابل فتح کارسیکی کے سامنے سر جھکانا پڑا اور (۲۶ دسمبر ۱۸۰۵ء کو) پرسبرگ کی صلح میں وینس وٹیرول سے دست بردار ہونا پڑا۔ چنانچہ وینس، اطالیہ کے ساتھ اور ٹرول بویریا کے ساتھ شامل کردیا گیا۔ اسی کے ساتھ جنوب جرمنی کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں سے بویریا اور ورٹمبرگ کو بہ حیثیت بادشاہت کے تسلیم کرلیا گیا۔

صلح پرسبرگ کی اس آخری شرط سے پوری طرح ظاہر ہوگیا کہ جرمنی کے متعلق نپولین کی حکمت عملی کیا تھی۔ وہ صاف عیاں تھا کہ اس کی خواہش یہ تھی کہ جرمنی کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو اس حد تک بڑھائے کہ آسٹریا و پرشیا دونوں بڑی سلطنتوں کی قوت بیکار ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس نے ان پر انعامات واکرامات کا مینہ برسادیا اور ان کو اس درجہ اپنی مرضی کا تابع بنا لیا کہ جب اس نے ان کے لئے ایک نئے سیاسی اتحاد کی تجویز پیش کی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرسکیں۔ اسی اتحاد کا نام سلطنتہائے رائن رکھا گیا جس میں آسٹریا و پرشیا کو چھوڑ کر اور تمام اہم جرمن سلطنتیں آخر کار شرکت کے لئے راضی ہوگئیں اور نپولین نے پروٹکٹر (حامی) کے نام سے ان کی رہبری خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔

نپولین نے سلطنتہائے متفقہ کی بنیاد ڈالی ۱۸۰۶ء

پس رائن کی ان سلطنتہائے متفقہ نے بالطبع جرمنی کے قدیم نظام سیاسی میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔ جب جنوبی و مغربی جرمنی، فرانس کے بنا کردہ نئے اتحاد کی مطیع ہوگئی تو پھر قدیم شہنشاہی کے لئے کونسی جگہ باقی رہی۔ شہنشاہی کے مؤیدین اس سے کنارہ کش ہوگئے تو عملاً اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس لئے اس نئے اتفاق سلطنت کی خبر سنکر شہنشاہ فرانسس دوم نے قانونی طور پر بھی شہنشاہی کے ختم کردینے کا ارادہ کرلیا اور باضابطہ مستعفی ہوگیا۔ اس طرح وہ مقدس رومن شہنشاہی جو آگسٹس کے زمانے سے قائم چلی آرہی تھی فنا ہوگئی۔ دنیا میں کسی اور تنظیم نے مرنے کے لئے کبھی اتنا وقت نہیں لیا کیونکہ اس کی قوت

مقدس رومن شہنشاہی کا خاتمہ

عملی اور اس کی وقعت صدیوں قبل زائل ہو چکی تھی۔ درحقیقت اس قسم کی قومی حکومت کے فنا ہو جانے پر کسی جرمن کو آنسو بہانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ رہگیا فرانسس دوم سو اس نے ایک غیر تاریخی لقب شہنشاہ آسٹریا کا اختیار کر لیا ؛

فرانس و پرشیا کے تعلقات

جرمنی میں نپولین کی مداخلت کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ پرشیا تباہ ہو گئی یہ ۱۷۹۵ء کے معاہدۂ بیسل کے وقت سے پرشیا نے فرانس کے ساتھ دوستانہ غیر جانبداری کی روش قائم رکھی تھی اور تمام یورپ کی تحریص و تخویف کے باوجود بھی وہ اتحاد ثانی و اتحاد ثالث میں شریک ہونے پر آمادہ نہیں ہوئی لیکن اب کہ نپولین نے تمام یورپ کو فتح کرنے کا عزم کر لیا تھا، اور آسٹریا، اطالیہ، و جرمنی کو پہلے ہی زیر کر چکا تھا،

پرشیا جنگ کا اعلان کرتی ہے سنہ ۱۸۰۶ء

پرشیا کے ساتھ صلح کا قائم رہنا اس کے منصوبوں سے مطلق موافقت نہیں رکھتا تھا۔ اس لیئے اس نے اب بالارادہ پرشیا کو اشتعال دلایا۔ یہاں تک کہ شاہ فریڈرک ولیم سوم (۱۷۹۷ء - ۱۸۴۰ء) کی مطیع و منقاد حکومت زیادہ پست ہونے پر راضی نہ ہو سکی، اور (سنہ ۱۸۰۶ء میں) اعلان جنگ کر دیا ؛

سنہ ۱۸۰۶ء کی مہم

نپولین کو اب تک جو مہمات پیش آئی تھیں ان میں سنہ ۱۸۰۶ء کی مہم سب سے زیادہ شاندار تھی۔ چند ہفتوں کے اندر اندر وہ اہل پرشیا کو جینا میں شکست دیکر برلن میں داخل ہو گیا اور عملی حیثیت سے فریڈرک کی شاہی کو بالکل غارت کر دیا۔ ایک مٹھی بھر فوج کے ساتھ فریڈرک ولیم سوم اس خیال سے مشرق کی طرف بھاگ گیا کہ روس کی حفاظت میں آ جائے گا

روس کے خلاف مہم سنہ ۱۸۰۷ء

اب تمام وسطی یورپ نپولین کے ہاتھ میں تھا مگر اس نے اس پر بھی قناعت نہیں کی بلکہ پرشیا کے مغرور حلیف، زار الگزنڈر (۱۸۰۱ء - ۱۸۲۵ء) کو زیر کرنے کے لیئے روس کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن جون سنہ ۱۸۰۷ء میں (مشرقی پرشیا میں) فریڈ لینڈ کی فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے الگزنڈر کے پیغام صلح کو قبول کر لیا ؛

صلح ٹلسٹ پرشیا کی ذلت

زار الگزنڈر مدت سے اس جلیل القدر کارسیکی کو در پردہ بڑی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا رہا تھا اور جبکہ دریائے نیمن پر ایک عارضی پل بندھوا کر اس پل پر ایک افسانہ وار شان کے ساتھ اس سے ملا تو وہ اس کی شخصیت سے بالکل مسحور ہو گیا۔ دونوں شہنشاہ متواتر ملتے اور مشورت کرتے رہے، اور فریڈرک ولیم شاہ پرشیا بھی اس مشورت میں شامل کیا جاتا تھا، اس کا نتیجہ (جولائی ۱۸۰۷ء کی) صلح ٹلسٹ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس صلح کی رو سے روس بغیر کسی نقصان کے اپنے حال پر بحال کر دیا گیا مگر پرشیا کو پوری طرح ذلیل کیا گیا اور اسے اپنی نصف مملکت کے قربان کر دینے کا حکم دیا گیا۔ دریائے ایلبی و رائن کے درمیان کے پرشیائی صوبوں کی ایک سلطنت وسٹفیلیا، نپولین کے بھائی جروم کے لئے بنائی گئی اور پولینڈ کی گزشتہ تقسیم میں پرشیا کو جو کچھ ہاتھ آیا تھا اسے وارسا کی گرینڈ ڈچی (امارت گرینڈ ڈیوک) بنا کر والئی سیکسنی کو دیدیا گیا جسے نپولین نے جرمنی کے متعلق اپنی مسلمہ حکمت عملی کے بموجب بادشاہ بنا دیا۔ پس اسطرح پرشیا درحقیقت ایک دوسرے درجہ کی سلطنت ہو گئی ؛

نپولین و الگزنڈر کے درمیان مخالفہ

لیکن عہدنامۂ ٹلسٹ کا غالباً سب سے زیادہ اہم حصہ فرانس و روس کا مخالفہ تھا جو محض صلح سے ترقی کرتے کرتے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا حاصل تمامتر یہ تھا کہ نپولین اور الگزنڈر تمام یورپ کو آپس میں تقسیم کر لیں نپولین کو مغرب میں اور الگزنڈر کو مشرق میں غلبہ حاصل رہے ؛

نپولین کا عروج اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا ؛

صلح ٹلسٹ نے نپولین کے عروج کو اس کے منتہائے کمال پر پہنچا دیا وہ اب فرانسیسیوں کا شہنشاہ اور اطالیہ کا شاہ تھا۔ سلطنتہائے متفقہ رائن کے محافظ ہونے کے اعتبار سے جرمنی اور جمہوریۂ سوئٹزرلینڈ کے "ثالث" ہونے کے اعتبار سے سوئٹزرلینڈ اس کے ہاتھ میں تھے علاوہ اس کے اور بھی ممالک تھے جنہیں اس نے فوراً جذب کر لینا مناسب نہیں سمجھا لیکن ان میں وہ اپنے ماتحت

بادشاہوں کے ذریعہ سے حکومت کرتا تھا جو اسی کے خاندان سے تھے چنانچہ ہالینڈ میں لوئس، وسٹفیلیا میں جیروم اور نیپلز میں جوزف حکمران تھے اور یہ تینوں نپولین کے بھائی تھے۔ وسطی یورپ اس کے قدموں کے نیچے پڑا ہوا تھا اور مشرق میں روس اس کا حلیف تھا پس نپولین کے ایسے خود پسند شخص کے لئے یہ ایک ناقابل برداشت ذلت تھی کہ ایک قوم (انگلستان) اب تک یہ جرأت دکھائے کہ وہ بیخوف وخطر اسے دھمکی دے سکے۔

انگلستان کے خلاف جنگ طریق بر اعظمی

سنہ۱۸۰۳ء میں انگلستان کے ساتھ جنگ از سر نو جاری ہوگئی اور اکتوبر سنہ۱۸۰۵ء میں جب نپولین وائنا کی طرف بڑھ رہا تھا نلسن نے فرانس و اسپین کے متحدہ بیڑوں کو ٹریفیلگر کے قریب تباہ کر دیا مگر عین فتح کے وقت یہ بلند پایہ امیر البحر خود بھی کام آگیا۔ اسکے بعد سے سمندر کی جنگ بند ہوگئی۔ نپولین وائنا اور سینٹ پیٹرسبرگ کے باشندوں کو خائف کر سکتا تھا مگر چونکہ اس کی طاقت تمام تر بری تھی بحری نہیں تھی اس لئے اس کا اثر ساحل ہی تک پہنچکر ختم ہو جاتا تھا۔ اس سے وہ ایک عجیب پیچیدگی میں پڑ گیا۔ اور اس پیچیدگی سے نکلنے یعنی انگلستان سے اپنی بات منوانے کے لئے اس نے ایک عجیب تدبیر سوچی۔ اس نے یہ عزم کیا کہ انگلستان کی تجارت کو تباہ اور اپنے مشہور "طریق بر اعظمی" کے ذریعہ اس کی طاقت کو فنا کر دے۔ چنانچہ سنہ۱۸۰۶ء کے نومبر ہی میں اس نے برلن سے متعدد احکام اس مقصد سے جاری کر دیئے کہ انگریزی مال ضبط کر لیا جائے اور فرانس اور اس کے اتحادیوں کے تمام بندرگاہوں سے انگریزی تجارت بند کر دی جائے تلسٹ میں الگزنڈر کے اتفاق رائے سے اس نے یہ اعلان کر دیا کہ انگلستان سے تجارتی تعلقات کا منقطع کر دینا تمام یورپ پر لازمی ہے انگلستان نے بھی فوراً ہی اس کا جواب دیا، اور بر اعظم کے تمام بندرگاہوں کو زیر محاصرہ قرار دیدیا۔ انگلستان سمندروں پر حاوی تھا اور نپولین بر اعظم پر۔ پس اب ان دونوں کی جنگ نے بحری اور

بڑی طاقتوں کے درمیان ایک وسیع کشمکش کی صورت اختیار کر لی ؎

طریق برّاعظمی نے نپولین کے زوال کا راستہ تیار کر دیا

"طریق برّاعظمی" کی نسبت یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اسی سے نپولین کے زوال کا آغاز ہوا، کیونکہ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے جہاں اس شخص کی رسائی ذہن کچھ کام نہ دے سکی "طریق برّاعظمی" کے سبب سے تجارت تباہ ہوگئی اور باقاعدہ مصیبت وقحط کی بنیاد پڑ گئی۔ اپنے اس ستانے والے کے خلاف اہل یورپ کے لوگوں کا غصہ یوماً فیوماً تیز ہوتا گیا اور ماتحت قومیں روز بروز اس سے انحراف کرنے پر زیادہ مائل ہوتی گئیں۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر یورپ کی قومیں کسی وقت بھی نپولین کی اس نامر بوط عالمگیر شہنشاہی کے خلاف ایکدل ہو کر کھڑی ہو جائیں تو اس کے قیام کی کیا امید باقی رہ سکتی تھی ؎

نپولین پرتگال پر قبضہ کرلیتا ہے

نہایت تعجب ہے کہ اس "برّاعظمی طریق" کے خلاف سب سے پہلا اعتراض پرتگال کی چھوٹی سی سلطنت نے کیا۔ پس اس کے بندرگاہوں کو انگریزوں کے خلاف بند کرنے کے لئے نپولین نے نومبر ۱۸۰۷ء میں فوج کے ذریعہ سے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اول اول مقاومت بہت ہی کم ہوئی اور خاندان شاہی برزیل کو فرار ہو گیا ؎

نپولین، اسپین کو اپنے بھائی جوزف کو دیدیتا ہے

اس مقصد کے حصول کے لئے نپولین نے اب دوسرا قدم اٹھایا اور اسپین پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۹۵ء کی صلح کے وقت سے فرانس اور اسپین کے خاندان باربن کے درمیان تعلقات نہایت ہی دوستانہ چلے آرہے تھے بلکہ نپولین اور چارلس چہارم (شاہ اسپین) ایک دوسرے کے حلیف بھی ہوگئے تھے اور آخر الذکر نے اپنی نیک نیتی کے ثبوت میں جنگ ٹریفلگر کے موقع پر نپولین کے لئے اپنے بیڑے تک کو تباہ کرا دیا تھا۔ بایں ہمہ نپولین نے اب دیدہ و دانستہ یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے دوست کو اس کی سلطنت سے محروم کر دے۔ اسی اثناء میں بادشاہ اور اسکے بیٹے فرڈیننڈ کے درمیان کچھ مناقشہ پیش آگیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر نپولین نے ان دونوں کو فرانس میں بلایا تاکہ وہ اپنے تنازعہ کو اس کے سامنے پیش کریں

لیکن بجائے اس کے کہ وہ اُن کے درمیان کوئی فیصلہ کرے اس نے (مئی ۱۸۰۸ء میں) دونوں کو مجبور کر دیا کہ وہ حقوق شاہی سے دست بردار ہو جائیں۔ اسکے بعد اسپین، نپولین کے بھائی جوزف کو دیدیا گیا اور اس نے اس کے عوض میں اپنی نیپلز کی سلطنت نپولین کے برادر نسبتی یعنی سوارہ فوج کے جرنل اعظم میورٹ کو دیدی۔

اسپین کی شورش

قانون و انصاف کی پامالی کی کوئی ایسی نظیر مل نہیں سکتی اس اشتداد سے اہل اسپین میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور اس پر قوم کے مختلف صوبے اپنے غیر ملکی غاصب کے خلاف ایک ساتھ شورش پر آمادہ ہو گئے۔ اور کسی باقاعدہ فوج سے نہیں بلکہ منتشر گروہوں میں جمع ہو ہو کر اس پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۰۸ء کے موسم گرما میں کچھ چھوٹی چھوٹی مشکلات کا سامنا پیش آیا اور حالت کو بد سے بدتر کرنے کے لیئے انگلستان بھی اسپین کے معاملات میں دخل دینے لگا۔ وہ مدت تک بیکار انتظار کرتا رہا کہ نپولین سمندر میں اس کا مقابلہ کرے گا۔ اب اس نے خود خشکی پر مقابلے کا موقع نکال لیا، اور ۱۸۰۸ء کے موسم گرما میں ایک انگریزی فوج

انگلستان، اسپین کی مدد کرتا ہے۔

اس غرض سے پرتگال میں بھیجدی کہ وہ پرتگال و اسپین کی قومی شورشوں میں مدد دے۔ اس موقع پر الگزنڈر کی تائید نپولین کے لیئے قطعاً لازمی تھی اور اس لیئے وہ ارفرٹ میں جا کر زار سے ملا اور مراعات کے ذریعہ سے خود کو (اکتوبر ۱۸۰۸ء میں) روس کی طرف سے مطمئن کر لیا۔ پس ادھر سے فارغ ہو کر وہ بعجلت تمام اسپین میں پہنچا، اور بغیر کسی قسم کی دقت و دشواری کے اسپینیوں کو پہاڑیوں پر اور انگریزوں کو ان کے جہازوں پر بھگا دیا مگر اس کے واپس جاتے ہی اسپینی پھر اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑے اور انگریز دوبارہ خشکی پر اتر آئے۔

اہل اسپین اور ولنگٹن کی کامیابیاں

نپولین کو اب یہ محسوس ہوا کہ ایک مستقل العزم قوم پر فتح حاصل کرنا دشوار ہے۔ اسپین کی اس جنگ میں بے اندازہ

روپیہ اور بے شمار فوجیں ضائع ہوگئیں مگر نپولین بھی اپنے ارادے میں اسپینیوں سے کچھ کم سخت نہ تھا، وہ رعایت کی کسی تجویز کو سننا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس پر واقعات کا مخالفانہ اثر پڑنے لگا۔ شورشوں میں کسی قسم کی کمی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے، اور ۱۸۰۹ء میں جب ایک قابل سپہ سالار آرتھر ولزلی نے (جو بعد میں ڈیوک ولنگٹن کے خطاب سے مشہور رہا) انگریزی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور قدم بقدم میڈرڈ کی طرف اپنا راستہ نکالنے لگا تو نپولین کی اس اسپینی اولوالعزمی کا منصوبہ خاک میں ملگیا۔ درحقیقت یہ صورت حالات فی الفور ہویدا نہیں ہوئی مگر جو بات بہت جلد ظاہر ہوگئی وہ یہ تھی کہ وسطی یورپ کی حلقہ بگوش سلطنتیں، اسپینیوں کے انداز کو دیکھکر اپنی روش بدلنے لگیں، اور وہ بھی اسی قسم کی تیاریاں کرنے لگیں کہ اپنے ستانے والے کا آخر دم تک مقابلہ کریں۔ ۱۸۰۸ء میں اسپین سے نپولین کے بعجلت روانہ ہوجانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ آسٹریا مسلح ہو رہی ہے۔

آسٹروی شورش کی ناکامی ۱۸۰۹ء

اسپین کی کامیابیوں کو دیکھکر آسٹریا نے بھی ہمت کی اور ۱۸۰۹ء میں اس نے جرمنی کی سلطنتوں کو ایک قومی شورش پر ابھارا مگر نتیجے نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ کوشش ابھی قبل از وقت تھی۔ (جولائی ۱۸۰۹ء میں) بمقام ویگرم، نپولین نے چوتھی مرتبہ آسٹریا کو اپنے قدموں کے نیچے ڈال دیا اور صلح کے بعد وائنا پہنچکر اسے مزید ممالک کی سپردگی پر مجبور کیا۔ یہ امر کچھ غیر متوقع نہیں تھا کہ اگر نپولین اپنے سیاسی طریق انتظام میں کامل تغیر پر مجبور ہوجاتا تو وہ اس وقت آسٹریا کا بالکل ہی خاتمہ کر دیتا۔

نپولین اور زار الگزنڈر کا ایک دوسرے سے کشیدہ ہونا

واقعہ یہ تھا کہ زار الگزنڈر ٹلسٹ کے انتظام سے اکتاتا جاتا تھا ٹلسٹ کی صلح نے عملی طور پر روس کو مغرب سے منقطع کر دیا اور زار پر یہ لازمی کر دیا تھا کہ یورپ کے اس حصے میں نپولین جو کچھ تغیر بھی کرنا چاہے اسے وہ پہلے ہی منظور کر لے۔ اس کے بعد

"طریق بر اعظمی" کا معاملہ تھا جس کے لئے زار نے خود کو پابند بنایا تھا مگر اور جگہوں کی طرح روس میں بھی وہ ایک سخت مصیبت ثابت ہو رہا تھا علاوہ ازیں الگزنڈر نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی روسی شہزادی کو نپولین کے عقد میں دیدیگا، اور جب وہ اس وعدے کو پورا نہ کرسکا تو نپولین آسٹریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۸۰۹ء کی جنگ کے بعد آسٹریا میں اتنی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ اس پیش کردہ دوستی سے انکار کرسکتی اور جب نپولین نے شہنشاہ کی بیٹی میری لوائس سے عقد کرنے کی خواہش کی تو اس درخواست کو بھی منظور کرلیا۔ سیاسی تجاویز کی اس تغیر شدہ حالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین نے اپنی محبت پرست بیوی جوزیفائن بکیوہارنس کو طلاق دیدی اور اپریل ۱۸۱۰ء میں ہبسبرگ کے قدیم شہنشاہی خاندان کی لڑکی سے رسم مناکحت ادا کی دوسرے برس جب اس کے ایک بیٹا اور وارث پیدا ہوا تو نپولین کے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہوگیا ہوگا کہ آخر الامر اس کے تخت و تاج کو بقائے دوام حاصل ہوگئی ہے۔

۱۸۱۰ء میں نپولین اور الگزنڈر کے درمیان تعلقات کی شکستگی قطعی ہوگئی۔ نپولین کے اولڈنبرگ کی امارت پر (جہاں الگزنڈر کا ایک عزیز حکمراں تھا) قبضہ کرلینے اور مغربی گلیشیا کی امارت کو وارسا کے حوالے کردینے سے زار نہایت برافروختہ ہوگیا، آخر ۳۱ر دسمبر ۱۸۱۰ء کو اس نے ایک فرمان اس مضمون کا نافذ کیا کہ "طریق برّ اعظمی" کی بابت اس نے اپنے تعلق میں ترمیم کردی ہے

۱۸۱۲ء کی مہم

اس فرمان نے اختلاف کو مکمل کردیا اور ۱۸۱۱ء میں دونوں سلطنتیں زور شور کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرنے لگیں اور ۱۸۱۲ء کے موسم بہار میں نپولین نے روس کی طرف ایسے وسیع فوجی سازوسامان کے ساتھ کوچ کیا کہ چشم یورپ نے کبھی یہ نظارہ نہیں دیکھا تھا۔ پانچ لاکھ آدمی

سلہ یہ لڑکا شاہ روما کہلاتا تھا اور اس کا لقب نپولین پڑا۔ وہ ۱۸۳۲ء میں نوعمری میں اپنے نانا شہنشاہ آسٹریا کے دربار میں انتقال کرگیا ؂

جس میں نپولین کی عالمگیر شہنشاہی کے ہر قوم کے لوگ شامل تھے زار کو شہنشاہ کے قانون کے تحت میں لانے کے لئے کافی سے زیادہ معلوم ہوتے تھے اور اس مہم میں اول اول مسلسل شاندار کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں ستمبر میں نپولین نے روس کے پایۂ تخت ماسکو تک پر قبضہ کرلیا اور وہاں اطمینان کے ساتھ الگزنڈر کی اطاعت کا انتظار کرنے لگا مگر زار کی شہنشاہی مقاومت کے جس جوش سے بھری ہوئی تھی نپولین نے اسے بہت کم سمجھا تھا۔ اسپین کی طرح یہاں بھی ہر مرد عورت اور بچہ اطاعت کے بجائے مرنے کا عزم کئے ہوئے تھا اور نپولین کو اپنی فاتحانہ مہم کے عین انجام پر پہنچنے کے وقت اس عام نفرت کا ہولناک مشاہدہ کرنا باقی تھا۔ وہ ابھی ماسکو میں پہنچا ہی تھا کہ پیچھے

ماسکو کا جلایا جانا۔

ہٹنے والے روسیوں کی ایک پختہ قرارداد کے موافق کل شہر جلاکر خاک سیاہ کر دیا گیا۔

بازگشت

ماسکو کے جلائے جانے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں تھے کہ ساری مہم تباہ ہوگئی۔ کیونکہ ماسکو کے بعد کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ موقع بھی ایسا نہیں تھا جہاں روس کے حسب حال سرمائی قیام گاہ مہیا ہوسکے پس اب باقی کیا رہ گیا تھا۔ نپولین نے دل پر پتھر رکھکر بازگشت کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد مہم کا جو حال ہوا اس کا نقشہ الفاظ میں ادا کرنے کے بجائے تصور میں زیادہ آسانی سے کھینچا جاسکتا ہے۔ اس سال جاڑے کا کہرا ایسا تھا کہ اس شمالی ملک میں بھی اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ بھوک کی مصیبت میں کھانے کے لئے اس کے سوا کچھ نہ رہا تھا کہ وقتاً فوقتاً گھوڑے کا گوشت ملجاتا تھا، اور سب سے آخری پریشانی یہ تھی کہ کاسکوں کے دستے اس مصیبت زدہ فوج کے ارد گرد لگے ہوئے تھے اور اسے نشانۂ اجل بناتے جاتے تھے یہانتک کہ اس کا انضباط شکست ہوگیا اور اس کے ضائع شدہ دستے گھٹتے گھٹتے صرف فراریوں کے غول رہ گئے جو کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچاتے پھرتے تھے۔ فرانس کی بددلی کو روکنے کے خیال سے نپولین ۵ دسمبر کو خود فوج سے علحدہ ہوکر بعجلت تمام پیرس روانہ ہوگیا۔ آخر دسمبر کے ختم ہوتے

اس عظیم الشان فوج کا بقیہ حصہ کسی نہ کسی طرح دریائے نیمن کے پار پہنچکر محفوظ ہوا ہو

یورپ سرکشی کے لیے تیار ہوتا ہے

اس شاندار فوج کا روس میں اس طرح تباہ ہوجانا ہر حال میں نپولین کے لئے ایک مصیبت تھی، لیکن اگر اس موقع پر بجلہ نپولین کو اپنی اس سب سے بڑی بربادی کی تلافی کیلئے اپنی ساری مجتمعہ قوت سے کام لینے کی ضرورت تھی، وسطی یورپ اس واقعہ سے متاثر ہوکر ایک عام بغاوت کی ہمت کرکے اور پیچیدگیاں پیدا کردیتا تو پھر نپولین کی تباہی ناقابل تلافی ہوجاتی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نپولین کی بدقسمتی سے ہر جگہ کے محبان وطن نے اس راز کو سمجھ لیا۔ یورپ کی تمام قوموں کے لئے یہی موقع تھا کہ یا وہ کچھ کریں یا ہمیشہ کے لئے کچھ نہ کرنے کا فیصلہ کرلیں، پس وہ سب کی سب اپنے فوجی آقا کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں، اور اس کا تختہ الٹ دیا لیکن سب سے پہلے سر اٹھانے کا سہرا پرشیا کے سر رہا ہو

پرشیا کی حیات جدید

ٹلسٹ کی صلح نے درحقیقت پرشیا کو خاک میں ملا دیا تھا مگر اسی نے اس کی نجات کا بھی سامان کردیا جینا کی شکست کے بعد چند ذی فہم و محب وطن اشخاص نے جن میں اسٹین، ہارڈنبرگ، اور اس شار نہارست خصوصیت سے ممتاز تھے، اس کمزور بادشاہ (ولیم فریڈرک) کی مجلس شوریٰ میں غلبہ حاصل کرلیا اور متعدد اصلاحین رائج کردیں جیسے زرعی غلامی کی منسوخی اور فوج کی قومی بنیاد پر نئی تنظیم جس نے سلطنت میں اس طرح سے نئی جان ڈال دی گویا کسی نے سحر کردیا ہے جب اس دوبارہ حیات یافتہ قوم نے روس کے برفستانوں میں نپولین کی تباہی کا حال سنا تو پھر اسے اپنی خوشی و بیصبری کا ضبط کرنا مشکل ہوگیا قوم کے ہر طبقے کو یہ یقین ہوگیا کہ انتقام کا وقت آگیا ہے۔ کمزور دل بادشاہ کو کسی بحث اور کسی تاخیر کا موقع ہی نہیں دیا گیا اور وہ بھی بے بسی کے ساتھ اسی عام جوش کی بڑھتی ہوئی موج میں چل نکلا۔ اسے مجبور کیا گیا کہ (ماہ فروری ۱۸۱۳ء میں) بمقام کیلش، روس کے ساتھ معاہدے پر دستخط کردے اور (پارچین)

اعلان جنگ شائع کر دے۔

۱۸۱۳ء کی مہم کا نصف اول

۱۸۱۲ء کی تباہ کن مہم نپولین کے سوا اور ہر شخص کو عاجز و پست ہمت کر دیتی مگر نپولین نے حالات جدیدہ کا بھی اسی بیخوفی سے مقابلہ کیا جیسی ابتک ہر معاملے میں اس سے ظاہر ہوتی رہی تھی مافوق العادۃ کوشش سے وہ ایک فوج کے جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ۱۸۱۳ء کے موسم بہار میں دفعتہً وسط جرمنی میں پہنچ گیا، اور اہل پرشیا اور روسیوں کو سزا دینے کے لیے ہر طرح آمادہ نظر آتا تھا۔ لوزن (۲ مئی) اور باٹزن (۲۰ مئی) میں اس نے اپنی قدیم شہرت کو قائم رکھا مگر یہ صاف عیاں تھا کہ اب جینا اور فریڈلینڈ کے ایسے فتوحات کا وقت گزر گیا ہے کیونکہ متحدین شکست کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ سلیشیا کی طرف پلٹ گئے اور نپولین کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اسے یہ فتح ایسے شدید نقصان کے ساتھ حاصل ہوئی ہے کہ اس اندازے سے فتح حاصل کرنا تباہ ہو جانے کے برابر ہے۔ ۴ جون کو وہ پسلوز کی قرارداد کے بموجب ۱۰ اگست تک کے لیے التوائے جنگ پر راضی ہو گیا تاکہ وہ اپنی فوجوں کو از سر نو مرتب کر سکے۔

۱۸۱۳ء کی مہم کا نصف آخر

دونوں فریق اب اس امر سے آگاہ ہو گئے تھے کہ اس مہم کے نتیجے کا دار و مدار آسٹریا پر ہے۔ دونوں طرف کے پلے اس قدر برابر تھے کہ آسٹریا جدھر اپنا بوجھ ڈال دیتی وہی پلہ بھاری ہو جاتا۔ ان حالات میں آسٹریا کے وزیر مٹرنک نے اولاً ثالث بننے کی کوشش کی مگر جب نپولین نے اس کی عام صلح کی تجویز کو غصے کے ساتھ مسترد کر دیا اور عارضی صلح کا زمانہ ختم ہو گیا تو آسٹریا نے اپنی قسمت کا پانسہ بقیہ یورپ کے ساتھ ڈال دیا اور ۱۸۱۳ء کے موسم خزاں میں تمام متحدین کی طرف سے ایک مجموعی نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ اہل پرشیا، روسی اور آسٹروی، ہر جانب سے نپولین پر ٹوٹ پڑے۔ اس کی فوج کم تھی، اتحادیوں کے ۲۵۵۰۰۰ آدمیوں کے مقابلے میں اس کے پاس صرف ۱۹۰۰۰۰ آدمی تھے۔ آہستہ آہستہ اس کی فوجی تدبیر مغلوب ہوتی گئی اور لپسک کی تین دن

جنگ لپسک

(۱۶ - ۱۸ - اکتوبر) کی سخت جنگ کے بعد وہ بالکل تباہ ہوگیا۔ بچی ہوئی فوج کے جس قدر آدمیوں کو وہ جمع کر سکتا تھا انھیں لیکر تیزی کے ساتھ رائن کے پار ہوگیا۔ جرمنی کا اب پھر قابو میں آنا تو خارج از بحث تھا، سوال صرف یہ تھا کہ آیا وہ فرانس کو بھی اپنے قبضے میں رکھنے کے قابل ہے یا نہیں؟ ۹ر نومبر کو متحدین نے فرینکفرٹ میں نپولین کے سامنے بہت اچھے شرائط پیش کیئے اور اس کی شہنشاہی کے لیئے فرانس کے طبعی حدود یعنی رائن، آلپس، پیرینیز کو قائم رکھا مگر نپولین نے ان شرائط سے انکار کر دیا اور اس لیئے دریائے رائن کے سواحل پر کچھ دیر کے پس وپیش کے بعد متحدین نے سرزمین فرانس پر حملہ کر دیا اور یہ عزم کر لیا کہ اپنے دشمن کا بالکل خاتمہ ہی کر دیں۔ نپولین اپنی قدیمی بیخوفی کے ساتھ اب بھی مقابلے پر جما رہا۔ اس کی ۱۸۱۴ء کی سرمائی مہم کو فوجی مبصرین اس کے بہترین زمانہ کے کارناموں میں شمار کرتے ہیں مگر اب اس کے مخالفین کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ بالکل بے بس ہوگیا تھا، اور جب ۳۱ر مارچ کو متحدین نے پیرس کے دروازے کو توڑ دیا تو نپولین تک کا اعتماد متزلزل ہوگیا۔ اس نے جب اپنے چاروں طرف نظر کی تو اس نے دیکھا کہ فرانس کا تمام مشرقی حصہ اس کے پٹک والے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف جنوبی حصہ اسی تیزی کے ساتھ ولنگٹن کے ہاتھ میں چلا جا رہا ہے۔ ولنگٹن نے مارشل سولٹ کی فوج کو اسپین میں بہت ہی نمایاں شکست دیدی تھی اور پیرینیز سے پار ہو کر اس کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔

نپولین کا تخت سے دست بردار ہونا۔

۹ر اپریل ۱۸۱۴ء کو نپولین نے اپنے قصر فانٹین بلو میں بالاعلان یہ کہدیا کہ اب سب باتوں کا خاتمہ ہوگیا، اور وہ تخت سے دست برداری کے لیئے آمادہ ہوگیا۔ متحدین نے اسے اقامت کے لیئے جزیرۂ ایلبا دیدیا اور اس کے بعد انھوں نے اپنی توجہ فرانس کے مستقبل کے سوال کی طرف منعطف کی۔ خاندان باربن کے متعلق ان میں کوئی خاص جوش نہیں تھا، مگر مشکلات کے سلجھانے کا اس کے سوا کوئی اور چارہ کار بھی نہ تھا اس لیئے محض ضرورت کی وجہ سے انھوں نے

آخر الامر اس خاندان کے آخری بادشاہ کے بھائی لوئس ہیز دہم کی تخت نشینی کو منظور کر لیا۔ اس بحال شدہ بادشاہی کی وسعت حدود کے متعلق صلح پیرس میں یہ طے پایا کہ ۱۷۹۲ء میں جو حدود فرانس کے تھے وہی حدود قائم کیے جائیں ۔

موتمر وائنا

اس اہم کام کی تکمیل کے بعد سلطنتوں کی ایک عام مجلس موتمر وائنا میں جمع ہوئی تاکہ یورپ کی ترتیب جدید پر بحث کی جائے زمانہ جدیدہ کی آنکھوں نے اس سے زیادہ شاندار مجمع کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس آخری نازک وقت میں جسقدر بادشاہ و مدبر مہمات سلطنت میں سرگرم تھے وہ سب کے سب (چند مستثنیات کے سوا) یہاں موجود تھے۔ مگر قبل اسکے کہ موتمر وائنا اپنے کاموں کو ختم کرے اس اتحاد فوجی کو جسکی وہ قائم مقام تھی ایک مرتبہ پھر میدان جنگ میں آنا پڑا، کیونکہ مارچ ۱۸۱۵ء میں وائنا میں جمع شدہ بادشاہوں کو یہ خبر ملی کہ نپولین، البا سے بھاگ نکلا اور پھر فرانس میں آگیا ہے ؛

البا سے نپولین کی واپسی

فروری ۱۸۱۵ء میں نپولین کا یہ عزم کہ متحدہ یورپ سے ایک مرتبہ پھر نبرد آزمائی کرے ایک بالکل ہی حرکت مذبوحی تھی۔ یکم مارچ کو وہ غیر متوقع طور پر کینس کے قریب اترا، اور جوں ہی اس نے اپنا جھنڈا بلند کیا اس کے سابق سپاہی اس کے جھنڈے کے گرد جو اپنی بے شمار شاندار یادگاروں کی وجہ سے انھیں دل و جان سے عزیز تھا جمع ہونے کے لیئے دوڑ پڑے۔ لوئس ہیزدہم نے مارشل نے کو نپولین کے گرفتار کرنیکے لیئے بھیجا لیکن جب مارشل کی نظر اپنے سابق سردار پر پڑی تو وہ بے اختیار رونے لگا، اور اسے بغل میں دبالیا۔ نپولین کے نام کے سحر تاثر کے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لوئس ہیز دہم پھر سرحد کے پار بھاگ گیا اور سپاہ و عوام کا یہ ہیرو ایک مجنونانہ جوش و خروش کے ساتھ پیرس میں داخل ہوا ؛

سئو دن ایک تاریخی دفعہ

نپولین کی یہ دوسری حکومت "سو دن" کے نام سے مشہور ہے یہ ایام حکمرانی ۱۸۱۲ء، ۱۸۱۳ء، ۱۸۱۴ء و ۱۸۱۲ء کے بڑے ڈراما کے محض بعد کے تماشے ہیں کیونکہ اب ایک لمحے کے لیئے بھی شہنشاہ کی کامیابی کی توقع نہیں رہی تھی۔ سلطنتوں نے اس جلیل القدر سپاہی کی آمد کی خبر کے

سنتے ہی اسے خارج از ملت قرار دیدیا اور ہر طرف سے اپنی فوجوں کو اسکے دار الصدر کی طرف بڑہانا شروع کردیا۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا تھا کہ ان حالات میں نپولین دو ایک موقعوں پر کامیاب ہوجائے گا، لیکن یہ امر بھی اول ہی سے یقینی تھا کہ خاتمہ اس کی کامل تباہی پر ہوگا۔ یہ فیصلہ کن معرکہ بلجیم میں پیش آیا جہاں ولنگٹن نے ایک انگریزی و جرمن فوج جمع کرلی تھی، اور اس کی مدد کے لیئے مارشل بلوچر بھی اپنی پرشیاوی سپاہ کو لئے ہوئے آرہا تھا۔ شمالی سرحد پر جو دشمن جمع ہوگئے تھے، نپولین نے پہلے انہیں سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا اپنی معمولی شتاب کاری کے ساتھ اس نے ۱۶ر جون کو بمقام لگنی، بلوچر پر اس سے قبل ہی حملہ کردیا کہ وہ ولنگٹن سے مل سکے اور اسے پوری طرح شکست دیدی۔ اہل پرشیا کے تعاقب کے لیئے مارشل گروچی کو تیس ہزار سپاہ کے ساتھ چھوڑ کر وہ خود ۱۸ر جون کو ولنگٹن کے خلاف مقابلے کے لیئے پلٹا،

جنگ واٹرلو ۱۸ر جون ۱۸۱۵ء

ولنگٹن نے واٹرلو کے قریب ایک مستحکم مدافعتی جگہ پر قبضہ کرلیا تھا اور نہایت ہی عزم و استقلال سے فرانسیسی حملے کے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا دوپہر کے بعد تمام دن نپولین اپنی پیدل و سوار سپاہ کو اس قوی العزم ڈیوک کے خلاف بیدریغ آگے بڑھاتا رہا مگر وہ اسے جگہ سے ہٹا نہ سکا۔ اور جب شام کے وقت اہل پرشیا غیر متوقع طور پر اس کے داہنے بازو کی طرف نمودار ہوئے اور وہ دو طرف سے زد میں آگیا تو اس کا کام بالکل غارت ہوگیا، وہ بے تحاشا پیرس کی طرف بھاگا اور پھر دوسری

نپولین سنٹ ہلینا کو بھیجا گیا

مرتبہ تخت سے دست برداری کی اس مصیبت کے وقت میں جب سب نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے امریکہ کو بھاگ جانیکا خیال کیا، مگر جہاز پر سوار ہوتے وقت وہ پہچان لیا گیا اور قید ہوگیا۔ اور اتحادئ یورپ کے حکم کے بموجب وہ بہت جلد سنٹ ہلینا کے چٹانی جزیرے میں

ملہ۔ چھ برس مقید رہنے کے بعد ۱۸۲۱ء میں اسی جزیرے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد بڑے دھوم دھام سے اسکی لاش سنٹ ہلینا سے فرانس میں لائی گئی اور ایک عالیشان مقبرے میں جو اپنی عمارت کی عظمت اور شان میں آپ ہی اپنی نظیر ہے دفن کیگئی ۱۲

(جو بحر اوقیانوس کے وسط میں واقع ہے) بھیجدیا گیا۔

خاندان باربن کی واپسی

اسی اثناء میں پیرس کے اندر متحدین لوئس ہیژدہم کو دوبارہ تخت نشین کرکے اپنی فتح کا جشن منا رہے تھے (اسی کو دوسری صلح پیرس کہتے ہیں)

باب ۳۱

مخالفہ مقدس و انقلاب ۱۸۳۰ء

وائنا کی موتمر پر قدامت پسندی کے اصول حاوی تھے

جنگ واٹرلو نے جب پنولین کے عظیم الشان ڈراما پر پردہ گرادیا تو وائنا میں جمع شدہ سفیران خاص کو پورے اطمینان خاطر کے ساتھ اپنے مباحث کو انجام تک پہنچانے کا موقع مل گیا ان مباحث کے نتائج موتمر وائنا کے قانون مختتم " (Final Act) میں جمع کئے گئے اور جس عمومیت کے ساتھ اس قانون کو مطروہ قرار دیا گیا کسی اور سیاسی معاہدے کو کبھی یہ ذلت نہیں اٹھانی پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ اس "قانون" میں نہایت شدومد کے ساتھ قدامت پسندی کی روح جاری وساری تھی، لیکن تمام حالات پر غور کرنے کے بعد یہ امر کچھ زیادہ خلاف طبع نہیں معلوم ہوتا کہ جن حکومتوں کو انقلاب سے اسدرجہ تکلیفیں اٹھانی پڑی ہوں جیسی کہ وائنا کی گردآمدہ حکومتوں کو پیش آئی تھیں وہ رجعت قہقری کی حکمت عملی کی طرف مائل ہوجائیں۔ چونکہ یہ ثابت ہوچکا تھا کہ انقلاب سے بجز خرابی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا ہے اس لئے بہترین امکانی صورت یہی تھی کہ انقلاب سے

مٹرنک اور اصول "استحقاق وراثت"	قبل کی حالت کو دوبارہ اختیار کیا جائے اور سابق کے بادشاہوں یا اُن کے وارثوں کو دوبارہ تخت نشین کردیا جائے موتمر کے اس حاوی اصول کا نام "استحقاق وراثت"

(Legitimossy) پڑ گیا اور اس کا سب سے زیادہ دیوانہ وار موید آسٹریا کا وزیر مٹرنک تھا۔

رجعت قہقری کے حامیوں کا حد سے تجاوز کر جانا۔	اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے اصول کے لئے عذر معقول موجود تھا مگر وائنا کے موتمر سے غلطی یہ ہوی کہ اس نے آنکھ بند کرکے اس کا استعمال شروع کردیا اور اکثر صورتوں میں

اس اصول کو قومیت کے حقوق اور آزادانہ تنظیمات کے عام مطالبے کے بالکل مخالف استعمال کیا۔ موتمر کے اس درجہ خود رایانہ انتظامات کو بلا چون وچرا تسلیم کرلینے کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ گزشتہ پچیس برس کے اضطراب وہیجان کے بعد تمام یورپ پر آرام لینے کا خیال مسلط ہوگیا تھا، لیکن یہ یقینی تھا کہ اسکے متعلق جلد یا بدیر تعرضات ضرور ہونگے۔ یورپ کی مختلف قومیں ان آزادانہ و قومی خیالات کو ضرور یاد کریں گی جسے انقلاب نے ملک عام بنا دیا تھا اور پھر اسوقت اس موتمر کی تنگدلی ورجعت پسندی کی حکمت عملی کی تنقید اور اس پر اعتراضات ہونگے۔ درحقیقت انیسویں صدی کی تاریخ کا لب لباب یہی ہے کہ موتمر وائنا میں جمع شدہ حکومتوں کے رجعت پسندانہ حکمت عملی اور اقوام یورپ کے وسعت پذیر آزادانہ و قومی خیالات میں کیا مناقشات وتصادم واقع ہوئے۔

دول عظمیٰ کے ممالک کی نئی حدبندیاں	موتمر وائنا نے سب سے پہلے اس امر پر توجہ کی کہ دول عظمیٰ کو ان کی سابقہ حالت پر قائم کردے۔ پرشیا و آسٹریا کی دونوں جرمن سلطنتوں کو اتنے ہی وسیع ممالک ملگئے جتنے

دور نپولین کے قبل ان کے زیر نگین تھے، البتہ انکے حدود تمام وکمال سابقہ حدود کے مثل نہیں تھے۔ انھوں نے اگرچہ اپنے پولینڈ صوبوں کے متعلق بعض حصوں سے دست برداری کردی مگر دوسرے مقامات میں انھیں نہایت فراخدلی سے معاوضے ملگئے۔ آسٹریا و پرشیا نے جن پولینڈی صوبوں سے دست برداری

کی تھی وہ زار الگزنڈر کو دیدے گئے جس نے ان سب صوبوں کو ملا کر پولینڈ کی ایک نئی بادشاہت قائم کر دی اور خود اس کا بادشاہ بنگیا۔ نپولین پر فتح پانے میں انگلستان نے جو شرکت کی تھی اس کے صلے میں اسے متعدد فرانسیسی و ہالینڈی نو آبادیاں دیدی گئیں جن میں خاصکر جنوبی افریقہ (راس امید) اور مالٹا زیادہ اہم تھے۔ غرضکہ اس کارسیکی فاتح کے مغلوب کرنے میں جس قدر دول عظام شریک تھے انھوں نے اب نہ صرف اپنی سابقہ حیثیت بحال کرلی بلکہ ان میں سے ہر ایک کی مملکت میں معقول اضافہ بھی ہوگیا۔

موتمر کو سب سے زیادہ مشکلات پولینڈ، اطالیہ اور جرمنی کے معاملات کے سلجھانے میں پیش آئے۔ بہت پر غیظ مباحثات کے بعد پولینڈ جزوی طور پر اپنی سابقہ حالت پر بحال کر دیا گیا، جسکے ساتھ ہی اسے ایک نظام سلطنت بھی عطا ہوا اور الگزنڈر نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ایک آئینی بادشاہ کی طرح پولینڈ میں حکومت کریگا۔ اطالیہ کے متعلق ان مشکلات کا حل کمزور طور پر سہی مگر آخر اسی "استحقاق وراثت" کے اصول سے کیا گیا، نیپلز کی بادشاہت (جسے ہر دو سسلی کی بادشاہت بھی کہتے تھے) باربن خاندان کے بادشاہ "مستحق" کو واپس کر دیگئی، پوپ کو کلیسا کی ریاستیں ملگئیں، ٹسکینی اپنے قانونی بادشاہ یعنی خاندان باربن کے ایک نوعمر رکن کو واپس دیدیگئی۔ پڈمانٹ میں جمہوریہ جنیوا کا اضافہ کرکے اسے دوبارہ شاہ سارڈینیا کو دیدیا گیا اور اطالوی صوبجات میں سب سے زیادہ زرخیز صوبے یعنی لمبارڈی اور وینس۔ آسٹریا کے حوالے کر دئے گئے پرما، اڈینا، لیوکا کے علاوہ اور بھی متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیگئیں لیکن یہ امر ایک نظر میں عیاں ہوجاتا ہے کہ ان انتظامات کے بموجب اس جزیرہ نما میں سب سے زیادہ حاوی طاقت آسٹریا کی ہی ہو۔

اطالیہ میں "مستحق" حکمران دوبارہ بحال کر دئے گئے۔

جرمنی سے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ دور نپولین کی لڑائیاں اس کے لئے درپردہ ایک رحمت تھیں۔ اس کے صرف ایک نتیجے کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ ان لڑائیوں نے

جرمنی میں وحدت کے بجائے بند "اشترک" قائم کیا گیا۔

قدیم بے مصرف "شہنشاہی" کو فنا کر دیا تھا اور شاہی اقتدار رکھنے والی سلطنتوں کی تعداد کو جو تین سو سے زائد تھیں گھٹا کر انتالیس تک پہنچا دیا تھا[1]۔ سنہ ۱۸۱۳ میں آسٹریا و پرشیا نے باہم معاہدہ ٹاپلز کی تکمیل کی جس میں جرمنی کے آئندہ حکومت کے طریقے قرار دئے گئے تھے۔ اسٹین کی آرزو یہ تھی کہ ایک مضبوط و آزاد جرمن قوم قائم کی جائے مگر یہ سب تمنائیں خاک میں ملگئیں اور مٹرنک کی حکمت عملی کہ چھوٹی سلطنتوں کو قائم رکھا جائے غالب آگئی۔ اپنی صدیوں کی عادت کے موافق یہ انتالیس سلطنتیں ایک دوسرے کو بری نظر سے دیکھتی رہیں اور چھوٹی چھوٹی سلطنتیں اگر اپنی باہمی بدظنی کو دبا بھی دیتیں تو بھی آسٹریا و پرشیا کا ناقابل رفع حسد، اتحاد کے راستے میں بدستور حائل رہتا پس ان ناموزوں حالات میں حکمران سلطنتیں عوام کے مطالبہ اتحاد کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو رعایت کر سکتی تھیں وہ یہ تھی کہ انھوں نے ایک طرح کا غیر مربوط "اشتراک" بنڈ کے نام سے قائم کر دیا بنڈ کے نظام حکومت کے موافق فرنیکفرٹ میں ایک ڈائٹ (مجلس شوریٰ) کا قیام قرار پایا تھا جسمیں انتالیسوں سلطنتوں سے اپنے اپنے قائم مقام بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی مگر چونکہ ان قائم مقاموں کو کسی قسم کے فرائض تفویض کرنے کے مسئلے کو بالقصد نظر انداز کر دیا گیا تھا اس لئے ڈائٹ کوئی قابل ذکر قانون نہیں بنا سکتی تھی اور "بنڈ" ایک نمائشی شے ہو کر رہگیا تھا؛

"محالفہ مقدس"

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ موتمر وائنا کے تمام مباحث کا اصل الاصول انقلاب کا تنفر تھا۔ یہ تنفر بڑھتے بڑھتے تعجب خیز اعتقاد کی حد کو پہنچ گیا اور انقلابی شورش انگیزوں کے خلاف امن و امان کی کما ینبغی حمایت کرنے کے لئے زیادہ پرجوش رجعت پسند طاقتوں میں روس، آسٹریا و پرشیا کے فیمابین ایک محالفہ قرار پا گیا جو تاریخ میں "محالفہ مقدس" کے نام سے مشہور ہے۔ بظاہر یہ محالفہ مقدس اس سے زیادہ

---

[1] یہ انتالیس سلطنتیں بنظر سہولت تین عنوانات میں تقسیم ہو سکتی ہیں؛

کچھ نہیں تھا کہ زار الگزنڈر، شہنشاہ فرانسس اور شاہ فریڈرک ولیم نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ کتاب مقدس کے احکام کے موافق حکومت کرینگے مگر چونکہ ان احکام کے متعلق یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ مطلق العنانی ورجعت پسندی کی تعلیم دیتے ہیں اس لئے "محالفہ مقدس،، کے معنی یہ لئے جانے لگے کہ، انقلاب جہاں کہیں بھی رونما ہو اس کا مقابلہ متحدہ قوت سے کیا جائے ؛

اسپین میں بازگشت کے بعد انقلاب کا واقع ہونا

نپولین کے زوال کے بعد یورپ جس نالائق خواب غفلت میں پڑ گیا تھا، اس سے چونکانے کے لئے سب سے پہلا انقلاب اسپین میں واقع ہوا۔ نپولین کے زوال کے بعد اس ملک میں معزول شدہ باربن بادشاہ فرڈیننڈ ہفتم واپس آگیا تھا۔ واپس آنے کے بعد اسے صرف ایک خیال دامنگیر تھا کہ وہ اپنے آباواجداد کے مطلق العنانہ حقوق کو دوبارہ حاصل کرلے پس اس نے بالقصد اس نظام سلطنت سے منہ موڑ لیا جسے اس کی عدم موجودگی میں محبان وطن نے قائم کیا تھا اور جسے ہمیشہ ۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس نے وہ روش اختیار کی جس سے دور نپولین کے تمام، اصلاحات منسوخ ہوجائیں، خانقاہیں پھر قائم ہوجائیں اور محبان وطن پر داروگیر جاری ہوجائے۔ آخرالامر ۱۸۲۰ء تک پہنچتے پہنچتے اس کی حکومت اس قدر ناقابل برداشت ہوگئی کہ آزاد خیالوں نے بغاوت کردی۔ بادشاہ دل کا نہایت کمزور تھا

نیپلز میں انقلاب

وہ فوراً اس طوفان کے سامنے جھک گیا اور ۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت کو بحال کردیا۔ رجعت پسند یورپ کو اسپین کی خبروں سے جو تعجب ہوا اور جسقدر غصہ آیا ابھی وہ فرو بھی نہیں ہوا تھا کہ اسپین ہی کے سے انقلاب نے نیپلز کی بادشاہت کی بنیادیں بھی ہلادیں موتمر وائنا نے نیپلز میں ایک دوسرے باربن بادشاہ کو نصب کردیا تھا جسکا نام بھی فرڈیننڈ تھا۔ یہ ایک نہایت کمزور طبیعت شخص تھا اور محض عوام کے احتجاج سے خوفزدہ ہوکر اس نے اسپین کا سا نظام سلطنت قبول کرلیا ؛

مٹرنک نے انقلاب کے فرد کرنیکے لئے یورپ کو آمادہ کیا

اسپین ونیپلز کے ان تہدید آمیز تحریکات کو دیکھکر آسٹریا کے

وزیر اعظم مٹرنک نے یورپ کی ایک موتمر طلب کی جو پہلے (سنہ ۱۸۲۰ء میں) ٹروپا اور اس کے بعد (سنہ ۱۸۲۱ء میں) لیباک میں جمع ہوی۔ ان مجالسِ مشورت میں اس نے دولِ عظام کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ آیا انقلاب کو روا رکھا جائے یا یہ زیادہ قرینِ عقل ہوگا کہ یورپ میں جہاں کہیں جائز بادشاہ کے حقوق پر حملہ کیا جائے اس میں مداخلت کی جائے۔ اس نے اپنے "محالفہ مقدس" کے دوستوں کی پشت پناہی سے ان موتمروں میں اپنی بات منوائی۔ یورپ نے انقلابات کے دبانے کی حکمت عملی کو باضابطہ منظور کر لیا اور اپنے آئندہ کے عمل کی ابتدا یوں کی کہ نیپلز میں (بقول مٹرنک) امن کے بحال کرنے کا کام آسٹریا کے سپرد کر دیا۔

آسٹریا نے نیپلز کے نظام سلطنت کا خاتمہ کر دیا

یہ توقع فی نفسہ خلاف قیاس تھی کہ اہل نیپلز، آسٹریا کے مقابلے میں ٹھیر سکیں چنانچہ آسٹروی فوج کے آتے ہی نیپلز کی آزادی پسند حکومت کے پرخچے اڑ گئے اور شاہ فرڈینیڈ بہ حیثیت مطلق العنان بادشاہ کے پھر بحال کر دیا گیا۔

فرانس نے اسپین میں مطلق العنانی کو بحال کیا

اس پہلی کامیابی نے مٹرنک اور اس کے رجعت پسند مویدوں کو اسقدر مسرور و محظوظ کیا کہ انھوں نے اس سے زیادہ کھیل کھیلنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک نئی موتمر میں جو (سنہ ۱۸۲۲ء میں) بمقام ورونا منعقد ہوی تھی انھوں نے اسپین میں مداخلت کرنے کا عزم کر لیا اور اس مرتبہ اپنے فیصلے کو عمل میں لانے کی خدمت فرانس کے سپرد کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فرانسیسی فوج نے شاہ فرڈینیڈ کو بحال کر دیا اور اس نے اپنے مطلق العنانہ طاقت کے واپس ملنے کا جشن یوں منایا کہ بے رحمانہ قتلوں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا۔ غرض رجعت پسندی نے یورپ پر اپنا تسلط بدستور جمائے رکھا۔

یونان کی حیات ثانیہ سنہ ۱۸۲۱ء

ادھر اس قسم کی مضحکہ انگیز تادیب سے مغرب کو مرعوب و ذلیل کیا جا رہا تھا، ادھر بہت دور مشرق میں ایک چھوٹے سے ملک نے جرأت کر کے یہ ثابت کر دینا چاہا کہ آزادی و حکومتِ خوداختیاری

ہر قوم کا ناقابل انفکاک حق ہے۔ اس چھوٹے سے ملک سے مراد یونان کی تاریخی سرزمین ہے، اس زمانے میں تو یونان کا نام تک دلوں سے تقریباً بالکل محو ہو گیا تھا کہ یکایک ۱۸۲۱ء میں اس قدیمی جزیرہ نما کے باشندوں نے ترکی حکومت کے خلاف (جنکی قابل نفرت غلامی میں وہ سیکڑوں برس سے جکڑے ہوئے تھے) متفقہ طور پر بغاوت کر کے تمام یورپ میں ایک استعجاب و جوش پیدا کر دیا۔ اس چھوٹی سی قوم کی اس گستاخی سے غضبناک ہو کر سلطان نے نہایت مذموم مظالم کو روا رکھا (چنانچہ بیس ہزار یونانی صرف جزیرۂ قیاس میں قتل کر دئے گئے) مگر یونانیوں نے ترکوں کے مظالم کا اسی بے جگری سے مقابلہ کیا جس طرح ان کے بزرگوں نے میریتھان اور تھرماپولی میں ایرانیوں کے حملے کو روکا تھا اور اگرچہ ان کو شکست ہو گئی مگر وہ مغلوب نہ ہو سکے۔

انگلستان، فرانس اور روس، یونان کی طرف سے دخل دیتے ہیں

اگرچہ اس موقعے پر ایک عیسائی قوم مسلمانوں کے خلاف لڑ رہی تھی مگر مدت تک یورپ کی حکومتوں نے اس کشمکش میں کوئی شرکت نہیں کی۔ یہ صحیح ہے کہ یورپ کے باشندوں نے بطور خود یونانیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جو حکمرانوں کے طرز عمل کے مقابلے میں بہت معزز و موقر معلوم ہوتا ہے بہت سے لوگوں نے رضاکارانہ طور پر یونان کی فوجوں میں شامل ہو کر یونانی تہذیب و تمدن کی مقدس سرزمین کے لئے اپنی دولت اور اپنی جانوں کو قربان کر دیا تھا مگر رضاکاروں کی اس قسم کی متفرق کوششیں کسی اہم معاملے کا تصفیہ نہیں کر سکتی تھیں اور حکومتیں بدستور ساکت و صامت تھیں۔ آخر انگلستان کے وزیر کیننگ نے زار نکولس کو (جو ۱۸۲۵ء میں الگزنڈر کے بعد تخت نشین ہوا تھا) اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ شامل ہو کر یونان کی جانب سے مداخلت کرے۔ کیننگ کی تجویز مداخلت میں فرانس نے بھی مدد دی اور جب مسلمانوں نے مغربی طاقتوں کے مطالبات کے منظور کرنے سے انکار کر دیا تو (۱۸۲۷ء میں) فرانس و انگلستان کے

متحدہ بیڑے نے حملہ کرکے مقام نویرنیو میں ترکی بحری طاقت کو بالکل غارت کر دیا۔

یونان کی آزادی کو تسلیم کرنے کیلئے روس سلطان کو مجبور کرتا ہے

سلطان نے اب یہ سمجھ لیا تھا کہ یونانیوں کو آزادی دینی پڑیگی مگر قبل اس کے وہ اس علانیہ طور پر خود کو پست کرنے کے لیے آمادہ ہوتا، زار نکولس نے تعویق وتاخیر سے بیچین ہو کر ۱۸۲۸ء میں سلطان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور ڈینیوب کے صوبوں پر حملہ کرکے ۱۸۲۹ء میں سلطان کو صلحنامہ ایڈریانوپل پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔ اس معاہدے کی رو سے سلطان نے جزیرہ نمائے بلقان کے خاص خاص صوبے یعنی سرویا مالڈیویا اور والیشیا میں عیسائی والیوں کا تقرر منظور کر لیا اور یونان کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔ اپنے اس زیر حمایت سلطنت یونان کے معاملات کے طے کرنے کیلئے دول کی ایک مجلس مستشار لندن میں منعقد ہوئی اور اس نے یہ طے کر دیا کہ یونان ایک آزاد بادشاہت ہو اور اسکا تاج، بویریا کے شہزادہ اوٹو کو عطا کیا گیا۔ یہی اوٹو یونان کا پہلا بادشاہ ہوا اور اس نے ۱۸۶۲ء تک حکمرانی کی۔

موتمر وائنا کے بعد یونان کی یہی خود مختاری یورپ میں آزادی کی پہلی فتح تھی اور یہی کامیابی انقلاب کے قدیمی وطن فرانس میں ایک بہت ہی بڑی ہوئی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہونیوالی تھی۔

فرانس میں خاندان باربن کی واپسی کے خطرات

جنگ واٹرلو دوسری مرتبہ خاندان باربن کو فرانس میں واپس لے آئی لیکن پہلی مرتبہ کی طرح اس دوسری بحالی کے وقت بھی ذی فہم اشخاص ہر جگہ اندیشہ مند تھے کیونکہ بد قسمتی سے شاہان باربن اور جلاوطن امرا، ان تمام قدیمی تعصبات کو لئے ہوئے واپس آئے جنھیں لیکر وہ ملک سے نکلے تھے۔ بقول نپولین انھوں نے دوسرے ممالک کی طویل اقامت کے دوران میں نہ کچھ سیکھا تھا اور نہ کچھ بھولے تھے۔

لوئس ہیژدہم نے ایک نظام سلطنت عطا کیا

خود سلطنتہائے متحدہ کے بادشاہوں کو اس امر میں بہت کچھ تردد تھا کہ خاندان باربن کی واپسی کہاں تک دانشمندی سے قرین تھی۔ بادشاہ کو صحیح راستہ پر چلانے کیلئے انھوں نے سرزمین فرانس سے روانہ ہونے کے قبل اس امر پر اصرار کیا کہ لوئس ہیژدہم آئینی طریق حکومت پر کاربند ہونیکا اقرار کرے۔ لوئس نے جو خوش نصیبی سے شاہی فریق میں سب سے زیادہ سمجھدار اور اعتدال پسند شخص تھا، بہت خوشی سے اسے قبول کر لیا اور ایک نظام سلطنت شائع کر دیا جسکے بموجب اسنے اس حالت کو قبول کر لیا جو انقلاب سے پیدا ہوئی تھی اور دو مجالس قانونی کے توسط سے عوام کو حکومت میں حصہ دینیکا یقین دلایا۔ ان دونوں مجلسوں میں ایک

ایوانِ امراٴ تھا اور دوسرا دارالوکلاء

چارلس دہم ۱۸۲۴ء–۱۸۳۰ء نے مطلق العنانی کے دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے

کچھ دنوں تک حکومت کا کام بہت اچھی طرح انجام پاتا رہا لیکن جب ۱۸۲۴ء میں لوئس ہیژدہم کا انتقال ہوگیا اور اسکے بجائے اسکا بھائی چارلس دہم تخت نشین ہوا تو صورتِ معاملات بہت تیزی کے ساتھ بدسے بدتر ہونے لگی چارلس دہم بہ حیثیت کاؤنٹ آرٹائس کے جلاوطن امراٴ کا سرگروہ رہچکا تھا اور جاگیرانہ گروہ جسقدر اس کی عظمت کو بلند و برتر سمجھا تھا اسیقدر عام قوم اس سے متنفر تھی۔ اب رجعت قہقری کے دورِ حکومت میں کوئی روک باقی نہیں رہی تھی منجملہ اور کارروائیوں کے ایک کارروائی یہ بھی ہوئی کہ دوران انقلاب میں امراٴ کے جو نقصانات ہوئے تھے انکی تلافی کے لیئے ایک کروڑ فرانک کی منظوری دیگئی۔ سب سے آخر میں یہ تجویز ہوئی کہ پریس کا منہ بند کردیا جائے اراکین دارالعلوم کی آواز روک دیجائے، لیکن اس حد پر پہنچکر دارالوکلا نے رجعتی کارروائیوں کی مزید خدمت سے انکار کردیا، پس ۱۸۳۰ء میں اسے برطرف کردیا گیا۔ اسکے بعد غیر ہردلعزیز وزیر اعظم ڈیوک پالگینک نے

جولائی کے احکام (سنہ ۱۸۳۰ء)

بادشاہ پر یہ زور دیا کہ جو بات قانون سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے وہ اسے اپنے حکم سے حاصل کرے چنانچہ ۱۶ر جولائی کو مہر شاہی سے مزین ہوکر چار احکام جاری ہوئے جن میں بلا کسی اصول و طریق کے رائے دہندوں کی فہرست کو محدود اور پریس کی آزادی کا خاتمہ کردیا گیا تھا۔ فی الاصل ان احکام سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بادشاہ نے قانونی ذرائع کو چھوڑ دیا ہے، نظام سلطنت کو منسوخ کردیا ہے اور دوبارہ مطلق العنانی اختیار کرلی ہے۔ سوال یہ تھا کہ آیا فرانس کے پاس ایسی عفریتانہ کوشش کا کوئی جواب ہے یا نہیں،،

پیرس میں جولائی والا انقلاب

۲۶ر جولائی کے چاروں احکام نے دارالسلطنت میں فوراً ہیجان و اضطراب پیدا کردیا طالب علموں اور مزدوروں کے غول سڑکوں پر گشت لگاتے اور نظام سلطنت کا نعرہ مارتے پھرتے تھے، مگر ان کے یہ نعرے بہت جلد زیادہ خطرناک آثار ظاہر کرنے لگے اب وہ یہ شور مچانے لگے تھے کہ ،، وزیروں کو نکال دو،، بار بنوں کو نکال دو،،

بادشاہ اسوقت سینٹ کلاؤڈ میں قیام پذیر تھا اور اپنی حفاظت میں اس نے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ شہر میں تھوڑی سی فوج تھی اس کی نسبت بہت جلد یہ ثابت ہوگیا کہ وہ مجمعوں کے روکنے کے ناقابل ہے، اور چند معرکوں کے بعد وہ ملک کے اندرونی حصوں میں چلی گئی اُس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ دارالصدر طوائف الملوکی کے نذر ہوگیا ہے ؛

اعتدال پسند لوئس فلپ کے سامنے تاج پیش کرتے ہیں

اس ابتری کی حالت میں طبقہ متوسط کے چند سر برآوردہ ارکان اس امر پر بحث کرنے کے لیئے جمع ہوئے کہ صورت موجودہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں کو ظلم و زیادتی اور بدنظمی دونوں سے یکساں نفرت تھی۔ ان کے خیال کے موافق فرانس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ ایک حقیقی آئینی بادشاہت تھی۔ اسلئے انھوں نے یہ قرار دیا کہ چارلس دہم اور اس کے ورثا کی معزولی سے وہ اتفاق کریں اور خاندان بار بن کی دوسری شاخ کے ہر دلعزیز سرگروہ لوئس فلپ (ڈیوک آرلینز) کو تاج پیش کریں۔ لوئس فلپ اس بدنام لوئس فلپ کا بیٹا تھا جس نے لوئس شانزدہم کے قتل کی موافقت میں رائے دی تھی اور ”ہول و تخویف،، کے دور حکمرانی میں خود اسے بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ لوئس فلپ جب نوعمر تھا تو اس نے انقلابی فوج میں خدمت کی تھی اور اگرچہ ۱۷۹۳ء میں اس نے فرانس کو چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد سے اس کا حال بہت کم سننے میں آیا تھا مگر یہ مشہور تھا کہ وہ طبیعت کا مضبوط اور آزاد اصولوں کا پسند کرنے والا شخص ہے۔ پیرس کے اعتدال پسندوں کی خودساختہ مجلس تاج پیش کرنے کے لیئے اس کے سامنے حاضر ہوی تو اُس نے اولاً از راہ تکلف اپنی کراہیت ظاہر کی مگر آخر میں لوگوں نے اسے اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ اسوقت تک کے لیئے عارضی طور پر تاج قبول کرلے جبتک کہ دارالوکلا جو ملک کا قائم مقام ہے، کوئی آخری فیصلہ نہ کرے ؛

لوئس فلپ فرانسیسیوں کا بادشاہ ہو جاتا ہے

دارالوکلا جمع ہوا تو اُس نے فوراً ہی تاج شاہی لوئس فلپ کے سامنے پیش کر دیا، لوئس اس سے پہلے ہی چند روز

قبل شہر میں آچکا تھا اور تین رنگوں کے نشان کو جو انقلاب کی نشانی تھی علانیہ قبول کر کے بہ حیثیت نائب ودلی کے حکومت کا کام عارضی طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب اس نے آخری قدم اٹھانے میں کچھ پس وپیش نہیں کیا۔ ایوان کی التجا پر اس نے باقاعدہ طور پر یہ حلف کیا کہ وہ نظام سلطنت پر کاربند رہے گا اور لوئی فلپ شاہ فرانسیس کا لقب اختیار کیا۔ اس خبر نے چارلس کی آخری امید پر برق خاطف کا کام دیا اور اس نے اب ملک کو چھوڑ دیا پس اس طرح فرانس نے حکومت میں ایک نئے تجربے کی بناڈالدی جو سلسلہ آرلینز کے نام سے منسوب ہے جس کے ہاتھ میں اب زمام حکومت آگئی تھی

جولائی کے انقلاب نے اپنی آواز بازگشت سے یورپ کو بیدار کردیا

اس اثنا میں پیرس کے جولائی کے انقلاب کی خبر بیرونی ممالک میں بھی شایع ہوگئی تھی۔ سترھویں صدی سے فرانس نے سیاسی خیالات کے بارے میں تمام یورپ کی رہبری کی حیثیت حاصل کرلی تھی اور جلوہ گاہ عالم پر اس کے ہر ایک فعل کو اس کے ہمسایے نہایت مشتاقانہ دلچسپی سے دیکھتے تھے۔ پس خاندان بار بن کے زوال اور قوم کی فتح سے اشتیاق آمیز امیدوں کی ایک لہر تمام ان اقوام میں دوڑ گئی جنھیں موتمر وائنا سے نقصان وصدمہ پہنچا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ بالآخر وہ وقت آگیا ہے کہ اس موتمر کی قرارداد پر ایک ضرب لگانے کی ہمت کیجائے۔ چنانچہ ۱۸۳۰ء ہی کے دوران میں اہل پیرس کی قائم کردہ مثال کی تقلید میں مختلف ممالک نے یکے بعد دیگرے آزادی وحکومت خود اختیاری کے لیئے آواز بلند کی۔

بلجیم میں انقلاب

سب سے زیادہ فوری حرکت فرانس کے شمال مشرقی ہمسایوں یعنی اہل بلجیم میں پیدا ہوی۔ وائنا کی چیرہ دستی کی کارروائیوں سے جن قوموں کو نقصان پہنچا ان میں غالباً اہل بلجیم کو سب سے زیادہ مصائب برداشت کرنا پڑے تھے۔ دکھانے تک کے لیئے بھی باشندوں سے کچھ استصواب نہیں کیا گیا اور وائنا میں ازخود یہ قرار دیدیا گیا کہ ملک بلجیم ، ہالینڈ کے ساتھ ملحق کردیا جائے۔ ہالینڈ وبلجیم کی ان

بدعزم سلطنتوں سے ملا کر شاہئے بلجیم قائم کیگئی اور اسے ڈچ کے قدیم خاندان آرنج کی حکمرانی میں دیدیا گیا اور اس سے یہ توقع کی گئی کہ وہ امن یورپ کے مفاد کے خیال سے امن کے پرانے خلل انداز (فرانس) پر نظر رکھے گا۔

ڈچ سے انشقاق اگست سنہ ۱۸۳۰ء

بہرحال اس اتحاد کیوجہ سے اہل بلجیم کو اول ہی دن سے پریشانیاں پیش آنے لگیں۔ انھوں نے اس سیادت کے خلاف جو اس کا شریک مغلوب یعنی ہالینڈ عمل میں لا رہا تھا تعرضات کیئے اور آخر الامر اپنے علحدہ انتظام کا مطالبہ کیا۔ جب شاہ ولیم نے ان دعووں کی مخالفت کی تو انھوں نے اگست سنہ ۱۸۳۰ء میں اہل پیرس کی تقلید کرنے کا عزم کر لیا، چنانچہ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے علم بغاوت بلند کر دیا، لیکن اس حد پر پہنچکر یورپ کی طاقتیں خائف ہوگئیں اور اپنی ایک مجلس مستشاء منعقدہ لندن میں یہ ارادہ کیا کہ اس معاملے میں مداخلت کرنا چاہئے "مخالفہ مقدس،، کے ارکان بہت خوشی سے خاندانِ آرنج کی تائید کرتے

بلجیم کو ایک خودمختار سلطنت بنا دیا گیا

مگر وہ خود اپنی فکروں میں سرگردان تھے اس لیئے انھوں نے بادل ناخواستہ فرانس و انگلستان کی تجویز سے اتفاق کر لیا کہ اہل بلجیم کو خودمختاری عطا کر دیجائے۔ یہ معاملہ جب بغیر مزید کوشش کے طے ہوگیا تو اس کے بعد طاقتوں نے اس امر کو منظور کر لیا کہ اہل بلجیم کی ایک موتمر ملک کے اندرونی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیلے۔ یہ موتمر جب (نومبر سنہ ۱۸۳۰ء میں) مجتمع ہوا تو اس نے اصولاً شاہی محدود کے اصول کا اعلان کر دیا اور اس کے بعد اپنے حسب حال نظام سلطنت کے تیار کرنے میں مشغول ہوگیا۔ جب کل معاملات درست ہوگئے تو اس نے جرمنی کے خاندان سیکس کوبرگ کے شہزادہ لیوپولڈ کو تاج شاہی پیش کیا اور لیوپولڈ نے شاہ اہل بلجیم کے لقب کے ساتھ سنہ ۱۸۳۱ء میں عملی طور پر حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شاہ لیوپولڈ (۱۸۳۱-۱۸۶۵) کی تعریف کرنا چاہئے کہ غیر ملکی ہونے کے باوجود وہ اس انداز سے چلا کہ اس نے اپنی اس نئی قوم میں اپنے کو اچھی طرح مقبول بنا دیا اور اس کی عاقلانہ حکومت میں

بلجیم کو وہ خوشحالی نصیب ہوئی جو اسپین کے پنجے میں پڑنے کے منحوس زمانے کے بعد سے کبھی میسر نہیں آئی تھی۔

جرمنی و اطالیہ

چونکہ وسطی یورپ کے دو ملکوں جرمنی و اطالیہ کے ساتھ سوتمر وائنا نے بہت ہی غیر فیاضانہ برتاؤ کیا تھا اس لئے یہ توقع ہونا چاہئے تھی کہ جولائی کے انقلاب کے متعلق ان ملکوں میں ہمدردی کی ایک وسیع تحریک پیدا ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے کہ وہ قومی اتحاد یا آزادی کسی سے بھی منتفع نہیں تھے اور ان کے بددل ہونے کے لئے ہر طرح کے اسباب موجود تھے مگر مختلف اسباب سے سنہ ۱۸۳۰ کے انقلاب کا اثر ان کے معاملات پر بہت ہی خفیف پڑا۔

جرمنی میں چھوٹی چھوٹی سلطنتیں آئینی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں

جرمنی میں ہر اہم ترقی کا انحصار ہر پھر کر پرشیا و آسٹریا دونوں بڑی سلطنتوں کے متعلق رہتا تھا لیکن قوم کی قدیم اطاعت پذیری کی عادت کی وجہ سے ان دونوں سلطنتوں نے اپنے رجعت پسند بادشاہوں کے خلاف بہت ہی کم حرکت کی۔ تاہم برنسوک، ہنیوور اور سیکسنی کی سی بہت سی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں آزادانہ نظام حکومت کے لئے شور بلند ہوا اور ہر موقعے پر حکمرانوں کو دیگر جدید طرز کی دستوری حکومت قائم کرنا پڑی۔ چونکہ جنوب جرمنی کی سلطنتوں میں جن میں بویریا، ورٹمبرگ اور بیڈن سب سے زیادہ ممتاز تھیں، خود بادشاہوں کی ذاتی مرضی سے سنہ ۱۸۱۵ کے بعد ہی آزادانہ نظام سلطنت قائم ہو گئے تھے اس لئے سنہ ۱۸۳۰ کے ہیجان کا اثر جرمنی پر صرف یہ ہوا کہ اس سال میں تمام چھوٹی چھوٹی جرمن سلطنتوں نے معقول آئینی ترقی کا اعلان کر دیا، صرف آسٹریا و پرشیا جو انکی قطری سرگروہ تھیں وہی اپنے فرسودہ مطلق العنانہ طرز پہ مصر رہیں۔

سنہ ۱۸۳۰ کا اطالوی انقلاب نتیجہ

جولائی کے انقلاب سے اگر اطالیہ میں کوئی بڑا ہیجان نہیں پیدا ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سنہ ۱۸۲۰ کی نیپلز کی منحوس شورش اور اس کے بعد آسٹریا کی مسلح مداخلت کی یاد ابھی دلوں میں تازہ تھی

اس کے بعد سے مٹرنک اس جزیرہ نما پر بہت گہری نظر رکھتا تھا اور ایک لمحے کی اطلاع پر اپنی لمبارڈی کے با محل موقعے سے ہر ایک مخل امن پر حملہ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ پس اس طرح آزاد خیالوں کو کہیں بھی کامیابی کے ساتھ ابتدا کرنے کا موقع نہیں ملا اور اطالیہ میں ۱۸۳۰ء کے انقلاب کا حاصل صرف اتنا ہوا کہ اہل آسٹریا سے نفرت بڑھ گئی؛

۱۸۳۰ء میں پولینڈ کی حالت

پولینڈ میں جیسی عظیم الشان بغاوت ہوی اس کو دیکھتے ہوئے جرمنی و اطالیہ کی شورش انگیزی محض بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ موتمر وائنا کے موقعے پر پولینڈ کو صرف جزوی طور پر بحال کیا گیا تھا۔ پرشیا و آسٹریا نے مناسب معاوضہ لیکر اپنی پولینڈ کی غنیمت کے بعض حصے روس کے حوالے کر دیئے تھے۔ زار الگزنڈر نے جو نہایت فیاض طبیعت شخص اور بدقسمت پولون پر بہت ہی مہربان تھا، اس حوالگی سے فائدہ اٹھا کر پولینڈ کی قدیم سلطنت کو کسیقدر مختصر حدود کے ساتھ پھر قائم کر دیا تھا اور روس میں اگرچہ وہ مطلق العنانہ حکومت کرتا تھا مگر سلطنت پولینڈ کو اس نے ایک نظام حکومت عطا کرکے یہ وعدہ کیا کہ اس ملک میں ایک آئینی بادشاہ کی حیثیت سے حکمرانی کریگا۔ اس کے تحت میں پولینڈ کا ایک جداگانہ نظم ونسق قائم ہوگیا اور اس کی ایک خاص فوج بھی مرتب ہوگئی۔ اس سے کچھ نہ کچھ اشک شوئی ضرور ہوگئی مگر بدقسمتی سے اس تفاخر پسند قوم کے لئے جسے یہ یاد تھا کہ اس کے موجودہ مالک روس کی جس زمانے میں صرف اتنی ہستی تھی کہ وہ برفستانی مسکوی کی ایک امارت تھی، اس زمانے میں پولینڈ ایک بڑی طاقتور سلطنت تھا، یہ انتظام کافی نہ تھا؛

بددلی

بددلی کی شکایتیں ہر طرف ہو رہی تھیں اور جب ۱۸۲۵ء میں عالی ظرف الگزنڈر کا انتقال ہوگیا اور اس کے بجائے اس کا سخت گیر و غیر ہر دلعزیز بھائی نکولس تخت نشین ہوا، تو اس دبی ہوئی بددلی میں کچھ اور ہی آثار نظر آنے لگے۔ نومبر ۱۸۳۰ء میں چند پرجوش نوجوانوں کے تحت میں دار الصدر وارسا نے یکایک بغاوت کر دی اور بقیہ ملک بھی

دارالصدر کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا، زیادہ دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ اہل پولینڈ خود اپنے ملک کے مالک ہو گئے اور انھوں نے وارسا میں ایک عارضی حکومت قائم کر لی ہو۔

اگر محض شجاعت و بسالت سے کام چلتا تو پول اب اپنی خود مختاری کو بچا لیجاتے مگر ان کو روس کی قواعد داں فوجوں سے مقابلہ کرنا تھا جن کی تعداد ان سے بدرجہا زیادہ تھی، پس ایک برس کی سخت مقاومت کے بعد انھیں مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنا پڑی اور "خاتمہ پولینڈ" کی جو صدا گزشتہ صدی میں بلند ہوئی تھی اس پر اب قسمت کی طرف سے مہر تصدیق لگ گئی ہو

بغاوت ناکامیاب رہی

زار نکولس نے پولینڈ پر جب دوبارہ قابو پایا تو اس نے ایسی قسی القلبی سے کام لیا کہ اہل پولینڈ کے لیے آئندہ انقلاب کا کوئی موقع ہی باقی نہ چھوڑا۔ اسے قطعی طور پر یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس کی زاید از ضرورت مہربانی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ اہل پولینڈ اس کے ساتھ اس خفیف الحرکتی سے پیش آئے اور اب وہ دوبارہ اس قسم کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بس اس نے یہ عزم کر لیا کہ پولینڈ کو روس کا ایک صوبہ بنا کر اسے روس میں مدغم کر دے پولوں کی زبان تک

پولینڈ کو روس نے قطعی طور پر ہضم کر لیا

کو روسی زبان سے بدل دینے کا حکم دیدیا گیا اور ان کے رومن کیتھولک مذہب کے بجائے یونان کے آرتھوڈکس مذہب کا قائم کرنا قرار پایا جس کا سرگروہ اعلیٰ خود زار تھا۔ پولینڈ پر اب ایک ہولناک ظلمت چھا گئی۔ وہ روس کے قدموں کے نیچے اس طرح پامال ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے اور منہ پہ مہر لگی ہوئی تھی تاہم اس میں جان باقی تھی اور اہل ملک اپنی قومی یادگاروں کو آجتک اپنے جان و دل میں جگہ دئے ہوئے ہیں ہو

باب ۳۲

انقلابات ۱۸۴۸ء

(الف) ۱۸۴۸ء کا فرانسیسی انقلاب

لوئیس فلپ (شہری بادشاہ) شاہ رعیت پسند

جس ملک نے ۱۸۳۰ء کی انقلابی تحریک کا آغاز کیا تھا یعنی فرانس وہ اس اثناء میں اپنی نئی قائم کردہ حکومت یعنی شاہان آرلینز کا تجربہ کر رہا تھا۔ یہ صاف عیاں تھا کہ اس بیباکانہ جدت طرازی کا کامیاب ہونا سب سے زیادہ نئے بادشاہ کے اخلاق اور اس امر پر منحصر تھا کہ اس میں بے شمار مخالفوں کے ہموار کرنے کی کہانتک قوت وصلاحیت ہے۔ بہ نظر اوّل لوئیس فلپ شاہی عہدے کیلئے ناموزوں نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ ایک زیرک و نیک نیت شخص تھا اور شاہی کے تکلفات وتصنعات سے بالکل مبرا تھا، مگر وہ جس حالت میں بادشاہ ہوا تھا وہ نہایت خطرناک حالت تھی کیونکہ اس وقت فرانس چار فریقوں میں منقسم تھا جن میں سے تین فریقوں سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ موجودہ حکومت کے ساتھ صلح آمیز روش اختیار کریں۔ حامیان بوناپارٹ، حامیان باربن (یعنی مدعیان اصول استحقاق) اور جمہوریت پسند فرقے اگرچہ آپس میں

نہایت ہی سخت اختلاف رکھتے ہیں مگر اُن کی ہستی ہی حکمرانی کے ایسے اصولوں پر مبنی تھی جو خاندان آرلینز کی حکمرانی کے بالکل منافی تھے۔ لہذا لوئس فلپ کے واسطے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وہ اس خاموش آئین پسند فرقے کے ساتھ ہمہ تن متفق ہو جائے جس میں زیادہ تر متوسط طبقے کے لوگ یعنی شہروں کے رہنے والے شامل تھے لیکن اس کارروائی سے اس نے اپنی ذات کو ملک کا نہیں بلکہ ایک خاص فریق کا سرگروہ بنادیا۔ اسی وجہ سے مخالفوں نے اسے ازراہ تمسخر شاہ رعیت پسند کہنا شروع کردیا اور لوئس کے اس فعل سے اس طبقہ کے لیئے ایک ناقابل انکار بنا پیدا ہو گئی ؎

حرفتی طبقوں کی ترقی۔ علاوہ ازیں ایک اور بھی غیر متوقع سبب ایسا پیش آگیا تھا جس کی وجہ سے اس زردار طبقہ متوسط کی یہ سرپرستی غالباً خطرات کا باعث ہو جانیوالی تھی یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ انیسویں صدی کا سب سے اہم معاشرتی واقعہ اس کی حرفتی ترقی ہے صنعت وحرفت کی ترقی سے شہروں میں بہت بڑی تعداد کاریگروں کی جمع ہو گئی تھی اور ذہنی ترقی نے اِن کاریگروں کو اس طرف راغب کردیا تھا کہ وہ تجارتی مجلسوں اور سیاسی جماعتوں میں متحد ہو کر اپنے سیاسی و معاشری مفاد کے لیئے روز افزوں مطالبات کرتے رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ اور محنت کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جس کا حل ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔ لوئس فلپ کے زمانے میں اس جنگ کا نیا نیا آغاز ہوا تھا اور چونکہ یہ ایک نئی اور عجیب وغریب صورت پیدا ہو گئی تھی اس لیئے لوئس کی حکومت اس سے بہت خائف ہو گئی تھی۔ وہ نہیں سمجھتی تھی کہ ان پرجوشوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے جو اپنے کو اشتراکی (Socialist) کہتے اور ہر قسم کی ہمدردی آمیز مگر خطرناک تجویزیں پیش کرتے رہتے تھے۔ لوئس فلپ نے اگر ان لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا تو عملی حیثیت سے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے مگر اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ اس طرح پر وہ

فرانس کی تمام مزدوری پیشہ آبادی کو اپنے سے منقطع اور جمہوریت پسندوں کے ساتھ شامل کر رہا تھا۔

بادشاہ کے مشیر گیزو و تھیرس

چونکہ لوئی فلپ نے طبقۂ متوسط کو لازمی طور پر فوقیت دے رکھی تھی اس وجہ سے اس کا تمام دور حکومت (۱۸۳۰-۱۸۴۸) اہل شہر کی حکمرانی کا زمانہ کہلاتا ہے اور بادشاہ کے زیادہ سربرآوردہ مشیروں میں اسی طبقے کے لوگ داخل تھے۔ متوسط طبقے کے کفایت شعار اشخاص کے عام طرز کے موافق ان لوگوں کے تجاویز بھی بہ حیثیت مجموعی ایمانداری اور نیکی پر مبنی ہوتے تھے مگر تعصب و تنگدلی سے کبھی کبھی اُن کی صورت بظاہر بگڑ جاتی تھی۔ دارالوکلا کے سرگروہ گیزو اور تھیرس تھے۔ یہ دونوں اپنے زمانے میں اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے نہایت ممتاز تھے اور دونوں حب الوطنی کے جوش سے یکساں طور پر بھرے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے مسلمہ حریف ہوگئے اور انھوں نے ایوان کو اپنے پیروؤں کے درمیان تقسیم کر لیا تھا اور پیہم ایک دوسرے کے بعد وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوتے رہے۔ دونوں یکساں طور پر اس عزم پر جمے ہوئے تھے کہ لوئی فلپ کا ساتھ دیتا اور مدعیان اصول استحقاق حامیان بوناپارٹ اور جمہوریت پسندوں کا پوری طرح مقابلہ کرنا چاہیئے مگر رائے دہندوں کی توسیع کے اہم مسئلے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے تھے۔ یہ مسئلہ سال بسال زیادہ نمایاں ہوتا جاتا تھا اور آخر یہی مسئلہ ایک نئے انقلاب کا باعث ہوگیا۔

حق رائے دہی کی وسعت کا سوال

حق رائے دہی کی حالت بہت ہی بے جوڑ سی تھی کیفیت یہ تھی کہ تین کروڑ کی آبادی میں صرف دو لاکھ رائے دینے والے تھے کیونکہ رائے دہی کے لیئے بہت بڑے صاحب جائداد ہونے کی شرط تھی۔ ایسی خلاف قیاس حالت کے متعلق عوام کی بددلی کے آثار بہت تیزی کے ساتھ نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ حامیان خاندان آرلینز کی جماعت میں عوام کے متعلق تھیرس کا

جوش ہمدردی اکثر سے بڑھا ہوا تھا اور اس نے حق رائے دہی کی وسعت کے لیئے ایوان میں بار بار تجویزیں پیش کیں۔ ۱۸۴۷ء میں گیزو وزیر اعظم تھا وہ جسقدر معزز و موقر تھا اسی قدر سنگدل بھی تھا وہ ان کے مطالبات کے سننے کا بھی روادار نہ تھا اس وجہ سے تھیرس اور اس کے دوستوں نے عام رائے کو حرکت میں لانیکا تہیہ کر لیا تاکہ اس طرح پر وہ وزیر کو مجبور کر سکیں۔ انھوں نے تمام ملک میں سیاسی مجلسیں منعقد کیں جنکے ساتھ ضیافتیں بھی ہوتی تھیں؛ اور ۲۲ فروری ۱۸۴۸ء کی تاریخ پیرس میں ایک اسی قسم کی اصلاحی دعوت کے لیئے مقرر کی۔ جب اس کے انتظامات میں پولیس نے مداخلت کی تو جلسے کی رائے ترک کر دیگئی لیکن اس تقریب کے لیئے جو بہت بڑا مجمع ہوگیا تھا وہ سڑکوں پر گشت لگانے اور گیزو کے معزول کیئے جانے کا شور مچانے لگا۔

خاندان آرلینز کی شاہی کی شکست فروری ۱۸۴۸ء

دوسرے روز (۲۳ فروری کو) بادشاہ نے وزارت کو برطرف کر دیا اور فریق مخالف کو ہموار کرنے کی کوشش کی مگر سپاہیوں کے ایک گروہ نے عوام پر بندوقیں چلادیں جس سے پچاس آدمیوں کے قریب مجروح و مقتول ہوئے۔ اس سے عوام کا جوش پھر بھڑک اٹھا۔ مکانات تباہ کر دیئے گئے اور ٹیولیریز کو مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ آخر لوئس فلپ نے یہ خیال کر کے کہ شجاعت کا بہترین اقتضاء حزم و احتیاط ہے ۲۴ فروری کو دار الصدر سے راہ فرار اختیار کی اور جس طرح اٹھارہ برس قبل چارلس دہم نے انگلستان میں پناہ لی تھی اسی طرح وہ بھی وہیں جاکر پناہ گزیں ہوا۔

اگر اس موقع پر آئین پسندوں نے جنھیں ایوان میں پوری طرح غلبہ حاصل تھا مردانہ وار مقابلہ کیا ہوتا اور لوئس فلپ کے نوجوان پوتے کاونٹ پیرس کی جانشینی کا اعلان کر دیا ہوتا تو شاہی طریق حکومت اب بھی برقرار رہجاتا، لیکن جب غوغائی پارلیمنٹ کے ہال میں گھس آئے تو خوفزدہ ارکان نے سپر ڈالدی اور بھاگ نکلنے ہی میں اپنا مفر سمجھا۔ پس اس طرح

یہ غوغائی جن کا سرگروہ لیمرٹائن شاعر تھا ہر اعتبار سے حاوی ہوگئے اور عجلت سے کام لیکر جمہوریت کا اعلان کردیا اور ایک عارضی حکومت مقرر کردی جس کی روحِ رواں لیمرٹائن تھا۔

قیام جمہوریت مع ایک عارضی حکومت کے

پس اس طرح ۲۴ فروری کو میدان جمہوریت پسندوں کے ہاتھ رہا لیکن ایک متحد و متفق جماعت کیطرح کام کرنا ان سے بہت بعید تھا کیونکہ اس جمہوریت پسند فریق میں اشتراکیوں کا جزو بہت اہم تھا اور یہ امر اول ہی سے ظاہر تھا کہ وہ اس کے روادار نہیں کہ کثرت میں جذب ہوکر اپنی ہستی کو کھودیں۔ انھوں نے عارضی حکومت میں نمائندگی حاصل کی اور فوراً ہی یہ مطالبہ کیا کہ ان کے حسب خیال دنیا کو بہشت بنا دینے والے طریق حکومت کا اعلان کردیا جائے۔ عارضی حکومت کو یہانتک دبنا پڑا کہ اس نے "استحقاق کار" اور "قومی کارخانوں" کا اعلان کردیا جہاں پیرس کے بے روزگار اشخاص کے لیئے سلطنت کی طرف سے وجہ معاش مہیا کرنے کی ذمہ داری کی گئی تھی۔

اشتراکیوں کے مطالبات

اس دوران میں قومی مجلس کے انتخاب کا حکم بھی جاری ہوگیا تھا تاکہ نئی جمہوریت کی صورت حال کے جزئیات طے کیئے جائیں۔ یہ مجلس مئی ۱۸۴۸ء میں جمع ہوئی اور اس نے زمام حکومت فوراً ہی اپنے ہاتھ میں لیکر لیمرٹائن کی عارضی حکومت کو برطرف کردیا۔ چونکہ اس مجلس میں زیادہ تر مفصلات کے فہمیدہ محب وطن جمہوریت پسند اشخاص داخل تھے اس لیئے مجلس کو شہر کے اس اشتراکی گروہ سے سخت تنفر ہوگیا جو سلطنت پر حاوی ہونا چاہتا تھا اس لیئے وہ عزم و استقلال کے ساتھ اس امر پر آمادہ ہوگئے کہ مروجہ ابتریوں کا خاتمہ کرکے پیرس کو پھر قانون و وقار پسندی کا حامی بنائے۔ شہر میں فوج بہت کثیر تعداد میں جمع کیگئی اور اس کے بعد بڑے بڑے فتنہ انگیزوں کو قید کرلیا گیا اور آخرالامر (جون میں) مجلس نے ان مشکلات کے اصل منبع پر حملہ کیا یعنی "قومی کارخانوں" کو بند کردیا۔

جمہوریت پسند بمقابلہ اشتراکین

اشتراکیوں کی مغلوبیت جون ۱۸۴۸ء

اس حد پر پہنچکر اشتراکی اپنی قیام گاہوں میں مسلح ہوکر جم گئے اور (۲۳ سے ۲۶ جون تک) چار دن سپہ سالار کیوگنیک کی فوجوں سے (جو اس نازک موقع پر آمر مطلق مقرر کیا گیا تھا) جانبازانہ مقابلہ کرتے رہے۔ پیرس اگرچہ شورشوں اور ہنگاموں کے دیکھنے کا عادی ہوگیا تھا مگر سڑکوں پر اس وقت کی سی وسیع جنگ آزمائی کا اُس نے بھی کبھی نظارہ نہیں کیا تھا۔ اشتراکی اس وقت تک مغلوب نہیں ہوئے جبتک کہ دس ہزار آدمی مجروح و مقتول ہوکر سڑکوں پر گر نہ گئے ؎

نیا جمہوری نظام سلطنت

مجلس قومی کو آخر کار بے رو د کد اختیار حاصل ہوگیا اور اس نے اب اپنی توجہ جمہوری نظام سلطنت کے مرتب کرنے پر مبذول کی۔ اس نے یہ قرار دیا کہ وضع قوانین کے فرائض ایک ہی ایوان کے سپرد ہوں جس کے انتخاب کا حق بلا استثنٰے ہر شخص کو عطا ہو عاملانہ کاموں کا انتظام اس نے ایک پریسیڈنٹ (رئیس) کے سپرد کیا جسے چار برس کے لئے قوم براہ راست منتخب کرے جب مجوزۂ بالا نظام سلطنت تیار ہوگیا تو مجلس نے ۱۰ دسمبر ۱۸۴۸ء کو رئیس جمہوریہ کے انتخاب کا حکم دیا، اور یورپ نے

لوئی نپولین رئیس جمہوریہ

حیرت سے دیکھا کہ کیوگنیک کو جو گزشتہ مہینوں میں سب سے پیش پیش نظر آرہا تھا نسبتاً بہت کم رائیں حاصل ہوئیں اور بہت زیادہ رائیں شہزادۂ لوئی نپولین کے حق میں آئیں ؎

لوئی نپولین کے انتخاب کے خطرات مخفی

شہزادۂ لوئی نپولین، نپولین اعظم کا بھتیجا اور نپولینی روایات کا وارث تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جلاوطنی میں بسر کیا تھا اب ۱۸۴۸ء کا انقلاب اس کی واپسی کا وسیلہ بن گیا۔ اس نے اگر اس موقع پر انتخاب میں حیرت انگیز فتح حاصل کرلی تو یہ خود اُس کی کسی ایسی خوبی و قابلیت کا نتیجہ نہیں تھا جس سے لوگ واقف ہوں بلکہ یہ اثر نام تر اس کے مشہور زمانہ چچا کے امتیاز و اعزاز کا تھا، بہرحال اس مدعی شہنشاہی کے انتخاب سے یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ فرانس میں اگرچہ نظام جمہوریت قائم ہوگیا تھا مگر قوم کا حصہ کثیر ابھی تک اصول شاہی کا حامی و مؤید تھا۔

وسطی یورپ، فرانس کی قائم کردہ مثال کی پیروی کے لئے تیار ہو گیا۔

(ب) ۱۸۴۸ء کے جرمن، آسٹروی و اطالوی انقلابات

جرمنی و اطالیہ اپنی کمزوری اور آپس ہی کی پھوٹ کیوجہ سے ۱۸۳۰ء تک رجعتی اثرات کے جولانگاہ رہے، لیکن چونکہ آزادی و قومیت کے خیالات جنھیں شعرا اور دیگر اہل قلم نشو و نما دیرہے تھے برابر ترقی کرتے جاتے تھے اس لئے ۱۸۴۸ء کے پیرس کے انقلاب کی خبر نے اس کے دونوں مشرقی ہمسایہ ملکوں میں بھی آگ لگا دی۔

وائنا و برلن میں آئینی حکومت کی فتح و ظفر مارچ ۱۸۴۸ء

جرمنی میں مارچ کے مہینے میں کسی جگہ انقلابات کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آسٹریا و پرشیا کے پایۂ تخت وائنا و برلن میں انقلابات نے خاص اہمیت پیدا کر دی کیونکہ انھیں دونوں شہروں کی تحریکات کی وجہ سے مطلق العنانی کا خاتمہ ہو کر اسکے بجائے آئینی حکومت قائم ہوئی۔ پس اس طرح آزادی پسند فریق کو اپنی تجویز کامل کا نصف مقصود تو فوراً ہی حاصل ہو گیا یعنی آئینی طریق حکومت کو فتح حاصل ہو گئی۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ اب اس فریق نے اپنی توجہ دوسرے نصف حصے یعنی اتحاد قومی کی طرف مبذول کر دی۔ ملک کی ترقی کے عناصر نے یہ عزم کر لیا کہ جرمنی کو ضرور بالضرور متحد کر لیا جائے۔ اسی اتحاد کے قائم کرنے کے لیے اب جرمنی کی عام پارلیمنٹ طلب کی گئی۔

اتحاد کی خواہش، جرمن پارلیمنٹ

یہ جرمن پارلیمنٹ جس کے انتخاب میں بلا استثنا ہر شخص کو رائے دہی کا حق دیا گیا تھا مئی ۱۸۴۸ء میں بمقام فرینکفرٹ (واقع مین) مجتمع ہوئی۔

جرمن پارلیمنٹ کی نوعیت

اس میں زیادہ تر ملک کے نہایت ہی ممتاز لوگ شامل تھے اور جرمنی کے متحد کرنے کے لئے سب کے دل جوش سے بھرے ہوئے تھے لیکن دیرپا کارروائیوں کے لئے محض قابلیت اور جوش سے کام نہیں چل سکتا۔ دل و دماغ جس شے کا تصور قائم کرتے ہیں اسے عمل میں لانے کے لئے قوت کی ضرورت ہوتی ہے پس جرمن پارلیمنٹ کے سامنے یہ اہم سوال نہ تھا کہ آیا اس میں اس کام کو دانشمندی کے ساتھ

پورا کرنے کی قابلیت بھی ہے یا نہیں بلکہ سوال یہ تھا کہ اسے اتنی طاقت بھی حاصل ہے یا نہیں کہ جن تغیرات کے لیئے وہ رائے قائم کرے اسے عمل میں بھی لاسکے، بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ وہ اپنے اس دعوے کو صحیح ثابت کرسکتی ہے یا نہیں کہ جرمنی میں اسی کو حکمراں جماعت کا اقتدار اعلیٰ حاصل ہے؛

پارلیمنٹ اور حکومتوں کے درمیان کشمکش کا ہونا یقینی تھا

ابتدائی چند مہینوں تک تو جرمن پارلیمنٹ کو مشکلات کا سامنا نہیں ہوا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہ آسٹریا اور شاہ پرشیا نے اپنا اپنا اقتدار اعلیٰ اس جمہوری جماعت کے حوالہ کردیا ہے جو فرنیکفرٹ میں نشست کرتی ہے، لیکن سوچنا یہ ہے کہ بالفرض وائنا و برلن میں عوام کا دباؤ اور اثر کم ہو جائے اور اس صورت میں ان دونوں جلیل القدر بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ بھی پارلیمنٹ کے فیصلے کے قبول کرنے سے انکار کردے تو پھر صورت معاملات کیا ہوگی۔ اس وقت اختیارات میں ایک ایسا تصادم پیدا ہو جائیگا جس سے یہ موقع ہوگا کہ نئی قومی مجلس اور پرانی شاہی حکومتوں کی باہمی قوت کے فیصلہ کا وقت آجائیگا۔

شلسوگ اور ہالسٹین کا معاملہ

شلسوگ، ہالسٹین کے معاملے کی پیچیدگی سے اس امتحان کا موقع آگیا اور بہت جلد آگیا۔ شلسوگ اور ہالسٹین کی دونوں امارتیں جزیرہ نما جٹلینڈ کے جنوبی نصف حصے پر محتوی ہیں اور انکی آبادی میں زیادہ تر جرمن زبان بولنے والے آباد ہیں۔ یہ دونوں امارتیں اس زمانے میں ایک شخصی اتحاد کی وجہ سے ڈنمارک سے متحد تھیں یعنی اُن کا ڈیوک، ڈنمارک کا بھی بادشاہ تھا لیکن بایں ہمہ ان کے قوانین بالکل جداگانہ تھے اور ان کو بہت شدت کے ساتھ یہ خیال تھا کہ شاہ ڈنمارک ان قوانین پر عمل پیرا رہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے یہ امر مسلم معلوم ہوتا تھا کہ ڈنمارک کے شاہی خاندان کے سلسلۂ ذکور کا خاتمہ ہو جائیگا۔ ڈینی قانون کے بموجب اس صورت میں تاج سلسلۂ اُناث کی طرف منتقل ہو جاتا مگر شلسوگ ہالسٹین کے قانون کے موافق وراثت سلسلۂ ذکور کی دوسری شاخ کیطرف منتقل ہو جانا چاہیئے تھی

دونوں امارتوں کی شورش ۱۸۴۸ء	اس انفکاک کے خوف سے ۱۸۴۶ء میں شاہ ڈنمارک نے شلسوگ ہالسٹین کے لیئے ایک نیا قانون وراثت شائع کیا جسکی رو سے ڈنمارک اور ان دونوں امارتوں کا اتحاد ہمیشہ کیلیئے

مستحکم ہو جاتا اس سے ان دونوں امارتوں میں جو بددلی پیدا ہوئی وہ نہایت عام ہو گئی ۱۸۴۸ء میں شلسوگ نے یورپ کی عام ابتری سے ہمت حاصل کر کے دلیری کے ساتھ ڈینز کے جوئے کو اپنے کندھوں سے پھینکدیا۔ چونکہ

جرمنی پارلیمنٹ مدد کرتی ہے	انھوں نے بہ حیثیت جرمن کے فرینکفرٹ کی پارلیمنٹ سے مدد کی درخواست کی تھی اس لیئے وہ جماعت جو جرمنی کی
پرشیا جداگانہ صلح کر لیتی ہے اگست ۱۸۴۸ء	نمائندگی کر رہی تھی اس التجا سے اغماض نہیں کر سکتی تھی اس نے پرشیا اور چند اور شمالی سلطنتوں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں کو ان امارتوں کی طرف بڑھائیں اور جرمنی

کے نام سے ڈینز کو وہاں سے نکال دیں۔

پارلیمنٹ، پرشیا سے دبگئی	یہ کام بہت جلد پورا ہو گیا کیونکہ قوم ڈینز کچھ زیادہ طاقتور قوم نہیں تھی لیکن ڈینز نے اس کا عوض یہ لیا کہ بحر بالٹک

میں پرشیا کے جہازوں کے سلسلۂ آمد و رفت کو برباد کر دیا۔ شاہ پرشیا اسے کچھ دنوں تک برداشت کرتا رہا مگر جب موسم گرما میں اسے یہ معلوم ہوا کہ جرمنی میں انقلاب کی رفتار سست ہو گئی ہے تو اس نے جرمن پارلیمنٹ سے مشورہ کیئے بغیر (۲۶ اگست ۱۸۴۸ء کو) ڈینز کے ساتھ معاہدہ مالمو پر دستخط کر دیئے جس کے بموجب عملاً شلسوگ ہالسٹین کی بہادر قوم پھر اپنے ڈینی مالکوں کے حوالے کر دی گئی۔ پارلیمنٹ کو جب اس کارروائی کا علم ہوا تو وہ اس نافرمان پادشاہ سے نہایت غضبناک ہو گئی۔ کچھ دنوں تک خانہ جنگی کا چرچا ہوتا رہا لیکن یہ چرچا بہت جلد فرو ہو گیا اور پارلیمنٹ نے جب دوبارہ غور کیا تو اس نے پرشیا کی تمام کارروائیوں کو تسلیم کر لیا۔ اس تمام مرحلہ کا ماحصل یہ تھا کہ پرشیا کے پاس فوج تھی اور پارلیمنٹ کے پاس کوئی فوج نہ تھی۔ لیکن اس واقعے سے پرشیا کو پارلیمنٹ کے حقیقۃً بے بس ہونے کا

پتہ چل گیا۔ پس سوال یہ تھا کہ کیا دوسری حکومتوں کو بھی بہت جلد اس کا علم نہ ہو جائے گا۔ درحقیقت مقامی حکومتوں میں آہستہ آہستہ ہمت آتی گئی اور ۱۸۴۸ء کے ستمبر ہی میں یہ عیاں ہو گیا کہ فرینکفرٹ کی پارلیمنٹ محض ایک خوشنما طلسم ہے ۔

ادھر جرمنی، مقامی انقلابات، فرینکفرٹ کی قومی پارلیمنٹ اور شلسوگ ہالسٹین کی جنگ کی طرف لوگوں کے خیالات مائل تھے اُدھر اطالیہ میں سسلی سے آلپس تک اسی قسم کے سیاسی خیالات سے ایک حرکت پیدا ہو گئی تھی کیونکہ وائنا کے انقلاب کی پہلی ہی خبر پر ملان و وینس، آسٹریوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، انکی فوجوں کو نکال دیا اور (مارچ ۱۸۴۸ء میں) اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے عارضی حکومتیں قائم کریں۔ چارلس البرٹ (شاہ سارڈینیا) اور دوسری اطالوی حکومتوں سے یہ درخواست کی کہ وہ غیر ملکی ظالموں کے خلاف انکی مدد کریں۔ چونکہ انقلابی جوش اس سے قبل ہی ٹسکینی، روما اور سسلی اور دوسری سلطنتوں میں پھیل چکا تھا اور آزادانہ خیالات کو ہر جگہ نمود و غلبہ حاصل ہو گیا تھا اس وجہ سے تمام اطراف سے فیاضی کے ساتھ امداد کے وعدے ہونے لگے اور ۱۸۴۸ء کے موسم بہار میں اطالیہ کی فوجیں جو اس جزیرہ نما کے ہر ایک صوبے سے مجتمع ہوئی تھیں دریائے پو کے وسطی حصے کے قریب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئیں اور اپنے ستانیوالوں کے خلاف تمام اطالیہ کی جس جنگ کا اندیشہ تھا وہ بالآخر شروع ہو گئی ۔

ملان و وینس آسٹریا کے خلاف بغاوت کرتے ہیں مارچ ۱۸۴۸ء

اطالیہ مدد کا عزم کرتی ہے

اہالیان لمبارڈی و وینس کی مدد کے لئے جو مختلف الجنس فوج اس تیزی کے ساتھ جمع ہو گئی تھی اس کی کمان چارلس البرٹ شاہ سارڈینیا نے اپنے ہاتھ میں لی۔ چونکہ وہ اطالیہ کے سب سے قدیم حکمران خاندان یعنی سیوائی کے گھرانے کا سرگروہ تھا اور

آسٹریا شاہ سارڈینیا اور اسکے اطالوی حلیفوں کو پامال کر دیتے ہیں

اس نے اپنے اہل ملک کی آئینی و قومی امنگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا اس لئے تمام اہل اطالیہ کی نظر بالطبع اسی کیطرف اٹھتی تھی مگر ۲۵ رجولائی ۱۸۴۸ء کو کسٹوزا کے معرکے میں آسٹریوں کو فتح ہوگئی اور اطالیہ کی فوجوں کو منتشر کرکے سیدھے ملان پہنچکر دوبارہ اس شہر میں داخل ہوگئے اس شکست سے دل برداشتہ ہوکر چارلس البرٹ سلطنت سے دست بردار ہوگیا اور (مارچ ۱۸۴۹ء میں) اس کا بیٹا مشہور امانوئل دوم اس کا جانشین ہوا۔ جب نوجوان وکٹر امانوئل نے صلح کرلینے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی تو آسٹریا نے جسے دوسری اطراف میں کافی پریشانی درپیش تھی کوئی عذر نہیں کیا۔ اس صلح نامے کے موافق سارڈینیا پڈ مانٹ کے شکست خوردہ بادشاہ کو کچھ رقم تاوان کے طور پر آسٹریا کو ادا کرنی پڑی مگر اس کے ملک کے ایک فٹ کا بھی نقصان نہیں ہوا ؎

سارڈینیا صلح کرتی ہے

لمبارڈی وونیس دوبارہ فتح کیئے گئے

اس دستاویز پر دستخط ہونے کے قبل ہی آسٹریا نے لمبارڈی پر دوبارہ اپنا تسلط جمالیا تھا اور اب اہل وینس کو انکی دیرانہ مقاومت کے بعد پھر مغلوب کرلیا۔ پس مارچ ۱۸۴۸ء کی امید افزا بغاوت کے بعد ایک برس سے کچھ ہی زیادہ زمانہ گزرا تھا کہ شمالی اطالیہ پھر آسٹریا کے سپاہیوں کے قدموں کے نیچے آگئی لیکن اس پر بھی اس جنگ سے اہل اطالیہ کو کچھ نہ کچھ نفع ہی ہوا۔ اس دردناک معیبت نے انھیں یہ سبق دیدیا کہ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے سچے حق میں غالب آئیں تو انھیں ایک دوسرے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملاکر کھڑا ہونا چاہیئے، اور اپنی فوجی یکجائی و معیت کی وجہ سے (جو یا وجود تسبا ہی کے بھی ایک مقدس فرض تھا) ان کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوگیا تھا کہ ان کے اتحاد کا فطری مرکز خاندان سیوائے ہے ؎

وسط وجنوب میں آزادی پسندوں نے عارضی بہ نکے بعد رجعت شروع ہوگئی

جس اثناء میں سارڈینیا شمال میں ملان و وینس کے لیئے

ایک فضول جنگ میں مشغول تھی، اسی زمانے میں ٹسکینی، روما اور نیپلز کی وسطی و جنوبی سلطنتوں میں انقلاب نے زلزلہ برپا کیا تھا، ہر جگہ آزادی پسندوں کو کچھ زمانے کے لئے کامیابی حاصل ہوگئی تھی مگر جب آسٹریوں کو شمال میں غلبہ حاصل ہوگیا تو پھر اس بازگشت کا اثر لابدی طور پر جنوب پر بھی پڑا اور بہت تیزی کے ساتھ پرانے چھوٹے خودسر حکمران پھر اپنی جگہوں پر واپس آگئے۔ انقلاب و رجعت کے اس کھیل نے صرف روما میں ایسی صورت اختیار کی جو توجہ کے لائق ہے۔

پوپ پائس نہم، دہری بلا میں پھنس گیا۔

پائس نہم جو ایک بہت ہی راستباز اور قابل شخص تھا اور جس نے اپنے متعدد فیاضانہ کاموں سے اپنی رعایا کی خوشنودی حاصل کر لی تھی ۱۸۴۸ء میں وہی مقتدائے اعظم اور کلیسا کی ریاستوں کا حکمران تھا۔ آزادی پسند فریق کے ساتھ اس نے کسی قدر ہمدردی کا اظہار کیا اور انقلاب کی پہلی ہی ہلچل میں اپنی قوم کو آئینی طریق حکومت عطا کر دیا، لیکن جب اطالیہ کے تمام حصص کے ساتھ شریک ہو کر آسٹریا کے خلاف قومی جنگ کرنے کا وقت آیا، تو وہ قدم بڑھانے سے رک گیا۔ اس کی حجت یہ تھی کہ پوپ تمام دنیا کے لئے ایک ہے اور اس کے لئے یہ نہایت ہی مذموم و غیر ممکن العمل کارروائی ہے کہ وہ عیسائیوں کے ایک گروہ کو ہمراہ لیکر دوسرے عیسائیوں کے قتل کا مرتکب ہو۔ دوسری طرف اہل ملک کا یہ عام دعویٰ و استدلال بھی بظاہر ایسا ہی قوی معلوم ہوتا تھا کہ اطالیہ کا وہ حکمران جو ملک کے ستانے والوں کے زیر کرنے میں کسی قسم کی مدد نہ دے وہ ایک غدار سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پوپ پر اب یہ ظاہر ہوا کہ وہ اپنی اس روحانی و دنیاوی حکمرانی کی دہری حیثیت کی وجہ سے کس مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اس پیچیدگی میں پڑ کر اس نے متضاد کارروائیاں اختیار کیں لیکن اہل شہر جنکا جوش آسٹریا کے خلاف اپنے لمبارڈی کے بھائیوں کو مدد دینے میں بہت بڑھا ہوا تھا اس شدت سے غضبناک ہوگئے کہ پائس نہم

کو آخر شہر سے بھاگنا پڑا اور اس نے ۲۴ نومبر ۱۸۴۸ء کو نیپلز میں پہنچکر پناہ لی۔ اس طرح روما بالکل انقلابیوں کے ہاتھ میں آگیا جو مشہور شورش انگیز مزینی کے سرگروہی میں تھے۔ انھوں نے مزینی ہی کے اشارے سے یہ اعلان کردیا کہ پوپ کے دنیاوی اقتدارات زائل ہو گئے اور ۹ فروری ۱۸۴۹ء کو پوپ کی مملکت کو ایک سلطنت جمہوری مشتہر کر دیا گیا۔

جمہوریۂ رومن

مزینی کی اس نئی جمہوریہ رومہ کے برقرار رہنے کی کسی قسم کی حقیقی توقع بالکل نہیں ہو سکتی تھی۔ پاپائے مقدس کے ساتھ اس قسم کے سلوک سے تمام دنیا کے رومن کیتھولک ہیبت زدہ ہو گئے، اور جمہوریۂ فرانس کا نیا پریسیڈنٹ (رئیس) لوئس نپولین بہت خوش ہوا کہ روما کے ان واقعات سے اسے رومن کیتھولک پادریوں اور فرانس کے کسانوں پر احسان جتانے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ مارچ میں آسٹریوں نے اہل پڈمانٹ کو مقام نویرا میں شکست دیدی اور اپریل میں نپولین نے ایک فوج روما کو روانہ کی کہ مزینی اور اس کے حامیان جمہوریت سے شہر کو پاک کردے۔ جنرل گیریبالڈی نے جو سپہ سالار اعظم مقرر ہو گیا تھا دلیرانہ مقابلہ کیا مگر آخر میں کثرت تعداد کی وجہ سے اسے مغلوب ہونا پڑا۔ جولائی ۱۸۴۹ء میں فرانسیسی اس مفتوحہ شہر میں

پوپ فرانسیسیوں کی مدد سے بحال ہو گیا۔

داخل ہو گئے اور پوپ کی قدیمی حکومت پھر قائم ہو گئی اور چند ماہ بعد یہ مبغوض پوپ بہ نفس نفیس اپنے محل میں واپس آگیا۔

بظاہر آسٹریا کے ٹکڑے ہوتے نظر آتے ہیں

لیکن جس زمانے میں اس رجعت قہقری کو اطالیہ میں یہ فتوحات حاصل ہو رہے تھے، اسی زمانے میں وہ جرمنی و آسٹریا میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دینے کی تیاری کر رہی تھی۔ پہلے آسٹریا کو لیجیے۔ ۱۸۴۸ء کے موسم بہار میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مملکت کا جس میں اسقدر مختلف نسلیں آباد ہیں شیرازہ بکھر جائے گا کیونکہ وائنا میں جرمنوں کی بغاوت کے ساتھ

آسٹریا کی تمام اور قوموں نے بھی بغاوت شروع کر دی تھی چند ہفتوں کے اندر اندر جابجا انقلابات برپا ہوگئے۔ پریگو میں سلافی (زک) بڈاپسٹ میں ہنگروی اور ملان و وینس میں اطالوی قوموں نے اپنی اپنی جگہ پر انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ یہ یقینی معلوم ہونے لگا تھا کہ آسٹریا جن خاص نسلوں سے مرکب ہے انکی تعداد کے موافق وہ چار خود مختار سلطنتوں میں منقسم ہو جائیگی ۱۸۴۸ء میں

تجارت کا انحصار صرف فوج پر تھا۔

اگر یہ تجربہ رک گیا تو اس کا سبب صرف آسٹریا کا فوجی نظام تھا۔ ان تمام اضطرابات میں فوج کامل طور پر اپنے طبعی سرگروہ یعنی شہنشاہ کی وفادار رہی اور اس نے بتدریج امن وسکون قائم کر لیا۔

فوج زکون، جرمنوں اور اطالویوں کو بہت تیزی کے ساتھ دبا دیتی ہے

فوج نے پہلے پریگو کے سلافی شورشیوں کے انقلاب کو فرو کیا اور اس کے بعد وائنا کے جرمنوں کے انقلاب کو دبا دیا۔ نسبتہً یہ ایک آسان کام تھا۔ فوج کو اصلی مشکلات اس وقت پیش آئے جب اہل اطالیہ اور ہنگریوں سے اسے معاملہ پڑا۔ لیکن (۲۵ جولائی ۱۸۴۸ء کو) کسٹوزا میں اہل اطالیہ بالآخر مطیع ہوگئے اور اسکے بعد حکومت وفوج کو موقع ملگیا کہ اپنی توجہ تمام تر بڈاپسٹ پر مرکوز کر دے۔

اہل ہنگری ہوم رول کے خواہاں تھے

اہل ہنگری اگرچہ صدیوں سے خاندان ہیپسبرگ کا جوا اپنے کاندھوں پر رکھے ہوئے تھے مگر ان کے دلوں سے اپنی خود مختاری کا پُرغرور خیال کبھی زائل نہیں ہوا تھا۔ اب ۱۸۴۸ء کے موسم گرما میں وہ اپنے سرگروہ لوئش کوسستہ کے تحت میں تقریباً بالکل ہی آزاد ہوگئے۔ گو خاندان ہیپسبرگ کے کسی رکن کے حکمران ہونے میں انھیں کوئی عذر نہ تھا مگر ان کی خواہش یہ تھی کہ اس مختلف اللسان شہنشاہی کے دوسرے حصص سے ان کا تعلق باقی نہ رہے۔ چونکہ شہنشاہ اور اس کی حکومت کی تجویز یہ تھی کہ خاندان ہیپسبرگ کے ممالک ناقابل تقسیم صورت میں قائم رہیں اور یہ تجویز ہنگریوں کے خیال کے بالکل منافی تھی، اس لئے موسم سرما میں ایک آسٹروی سپہ سالار ایک لاکھ فوج لئے ہوئے ہنگری کی طرف روانہ ہوگیا۔

روس اور آسٹریا اہل ہنگری کی بغاوت کو روکتے ہیں اگست ۱۸۴۹ء

اہل ہنگری اپنی آزادی کے لیے نہایت شاندار ی سے لڑے اور اول اول انھوں نے فی الواقع آسٹریوں کو پیچھے ہٹا دیا مگر کوسَتھ اپنی کامیابی کی مسرت میں حد سے بڑھ گیا اور اس نے اپریل ۱۸۴۹ء میں ہنگری کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ زار نکولس کو عین اپنی سرحد پر جمہورانہ خیالات کی اشاعت سے مع خوف پیدا ہو گیا اور اس نے اہل ہنگری پر دوسری طرف سے حملہ کر دینے کے لیے شہنشاہ آسٹریا کے سامنے اپنی مدد پیش کی۔ چنانچہ موسم گرما میں آسٹریوں نے مغرب کی طرف سے اور روسیوں نے مشرق کی طرف سے ہنگریوں کو اپنے درمیان میں لے لیا اور انکی مقاومت کا بہت تیزی کے ساتھ خاتمہ کر دیا اور اگست ۱۸۴۹ء میں مقام ولیگاس میں گارجی نے اپنی تمام فوج کے ساتھ اپنے آپ کو حوالہ کر دیا۔ اب ہنگری کی ہمت بھی ٹوٹ گئی تھی اور اس کے وسائل بھی معدوم ہو گئے تھے اس لیے اس نے مجبوراً با دل ناخواستہ پھر آسٹریا کا جُوا اپنے کندھے پر رکھ لیا۔

آسٹریا پھر اپنے قدموں پر کھڑی ہو گئی

آسٹریا نے ایک مہیب اضطراب و ہیجان کے بعد آخر کامیابی کے ساتھ اپنے سلافی، جرمانی، اطالوی اور ہنگروی رعایا کے انقلابات کو دبا دیا اور وہ پھر اپنے نوعمر شہنشاہ فرانس جوزف کے تحت میں مطلق العنان حکومت بن گئی۔ فرانسس جوزف قریب ہی زمانہ (دسمبر ۱۸۴۸ء میں) اپنے چچا فرڈیننڈ کا جانشین ہوا تھا۔

جرمنی میں بھی رجعت قہقری کا اثر پھیل گیا۔

آسٹریا میں اس رجعت قہقری کی فتح کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ جرمنی اور پرشیا کے معاملات پر بھی اس کا بہت بڑا اثر پڑے کیونکہ جسطرح انقلاب سے انقلاب پیدا ہوا تھا اسیطرح رجعت سے رجعت کا پیدا ہونا بھی ضروری تھا۔ پس آسٹریا میں اس رجعت کی کامیابی

پرشیا کو آئینی حکومت حاصل ہو جاتی ہے۔ ۱۸۴۹ء

ابھی شروع ہوئی تھی کہ فریڈرک ولیم چہارم شاہ پرشیا نے برلن کی پرشیاوی ڈائٹ کو جو سلطنت کے لیے ایک نظام حکومت بنانے کے کام میں مشغول تھی برطرف کر دیا۔ تاہم فریڈرک ولیم نے کسی قدر اعتدال سے کام لیا اور فروری ۱۸۴۹ء میں خود اپنی

طرف سے قوم کو ایک نظام سلطنت عطا کیا۔ یہ نظام سلطنت اگرچہ جمہوریت کی اس حد کو پہنچا ہوا نہ تھا جس کی تمنا ہو سکتی تھی مگر اس سے کم از کم اتنا تو ہوا کہ ملک کی حکومت میں اہل ملک کی شرکت یقینی ہو گئی۔ انقلاب جس طرح اور مقامات میں فرو کیا گیا ویسا ہی یہاں بھی فرو کیا گیا مگر تقریباً یہی ایک ملک تھا جہاں بادشاہ نے اسقدر دانائی سے کام لیا کہ عوام کے نسبتہً معتدل مطالبات کو قبول کر لیا۔

جرمن پارلیمنٹ رجعت کے خطرے میں پڑ گئی۔

فرینکفرٹ کی جرمن پارلیمنٹ کو ہم اس حالت میں چھوڑ آئے ہیں جب (ستمبر ۱۸۴۸ء میں) شلسوگ ہالسٹین کی جنگ کے معاملے میں اسے پہلی مرتبہ سخت کشمکش پیش آ گئی تھی۔ اس پیچیدگی نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ پارلیمنٹ، پرشیا وغیرہ کی ایسی بڑی سلطنت کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتی یہ حالت اس وقت کی تھی جب وائنا و برلن میں حکومتوں کو انقلابیوں پر فتح نہیں حاصل ہوئی تھی۔ تو جب ان حکومتوں نے اپنی قوت کو دوبارہ حاصل کر لیا اس وقت صورت معاملات کیا ہوگی؟

تاج فریڈرک ولیم شاہ پرشیا کو پیش کیا گیا۔

اگرچہ ارکان پارلیمنٹ خود اس امر کو نہایت سختی کے ساتھ محسوس کرتے تھے کہ اُن کی طاقت گھٹ رہی ہے مگر جس کام کے لئے وہ مجتمع ہوئے تھے اس پر وہ دلیری کے ساتھ قائم رہے (۱۸۴۸ء اور ۱۸۴۹ء کے) دوران میں انھوں نے متحدہ جرمنی کے نظام سلطنت کو مکمل کر لیا، اب صرف یہ مشکل باقی رہ گئی کہ اس نئے نظام سلطنت کا کوئی سرتاج یعنی شہنشاہ ملجائے اس اعزاز کے لئے جرمن حکمرانوں میں سے دو سب سے بڑے حکمران یعنی شہنشاہ آسٹریا و شاہ پرشیا کی طرف بالطبع نظریں اٹھتی تھیں انکی باہمی قابلیت کے مسئلہ پر بہت سرگرمی سے مباحثہ ہوا مگر آخر الامر فریڈرک ولیم

تاج کے قبول کرنے سے انکار کیا گیا۔ (اپریل ۱۸۴۹ء)

چہارم کو اس وجہ سے غلبۂ رائے حاصل ہو گیا کہ مخلوط آسٹریا کے بہ نسبت پرشیا میں ہر اعتبار سے ایک جرمن سلطنت ہونے کی خصوصیات بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن جب جرمنی کا تاج پیش کرنے کے لیئے پارلیمنٹ کا ایک وفد بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوا تو اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ اولاً تو یہ تھی کہ اس نظام کی بنا ئے کار جمہوریت پسندی پر تھی اور دوسرے یہ کہ آسٹریا نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ پرشیا، جرمنی کی سرگروہ بنجائے بلکہ اس کے بجائے وہ جنگ کو ترجیح دیگی ۔

اس انکار نے ازخود پارلیمنٹ کا خاتمہ کر دیا۔ انقلاب کے دیو نے ادھر اُدھر کچھ آخری زور دکھایا، اُس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ قسمت ہی نے فیصلہ کر دیا کہ متحدہ جرمنی کبھی وجود پذیر نہ ہو سکے۔ اس وقت سے آسٹریا اور پرشیا کی رقابت سابق زمانوں کی بہ نسبت زیادہ نمایاں ہو گئی۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں اپنی حفاظت کے لیے پرشیا کی طرف آنکھ لگائے ہوئے تھیں۔ برخلاف اس کے سیکسنی، ہینوور بویریا اور ورٹمبرگ، آسٹریا کی تائید کر رہی تھیں اس لیے کچھ دنوں تک دربار وائنا کو غلبہ حاصل رہا اور ملک میں جو بددلی پھیل گئی تھی اس سے فائدہ اٹھا کر آسٹریا نے ان حکومتوں کے سامنے اب یہ تجویز پیش کی کہ پرانا مضحکہ خیز بنڈ پھر قائم کیا جائے۔ یہ وہی ۱۸۱۵ء کی سلطنتہائے متفقہ کا نظم حکومت تھا جسے ۱۸۴۸ء کے واقعات نے دریا برد کر دیا تھا۔ بنڈ اور اس کی دڈائٹ، جس میں مختلف حکومتوں کے نمائندے مجتمع ہو کر باتیں بناتے اور کسی امر کے متعلق کوئی حکم ناطق نہیں دے سکتے تھے جرمنی کے حالات کے اعتبار سے یہ سب سے بہتر شئے معلوم ہوتی تھی ۔

شلسوگ ہالسٹین پامال کر دیئے گئے۔

اہل جرمنی کی امیدوں اور تمناؤں کی اس عام بربادی میں شلسوگ ہالسٹین جنھوں نے متحدہ جرمنی کی توقع کی بنیاد پر انقلاب برپا کیا تھا تباہی سے بچ نہیں سکتے تھے پرشیا نے جب انھیں ۱۸۴۸ء میں بحال خود چھوڑ دیا تو وہ اپنی آزادی کے لیے ڈنمارک سے مردانہ وار لڑتے رہے۔ اپریل ۱۸۴۹ء میں پرشیا نے ڈنمارک سے پھر جنگ شروع کی جو ۱۸۵۰ء تک جاری رہی۔ آخر روس وانگلستان نے درمیان میں پڑ کر ۱۸۵۰ء میں طاقتوں کی ایک مجلس مستشار لندن میں جمع کی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ شلسوگ ہالسٹین کی متمردامارتیں غیر منفک طور پر تاج ڈنمارک کے ساتھ

شامل رہیں۔ ظاہراً ان اداروں نے قضائے مبرم کے سامنے سر جھکا دیا مگر کیا یہ دباؤ کیوں نہ پڑتا اس نا منصفانہ حکم کا دل سے قبول کر لینا غیر ممکن تھا۔ یہ صاف عیاں تھا کہ موقع مناسب آجانے پر وہ پھر سر اٹھائیں گی۔

رجعت قہقری کا دوسرا دور

جرمنی پارلیمنٹ کے برطرف ہو جانے، اٹالیان شلسوگ ہالسٹن کو ڈنمارک کے سپرد کر دینے، فرینکفرٹ میں بنڈ کے پھر قائم ہو جانے اور آسٹریا اور جرمنی کے درمیان آلمز کے معاہدے پر دستخط ہو جانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹرنک کا دور پھر واپس آگیا ہے۔ محبان وطن پر مایوسی چھاگئی لیکن چونکہ یہ لوگ غور و فکر کرنے والے اشخاص تھے انھوں نے یہ رائے قائم کی ہوگی کہ ۱۸۴۸ء کی تحریک اس وجہ سے ناکام رہی کہ یہ محض عوام کی کارروائی تھی جنھوں نے قائم شدہ اقتدارات کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ اس لئے ذی اقتدار ارباب حکومت ان کے دشمن ہو گئے اور انھیں تباہ کر دیا۔ پس اگر آئندہ زمانہ میں کسی وقت خود حکومتیں قومی تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اسے ایک فہمیدہ روش پر چلائیں تو آیا اس صورت میں کامیابی کی زیادہ توقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟

باب (۳۳)

فرانس بعہد حکومت نپولین سوم، اطالیہ کا اتحاد و اتفاق

شہزادہ لوئس نپولین نے (دسمبر ۱۸۴۸ء میں) جمہوریہ فرانس کے صدر منتخب ہونے کے بعد بہت جلد ان شکوک و شبہات کو جو اس کے خلاف پیدا ہو گئے تھے سچ کر دکھایا۔ اس کے اولین کاموں میں سے ایک کام

یہ تھا کہ اس نے فرانسیسی فوج کے ذریعے سے (جون ۱۸۴۹ء میں) مزینی وگریبالڈی کی قائم کردہ جمہوریہ روما کو مٹا دیا۔ اس کے بعد اس نے باقاعدہ طور پر نظام سلطنت کو اندر ہی اندر بیکار کرنا شروع کیا اور جب سب سامان درست ہو گیا تو ۲ر دسمبر ۱۸۵۱ء کو ایک ناگہانی ضرب میں اسے الٹ دیا۔ تھوڑے ہی زمانہ بعد اس نے ملک کو اپنی طرف سے انعام کے طور پر ایک نیا اور پرزور شاہی نظام سلطنت عطا کیا اور سابقہ ناگہانی کارروائی کے ٹھیک ایک برس بعد ۲ر دسمبر ۱۸۵۲ء کو شہنشاہ نپولین سوم کا لقب اختیار کر لیا۔ نئے نظام سلطنت میں حکومت کے اندر ایک مجلس امرا اور ایک جماعت وضع قوانین کو شریک کرنے کا قطعی انتظام کر لیا گیا تھا مگر یہ شرکت محض برائے نام تھی۔

نپولین کی بیباکانہ کارروائیوں کی حکمت عملی

نپولین کی اس شہنشاہی کا قیام صرف ایسی فوجی کامیابیوں ہی سے ممکن تھا جن سے قوم کے غرور و پندار کو تشفی ہو سکے کم از کم نپولین کی دلیل تو یہی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں اپنی تمام کوشش اسی جانب مبذول کر دی کہ ایسی کامیابیاں حاصل کرے "جسے عظمت و جلال" کے الفاظ سے متصف کر سکیں ان کوششوں کو ابتدا ایک قابل رشک حیثیت حاصل ہو گئی مگر آخر میں انہی کارروائیوں کی وجہ سے وہ خود اور اس کا ملک شکست و مصیبت کے غار میں گر گیا۔

جنگ کریمیا ۱۸۵۴ء

نپولین کو اپنی ان بیباکانہ کارروائیوں کو عمل میں لانیکا پہلا موقع مشرق میں حاصل ہوا۔ زار نکولس پر حال ہی میں یہ امر منکشف ہوا تھا کہ سلطان ایک "مرد بیمار" ہے اور چونکہ اسے (نکولس کو) یہ یقین تھا کہ سلطان کا فطری وارث وہی ہے اس لئے اُس نے اس غیر ضروری تکلف کو مناسب نہ سمجھا کہ اس وراثت پر قبضہ کرنے کے لئے اس مرد بیمار کی آخری سانس کا انتظار کرے اُس نے دفعتہً سلطان کے سامنے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ وہ مملکت ترکی کے اندر رہنے والے تمام یونانی مذہب عیسائیوں کا محافظ تسلیم کر لیا جائے۔ سلطان نے جب اس سے انکار کیا تو نکولس نے

(جون ۱۸۵۳ء میں) مالڈیویہ پر حملہ کر دیا۔ اس چیرہ دستی سے تمام یورپ کو غصہ آگیا اور فرانس اور انگلستان نے متفق ہو کر ایک باقاعدہ اعتراض زار کے سامنے پیش کیا۔ اس نے جب اس متفقہ تعرض پر کچھ لحاظ نہ کیا تو ان دونوں مغربی طاقتوں نے ترکی سے محالفہ کر کے (مارچ ۱۸۵۴ء میں) روس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

محاصرہ سبیسٹوپول

۱۸۵۴ء کی روسی مہم کا انجام بالکل ناکامی پر ہوا۔ روسی فوجوں نے ڈینوب کے قلعوں کے لینے کی کوشش کی مگر جب جون میں ترکوں نے انھیں پسپا کر دیا تو وہ ان حصص سے ہٹ گئے جن پر وہ حملہ آور ہوئے تھے۔ بعد ازاں جب فرانسیسی و انگریز میدان میں آئے تو انھوں نے روس کے زبردست قلعہ سبیسٹوپول واقع کریمیا پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن مغربی طاقتوں کی بدقسمتی سے قلعے پر قابض ہونا ایسا آسان نہیں ثابت ہوا جیسا کہ وہ سمجھے تھے۔ روسیوں نے سبیسٹوپول کی محافظت بہت ہی قابل تعریف طور پر کی۔ چنانچہ کامل ایک برس کے محاصرے کے بعد اس قلعے پر قبضہ ہو سکا، یہ واقعہ تاریخ میں اپنے قسم کا ایک نہایت ہی یادگار واقعہ ہے، لیکن جب ستمبر ۱۸۵۵ء میں سبیسٹوپول نے آخری طور پر اطاعت قبول کر لی تو روسیوں نے بالکل ہی ہمت ہار دی چونکہ جنگجو نکولس کا اسی سال مارچ میں انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا الگزنڈر دوم (۱۸۵۵-۱۸۸۱) اس کا جانشین ہوا تھا اس لئے اب صلح ہو جانے میں کوئی وقت حائل نہیں تھی۔

صلح پیرس ۱۸۵۶ء

پس (مارچ ۱۸۵۶ء کی) موتمر منعقدہ پیرس میں روس نے سبیسٹوپول کے عوض میں ترکی کے اندر اپنے ادعا سے دست برداری کر لی بحر اسود غیر جانبدار قرار دیا گیا اور سلطان کو دول عظام میں شامل کر لیا گیا۔ ترکی کے اندر بیرونی مداخلت کی طرف سے ذمہ داری لے لی گئی۔

نپولین اب دوسرے مباداوات کی طرف متوجہ ہوا۔

صلح نامہ پیرس نے جیسے نپولین نے اپنے ہی دار الصدر میں تحکمانہ طور پر لکھایا تھا، شہنشاہی فرانس کو یورپ کی

اہل طاقت بنادیا۔ مگر نپولین کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوئی۔ اُسے اب یہ طمع دامنگیر ہوئی کہ کریمیا کے حاصل کردہ فوجی "جاہ وجلال" سے بھی بڑھ کر ایک موقع اطالیہ میں موجود ہے ادھر توجہ کرنا چاہیئے۔

وکٹر امانوئل اور کیور کی حکمت عملی

ماورائے آلپس اس جزیرہ نما کے معاملات میں مداخلت کرنے کا ایک بہت اچھا عذر یہ ہاتھ آگیا تھا کہ اطالیہ کی سب سے بڑی ملکی سلطنت سارڈینیا پڈمانٹ نے اس سے دوستی و محالفہ کی خواہش کی تھی۔ ۱۸۴۹ء کی جنگ کے بعد تمام اہل اطالیہ قطعی طور پر سمجھے تھے کہ اطالیہ کا آئندہ متحد کرنے والا یہی بادشاہ وکٹر امانوئل ہوگا۔ لیکن اطالیہ کے اس مسلمہ مرد میدان کے سامنے عملی سوال یہ تھا کہ ملک کو غلامی سے کیونکر آزاد کرنے کے لیئے اسے کیا کارروائی اختیار کرنی چاہیئے۔ امانوئل کو خوش قسمتی سے کاونٹ کیور کا سا قابل و عاقل صلاح کار مل گیا اور کیور کی رہبری میں وسط صدی کے قریب سارڈینیا نے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے انجام کار میں قومی تمنائیں تمام وکمال پوری ہوگئیں۔

آسٹریا کے خلاف سارڈینیا و فرانس کا محالفہ

کیور کی صاف دلیل یہ تھی کہ اطالوی اتحاد کے راستے میں آسٹریا سب سے زیادہ سنگ راہ ہے وہی لمبارڈی اور وینس پر قابض ہے، اس جزیرہ نما کے اور چھوٹے چھوٹے مطلق العنان حکمرانوں کی روش بھی اُسی کے تابع فرمان رہتی ہے۔ لیکن ۱۸۴۹ء کی شکست نے بخوبی یہ ثابت کر دیا تھا کہ سارڈینیا تنہا اس ڈینیوبی شہنشاہی کو نہیں دبا سکتی۔ اس لیئے یہ ضروری تھا کہ آئندہ کی ناگزیر جنگ کے لیئے کوئی حلیف پیدا کیا جائے۔ کیور نے باحتیاط تمام نپولین سے دوستی کی تمنا ظاہر کی اور ۱۸۵۸ء میں ایک گہرے محالفے کے عہدنامے پر دستخط کر دئے گئے جو "وفاق پلامبیرس" کے نام سے مشہور ہے۔ آسٹریا نے جب اس رفاقت کے مقصد کو سمجھ کر سارڈینیا کو غیر مسلح ہو جانیکا حکم دیا اور اس کے فوری انکار پر ملک پر قبضہ کر لیا تو (اپریل ۱۸۵۹ء میں) وہ جنگ شروع ہوگئی جس کے لیئے کیور اس درجہ مشتاق تھا۔

۱۸۵۹ء کی جنگ اطالوی

اصلی مہم مئی ۱۸۵۹ء کے قبل نہیں شروع ہوسکی اور چند ہی ہفتوں میں ختم بھی ہوگئی۔ مگنٹا اور سالفرینو کی دو عظیم الشان فتحوں سے فرانس و سارڈینیا نے آسٹریوں کو لمبارڈی کے میدان سے بھگاکر اُن کے قلعوں میں پہنچادیا۔ اطالیہ میں ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور جابجا آگ روشن ہوگئی۔ نپولین جہاں کہیں پہنچتا تھا بے انتہا جوش کے ساتھ اس کا استقبال کیا جاتا تھا، لیکن عین اسوقت جب ہر شخص یہ امید کررہا تھا کہ وہ آسٹریوں کو بالکل آلپس کے پار بھگادیگا، اُس نے دفعتہً اپنا رخ بدلدیا اور اہل سارڈینیا سے مشورہ کئے بغیر (۱۱ جولائی کو) مقام ولافرینکا میں دشمن کے ساتھ ایک میعادی صلحنامے پر دستخط کردئیے۔ اسے یہ کارروائی مختلف خیالات کی وجہ سے اختیار کرنی پڑی۔ اول یہ کہ جس حالت میں اطالوی بہت زور شور کے ساتھ اتحاد کے لئے شور مچارہے تھے خود اطالیہ کی حالت خطرات سے بھری ہوئی تھی، دوسرے یہ امکان ہر وقت موجود تھا کہ پرشیا آسٹریا کی شریک ہوکر رائن کی طرف سے فرانس پر حملہ کردے۔ ان سب پہلوؤں پر خیال کرکے نپولین نے یہی بہتر سمجھا کہ اس نے جو اعزاز حاصل کرلیا ہے اس پر قانع ہوکر اس جنگ سے دست کش ہوجائے۔

لمبارڈی کا ملک سارڈینیا کو مل گیا

کیوُر علیحدہ ہوگیا۔ اور وکٹر امانوئل بہت ہی غضبناک ہوا مگر وہ کر کیا سکتا تھا۔ تاہم اس کے بعد (نومبر ۱۸۵۹ء میں) جو صلح ہوئی اس میں وکٹر کو اس کی فتح کی طور پر لمبارڈی کا ملک مل گیا مگر وینیشیا بدستور آسٹریوں کے ہاتھ میں رہی۔ نپولین نے فرانس کی امداد کے عوض میں (معاہدہ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کی رو سے) نائس و سیوائے کو سارڈینیا سے لے لیا۔

گریبالڈی اسسلی و نیپلز کو فتح کرلیتا ہے ۱۸۶۰ء

لیکن اطالیہ کے متحد کرنے میں اول قدم اٹھ چکا تھا اور جو رفتار ایک مرتبہ شروع ہوگئی اس کے رک جانے کی اب توقع نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شمال کے ہاتھ آجانے سے وکٹر امانوئل اور کیوُر نے (جو جنوری ۱۸۶۰ء میں اپنے عہدے پر واپس آگیا)

تھا) اب خود اپنے کو اتنا مضبوط سمجھ لیا کہ اپنے ہی بھروسے پر کچھ کر سکیں پس انھوں نے رضا کاروں کے جری سرگروہ جنرل گریبالڈی کو خفیہ طور پر یہ اجازت دیدی کہ وہ سلطنت نیپلز کے ختم کرنے کے لئے ایک مختصر سی مہم تیار کرے، ماہ اپریل میں سسلی کے اندر بغاوت پھیل چکی تھی، پس مئی ۱۸۶۰ء میں گریبالڈی صرف ہزار آدمیوں کا ایک دستہ ہمراہ لئے ہوئے سمندر کی راہ سے سسلی کو روانہ ہوگیا اور ایک ہی حملے میں جزیرہ فتح ہوگیا۔ "نجات دہندہ" گریبالڈی کا سسلی میں پہنچنا تھا کہ نیپلز کے بار بن بادشاہ کی ظالمانہ حکومت بھی جس سے ہر شخص متنفر تھا پاش پاش ہوگئی ستمبر میں گریبالڈی شہر نیپلز میں داخل ہوا، اور باربن بادشاہ فرانسس دوم اپنے دارالصدر کو چھوڑ کر نکل گیا۔ پس اسے معزول قرار دیکر اس کا ملک سارڈینیا میں شامل کر لیا گیا۔ اسی زمانے میں نیپلز کی سی ہیجنی امبریا میں بھی پھیل گئی تھی اس صورت میں

روما کے سوا کلیسا کی اور سب ریاستیں سارڈینیا کی جائداد ہوگئیں

فوجوں کی نقل و حرکت اور وہاں کی حالت بہت نازک ہوگئی تھی مگر پڈمانٹی فوجوں نے گریبالڈی سے بھی سبقت کر کے پاپائی ریاستوں پر حملہ کر دیا تین ہفتوں کے اندر اندر یہ ریاستیں وکٹر امانوئل کے ہاتھ میں آگئیں اور ۲۶ر اکتوبر کو بادشاہ بمقام ٹینو، گریبالڈی سے ملاقی ہوا۔

وکٹر امانوئل اطالیہ کا بادشاہ ہوگیا سنہ ۱۸۶۱ء

اطالیہ کی اب تکمیل ہو چکی تھی صرف شمال مشرق میں وِنیس آسٹریا کے قبضے میں رہگیا تھا اور وسط میں پوپ فرانسیسیوں کی مدد سے روما پر قابض تھا۔ گریبالڈی اگر ان دونوں صوبوں میں سے کسی پر بھی حملہ کرتا تو یہ ایک بڑی سلطنت کے خلاف اعلان جنگ ہوتا اور وکٹر امانوئل اور کیور نے نہایت دانائی سے یہ فیصلہ کیا کہ ابھی وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اس کام میں ہاتھ ڈال سکیں اس لئے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ جو کچھ انھیں مل گیا ہے، پہلے اسے منضبط و متحد کریں اور وقت و موقع کے منتظر رہیں۔ اسی خیال کے موافق فروری سنہ ۱۸۶۱ء میں پڈمانٹ کے دارالصدر ٹیورن میں پہلی اطالوی پارلیمنٹ عام مجتمع ہوئی وہ

ساعت اطالیہ کے فخر و مباہات کی ساعت تھی جب بادشاہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں گذشتہ برسوں کے شاندار واقعات کا ذکر کر کے پارلیمنٹ کی خواہش کے موافق شاہ اطالیہ کا لقب اختیار کر لیا۔

بادشاہ نے انتظار کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔

در حقیقت پر جوش گریبالڈی جس کی پشت گرمی محبان وطن کا معتد بہ فریق کر رہا تھا حکومت پر یہ زور دے رہا کہ فوری جنگ کے ذریعے سے روما و وینس پر قبضہ کر لیا جائے مگر بادشاہ اور اس کا وزیر کیور اس صلاح کو سننا نہیں چاہتے تھے یہاں تک کہ جب بادشاہ کا یہ جلیل القدر مشیر (۱۸۶۱ء میں) انتقال کر گیا اسوقت بھی بادشاہ انتظار ہی کرنے کی حکمت عملی پر قائم رہا اور آخر میں اس کا نتیجہ اچھا نکلا

۱۸۶۶ء کی جنگ

آسٹریا اور پرشیا کی دونوں جرمن طاقتوں کے درمیان جس جنگ کا اندیشہ مدت سے چلا آرہا تھا آخر ۱۸۶۶ء میں وہ طوفان برپا ہی ہو گیا، اطالیہ کو اس سے بہت ہی اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ اس نے پرشیا سے بہت گہرا اتحاد کر لیا اور دونوں سلطنتوں نے ملکر شمال و جنوب کی طرف سے آسٹریا پر حملہ کر دیا اس متفقہ مہم میں اطالیہ کے حصے کا کام بہت ہی بدقسمت ثابت ہوا۔ اس کی بڑی فوج کو (بماہ جون) کسٹوزا میں شکست ہو گئی۔ (جولائی میں) اس کے بیڑے کو بحیرہ ایڈریاٹک میں لیسا کے قریب اور بھی نمایاں ہزیمت اٹھانی پڑی مگر سیڈووا میں پرشیا کی عظیم الشان فتح نے ان الوی مصائب کی تلافی کر دی اور آسٹریا کو مجبور ہونا پڑا کہ متحدین نے جو شرائط پیش کئے ہیں انھیں قبول کر لے۔ چنانچہ آلپس کے جنوب میں آسٹریا کے قدم رکھنے کی آخری جگہ یعنی وینیشیا کو اطالیہ میں شامل کر دیا گیا اور نومبر ۱۸۶۶ء میں وکٹر امانوئل فاتحانہ طور پر شان و شوکت کے ساتھ غدیروں کے اس شہر (وینس) میں داخل ہوا۔

اطالیہ کا روما پر قبضہ کرلینا ۱۸۷۰ء

اب صرف روما کا حاصل کرنا باقی رہ گیا تھا اور اگر اہل روما کو خود اپنے حکمران کے انتخاب کی آزادی حاصل ہوتی تو وہ جو روش اختیار کرتے اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں تھی لیکن نپولین کی

فوجیں پوپ کے لیئے شہر پر قبضہ کئے ہوئے تھیں اور اہل روما اور وکٹر امانوئل دونوں میں سے کسی کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ فرانسیسیوں سے جنگ برپا ہو جانے کے خوف سے اس پاپائی شہر میں انقلاب کی ہمت دلائے۔ آخر وینس کی طرح یہاں بھی تدبر کا پھل حاصل ہوا سنہ ۱۸۷۰ء میں جب فرانس جرمنی کی وسیع جنگ برپا ہوئی تو نپولین کو اپنی فوجوں کو جرمنی کے مقابلے پر لیجانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور فرانسیسیوں کے اس خرخشے کے رفع ہوتے ہی وکٹر امانوئل نے اپنی فوجیں روما کے دروازے پر پہنچا دیں اور ستمبر سنہ ۱۸۷۰ء میں شہر پر قبضہ کر لیا۔ پوپ نے بہت کچھ شور مچایا مگر اس کی غیر مصالحانہ روش کے باوجود فاتح اطالیوں نے اسے اس کے محل پاپائی کے اندر کسی طرح پریشان نہیں کیا۔ اسوقت سے وہ وہیں مقیم ہے مگر سات پہاڑیوں کا شاندار شہر قطعی طور پر اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور قوم کے بہت بڑے حصے کی پرجوش خواہش کے مطابق نئی قائم شدہ اطالوی سلطنت کا دار الحکومت بن گیا۔

باب (۳۴)

جرمنی کا اتحاد و اتفاق

سنہ ۱۸۴۸ء کا سبق

سنہ ۱۸۴۸ء کا سال جرمنی میں قطعی بے نتیجہ نہیں رہا۔ اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا چنانچہ یہ ایک حقیقی نفع تھا کہ (سنہ ۱۸۴۹ء میں) پرشیا کو آئینی طریق حکومت حاصل ہو جانے سے جرمنی میں

اس طریق حکومت کا اصول مسلم قرار پاگیا اور یہ بھی امر قابل مبارکباد تھا کہ ایک لمحے ہی کے لیئے سہی مگر تمام لوگوں کے دل قومی جوش سے لبریز ہوگئے تھے تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قومی تمناؤں کی مقصد برآری کے لیئے فرینکفرٹ کی پارلیمنٹ عام کی کاغذی تجویزوں سے کچھ زاید عملی کارروائیوں کی ضرورت تھی مگر اس کا حصول ایک منضبط فوج ہی سے ممکن تھا۔ کم از کم پرشیا کے بادشاہ ولیم کی دلیل یہی تھی (ولیم ۱۸۵۸ء میں اپنے بھائی ولیم فریڈرک چہارم کا جانشین ہوا تھا عله)

ولیم نے اپنی تجاویز کی بنا ایک مضبوط فوج پر قائم کی

ولیم ایک عملی اور سپاہیانہ مزاج کا شخص اور اپنے تخیل پسند بے مصرف بھائی سے بالکل مختلف تھا۔ اختیارات کے حاصل ہوتے ہی اس نے ایک زبردست فوج کے مرتب کرنے کا عزم کیا لیکن ایک زبردست فوج کے مرتب کرنے کی کوشش میں اس کے راستے میں سخت دقت یہ حائل ہوگئی کہ پرشیا کی ڈائٹ میں آزادی پسندوں کی کثرت تھی اور وہ فوجی اخراجات کے خلاف تھے۔ انھوں نے بادشاہ کو اس قسم کا اختیار دینے سے انکار کردیا اور اس طرح بادشاہ اور مجلس وضع قوانین کے درمیان سخت تصادم پیدا ہوگیا مگر بادشاہ ایک نڈر سپاہی تھا اس نے جس اصلاح کو ضروری سمجھ لیا تھا اسے عمل میں لانے کے لیئے وہ ڈائٹ کے علی الرغم بھی آمادہ ہوگیا اور ۱۸۶۲ء میں اس نے اپنی تائید کے لیئے

بسمارک

شاہی کے ایک زبردست حامی اٹووان بسمارک کو وزیر اعظم بنادیا۔ اس سے لامحالہ بادشاہ اور مجلس وضع قوانین کے تعلقات میں شگفتگی پیدا ہونے کے بجائے حالات اور بد سے بدتر ہوگئے تھے کہ اسی اثنا میں کچھ ایسے واقعات پیش آگئے جس سے قوم کی توجہ ملک کے اندرونی معاملات کیطرف سے ہٹ گئی

سلسوگ ہالسٹین کا انقلاب ثانی

۱۸۶۳ء میں فریڈرک ہفتم (شاہ ڈنمارک) کا انتقال ہوگیا اور تمام یورپی طاقتوں کے اتفاق رائے سے اس کے ایک

عله - ولیم اوّل اوّل صرف اپنے بھائی کی طرف سے والی تھا ۱۸۶۱ء میں وہ بادشاہ ہوا۔

عزیز کرسچین نہم کو اولاً سلسوگ ہاسٹین میں بادشاہ تسلیم کرلیا گیا مگر جب اس نے ایک ایسے نظام سلطنت کے شائع کرنے کی جرأت کی جس کے بموجب سب سے شمالی امارت سلسوگ کو براہ راست ڈنمارک میں ملحق کرلیا گیا تو معاً ان دونوں امارات کی جرمن آبادی نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

سلسوگ ہاسٹین کی جنگ ۱۸۶۴ء

حقیقت یہ ہے کہ اپنے سلسوگ ہاسٹین کے بھائیوں کے لئے تمام جرمنی میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا تھا اور ۱۸۴۸ء کی طرح اس وقت بھی ڈنمارک کے خلاف ایک قومی جنگ کی تہدید ہونے لگی۔ اس موقع سے فائدہ اوٹھا کر بسمارک نے اب آسٹریا کو اس امر پر راضی کرلیا کہ وہ پرشیا کے ساتھ شریک ہوجائے تاکہ یہ ڈنمارک کی پیدا کی ہوئی دشواری سہولت سے طے ہوجائے۔ پس جنوری ۱۸۶۴ء میں پرشیا اور آسٹریا کی فوجیں پہلو بہ پہلو دونوں امارتوں میں داخل ہوگئیں اور ایک عاجلانہ مہم میں ڈنمارک کو غیر مسلح کرکے اکتوبر تک ڈنمارک کو اس حالت کو پہنچا دیا کہ اسکے سلسوگ ہاسٹین فاتحوں کے حوالے کردینے کے سوا کوئی مفر نظر نہ آیا۔

بسمارک نے سلسوگ و ہاسٹین کی تقسیم کے متعلق آسٹریا سے مناقشہ پیدا کرلیا

جب یہ امارتیں پرشیا اور آسٹریا کے قبضے میں آگئیں اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ اس غنیمت کو تقسیم کیونکر کیا جائے۔ درحقیقت بسمارک کو نہایت مسرت ہوئی کہ تقسیم کا مرحلہ نہایت مشکل ثابت ہوا۔ آسٹریا اس امر پر آمادہ نہیں تھی کہ جرمنی میں اپنی حیثیت کو ترک کردے اور پرشیا کا وزیر اعظم مدت سے اس تدبیر میں لگا ہوا تھا کہ اس سے یہ حیثیت ترک کرادے۔ اب سلسوگ ہاسٹین کا یہ موقع ایسا مل گیا تھا جسے حسب دلخواہ بنائے مناقشہ قرار دیا جاسکتا تھا۔ آخر ۱۸۶۶ء کے موسم بہار میں پرشیا نے اطالیہ سے ایک گہرا محالفہ کرلیا اور دوسری طرف آسٹریا نے چھوٹی چھوٹی جرمن سلطنتوں کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۱۸۶۶ء کی جنگ کا منشا

جب یہ انتظامات ہوچکے یعنی پرشیا نے اطالیہ کی تائید

حاصل کر لی اور آسٹریا نے بویریا سیکسنی اور بہت سی دوسری جرمن سلطنتوں سے محالفہ کر لیا تو پھر جون ۱۸۶۶ء میں یہ دونوں مبارز جو برابر کے جوڑ معلوم ہوتے تھے میدان جنگ میں در آئے۔ یہ مقابلہ درحقیقت اس رقابت کی انتہا کو پہنچ جانے کا نتیجہ تھا جو سو برس قبل فریڈرک اعظم اور میریا تھریسیا کے زمانے میں پیدا ہوئی تھی۔ اس معرکہ کے جیتنے والے کا انعام یہ تھا کہ جرمنی میں اسے فوقیت حاصل ہو جائے گی۔

جنگ سیڈووا
۳ر جولائی ۱۸۶۶ء

اب یہ ظاہر ہوا کہ ایک زبردست اور ازمنہ حال کے موافق فوج کے مرتب کرنے میں شاہ ولیم کی حکمت عملی میں کیا کچھ خوبیاں تھیں۔ اہل پرشیا، آسٹریوں سے پہلے تیار ہو گئے اور انھوں نے یہ دکھا دیا کہ سامان جنگ و انضباط کے لحاظ سے وہ آسٹریوں سے بہت بہتر ہیں۔ میدان جنگ کی نقل و حرکت کے بہت بڑے ماہر مولٹکی کے قابلانہ انتظامات سے اہل پرشیا کے تین کالم مختلف اطراف سے آسٹریا والوں کو دباتے گئے تا آنکہ ۳ر جولائی کو سیڈووا (کونگراز) واقع بوہیمیا میں ان کو اس طرح گھیر لیا گویا وہ ایک چمٹے میں پھنس گئے اور انھیں بالکل ہی پامال کر ڈالا۔ جنگ شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اصل جنگ پر اس قسم کے واقعات کا کچھ اثر نہیں پڑا کہ آسٹریوں نے اطالیہ میں بمقام کسٹوزا، اطالویوں کو شکست دیدی یا اہل پرشیا نے جنوبی جرمنی والوں کو منہزم کر دیا۔ خاص آسٹریا، پرشیا کے قدموں کے نیچے آگئی اور صلح کرنے پر مجبور تھی۔ چنانچہ جولائی کی عارضی صلح کے بعد اگست ۱۸۶۶ء میں پریگو میں قطعی طور پر صلحنامہ طے ہو گیا۔

پرشیا کا آسٹریا اور جنوب جرمنی کی سلطنتوں سے صلح کرنا۔

صلح پریگو کے بموجب آسٹریا نے جرمنی سے اپنا اخراج قبول کر لیا اور یہ تسلیم کر لیا کہ جرمنی کے اندر پرشیا جس طرح چاہے تغیر و تبدل کرے۔ مملکت کے اعتبار سے اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا صرف وینیشیا، اطالیہ کو اور سلسوگ ہالسٹین میں اپنا حصہ پرشیا کو دینا پڑا۔ ان انتظامات کو مکمل کر کے بسمارک نے آسٹریا کے

جرمن حلفا سے صلح کرنے کی کارروائی جاری کی۔ بویریا، ورٹمبرگ اور جنوب جرمنی کی سلطنتوں سے عام طور پر اس سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا کہ ان سے کچھ نقدی تاوان لے لیا گیا مگر شمال کی مخالف سلطنتیں ہینوور وناسو وغیرہ پرشیا میں شامل کر لی گئیں ؎

بسمارک شمال جرمنی کی سلطنتہائے متفقہ کی بنا ڈالتا ہے

اس کے بعد بسمارک نے قدیم بنڈ، کے بجائے ایک موثر مرکزی حکومت قائم کرنے کی کارروائی جاری کی اور ان تمام سلطنتوں کو جو دریائے مین کے شمال میں واقع تھیں ملا کر شمال جرمنی کی سلطنتہائے متفقہ قائم کی جس کی سرگروہ پرشیا تھی۔ اس نے اپنی عاقلانہ اعتدال پسندی سے جنوب جرمنی کی سلطنتوں کو اس نئے اتحاد میں بزور شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ سلطنتیں زیادہ تر رومن کیتھولک مذہب کی پیرو اور پروٹسٹنٹ مذہب سلطنت کے مخالف تھیں اور حال ہی میں ایک خانہ جنگی میں شکست کھا چکی تھیں پس ۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۰ء تک جرمنی دو ممیز حصوں پر مشتمل تھی؛ ایک طرف پرشیا کی سرکردگی میں شمال کا حصہ تھا جو مضبوطی کے ساتھ متحد تھا دوسری طرف جنوب کی چار کمزور متفرق سلطنتیں بویریا، ورٹمبرگ، بیڈن اور ہیسی تھیں۔ اس کے بعد ایک ایسی صورت پیش آئی جس نے ازخود ان دونوں حصوں کو ملا دیا اور جرمنی کے اتحاد کو مکمل کر دیا یعنی فرانس نے جنگ کا اعلان کر دیا اور جرمنی پر حملے کی دھمکی دی۔

نپولین سوم کا انحطاط

ہم شہنشاہ نپولین کو آخری مرتبہ اس حالت میں چھوڑ آئے تھے جب وہ ۱۸۵۹ء کی اطالوی مہم میں مشغول تھا۔ اسوقت اس کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا کیونکہ ۱۸۵۹ء کے بعد پھر اسے فروغ حاصل نہیں ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کے قبضہ کر لینے سے اٹالیوں میں اسکی ہر دلعزیزی زائل ہو گئی تھی۔ ان کے لیے بدقسمتی سے ساخت ایسی آئی کہ اس نے اپنے خیالات "نئی دنیا" کی طرف منعطف کئے۔ بعض ایسے اسباب سے

میکسیکو کی ابتری

اس نے میکسیکو کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اور اب اس نے دیکھا کہ اس جمہوریت کی طاقت مقاومت بہت ہی کمزور ہے

تو اسے شکست کرکے (۱۸۶۳ء) میں شہنشاہ آسٹریا کے بھائی آرچ ڈیوک میکسیملین کے تحت میں وہاں ایک شہنشاہی قائم کردی، لیکن تمام اہل امریکہ اصول منرو کے گرویدہ تھے اور اس فرانسیسی حملے سے وہ اصول بہت بری طرح پامال ہوا تھا۔ پس سلطنہائے متحدہ امریکہ کی خانہ جنگی کی پریشانیوں کے ختم ہوتے ہی وزیر سیورڈ نے نپولین کو یہ سمجھا دیا کہ اسے فوراً ہی یہاں سے ہٹ جانا چاہئے نپولین کو اولاً کچھ تامل ہوا مگر آخر میں وہ انکار کی ہمت نہ کرسکا۔ فرانسیسی یورپ کی طرف روانہ ہوگئے میکسیملین کو جب اس کے رفقا نے چھوڑ دیا تو وہ گرفتار ہوگیا اور ۱۸۶۷ء میں اسے گولی مار دی گئی۔ اس کے بعد اہل مکسیکو نے اپنی جمہوریت پھر قائم کرلی۔

فرانس کو پرشیا سے حسد پیدا ہو چلا

صرف مکسیکو ہی کی مبادرت اس ذلت آمیز انجام پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اب اور بدتر صورتیں پیش آنے والی تھیں چونکہ اس زمانے میں فرانس کی بہترین فوجیں نئی دنیا میں تھیں اس وجہ سے شہنشاہ نپولین ۱۸۶۶ء کی جنگ آسٹریا و پرشیا کے نتیجے پر کوئی اثر نہ ڈال سکا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس جنگ کے بعد پرشیا کی مملکت بہت بڑھ گئی اور جرمن سلطنتوں کی ان مشکلات سے فرانس کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ فرانسیسی شہنشاہ نے معاوضے کے لیئے جو مطالبے کیئے، بسمارک نے انسے انکار کردیا جب نپولین نے لکسمبرگ کی حوالگی کا مطالبہ کیا، مگر اس قسم کے اتحاد کے خیال سے جرمن سلطنتوں کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا اور آخر الامر دول یورپ کی ایک مجلس مستشار ۱۸۶۷ء میں لندن میں جمع ہوئی اور اس نے لکسمبرگ کو ایک غیر جانبدار مملکت قرار دیدیا۔ چونکہ فرانسیسیوں کے دل میں صدیوں سے یہ تمنا بھری ہوئی تھی کہ اپنے ملک کی سرحد کو رائن تک پہنچادیں اس لئے وہ نپولین سے بیزار ہوگئے تھے کہ پرشیا و آسٹریا کی جنگ سے فائدہ اٹھاکر اس نے اس مقصد کے حصول کی کوشش کیوں نہ کی۔ پرشیا کی وسعت کا پلہ برابر کرنے کے لیئے توسیع ملک کے واسطے رائے عامہ کا جوش وخروش لوما فیوما بڑھتا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس و پرشیا کے تعلقات اور زیادہ خراب ہوگئے اور ایک

خفیف سا واقعہ شعلۂ جنگ کے بھڑکا دینے کے لئے کافی ہو گیا۔

۱۸۷۰ء کا اسپین کا واقعہ اتفاقیہ

۱۸۷۰ء میں اسپین کا تخت خالی ہو گیا اور "کارٹس" (یعنی پارلیمنٹ) نے خاندان ہوہنزولرن کے شہزادہ لیوپولڈ کو تاج و تخت پیش کیا چونکہ یہ شہزادہ پرشیا کے بادشاہ ولیم کا عزیز تھا اسوجہ سے اس سے پیرس میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا اور زیادہ تر اسی وجہ سے لیوپولڈ اس منصب کے قبول کرنے سے باز رہا، مگر محض باز رہنے سے نپولین کو اطمینان نہیں ہوا اور اس نے شاہ ولیم سے یہ وعدہ لینا چاہا کہ وہ لیوپولڈ کو آئندہ بھی اس تخت کے لئے امیدوار ہونے کی اجازت نہ دیگا۔ اس مطالبے سے شاہ ولیم نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر نپولین نے اپنی مجلس وضع قوانین کے پورے اتفاق کے ساتھ (۹ رجولائی ۱۸۷۰ء کو) اعلان جنگ کر دیا۔

جنوبی جرمنی، پرشیا کی طرف ہو گئی

اس جنگ میں نپولین کو یہ امید تھی کہ جرمنی کی جنوبی سلطنتیں، پرشیا کی نفرت کیوجہ سے اس کے ساتھ ہو جائینگی، لیکن ان سلطنتوں نے جرمنی کی اس ضرورت کے وقت اپنی تحریری وغیر تحریری دونوں ذمہ داریوں کا خیال کر کے اپنی فوجیں شاہ پرشیا کے اختیار میں دیدیں اور نہ صرف پرشیا بلکہ صدیوں کے بعد اب پہلی مرتبہ ایک متحدہ جرمنی اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان کی طرف بڑھی۔

جرمن فتوحات جنگ ورتھ

جرمن فوجوں نے اوائل اگست میں فرانس پر حملہ کیا ۶ر اگست کو پرشیا کا شہزادۂ ولیعہد فریڈرک، بمقام ورتھ، مارشل میکیملین کی فوج سے مقابل ہوا اور اسے ایسی کامل شکست دی کہ مارشل کو الساس چھوڑنا پڑا۔ دوسری فرانسیسی فوج جو لورین میں خیمہ زن تھی اب مز کے قلعہ عظیم کی طرف ہٹ گئی یہاں جرمنی کے میدان جنگ کے ماہر اعظم

جنگ گریولاٹ

مالٹکی نے اسے ہر طرف سے محصور کرنے کا عزم کر لیا اور (۱۸ر اگست کو) گریولاٹ کی خونریز جنگ کے بعد وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب جرمنی کی نصف فوج تو مز کے محاصرے پر لگا دیگئی اور

دوسرا نصف حصہ میکیملین کے مقابلے کے لیے مغرب کی طرف بڑھا جو اپنی شکست کی تلافی کرکے بہت تیزی کے ساتھ مزکی خلاصی کے لیے بڑھتا آرہا تھا۔

سیڈن کی اطاعت ۲ ستمبر ۱۸۷۰ء

یکم ستمبر کو مقام سیڈن میں میکیملین کی فوجیں پھر جرمنیوں سے مقابل ہوئیں اور دوسرے روز جب انھوں نے دیکھا کہ مقاومت بیکار ہے تو تمام فوج نے اطاعت قبول کر لی اور پنولین جو بذات خاص اس فوج میں موجود تھا وہ قیدی بنا کر رائن کے پار بھیجدیا گیا اور فتحیاب جرمن برابر مغرب کی طرف بڑھتے گئے اور ستمبر کے ختم ہوتے ہوتے پیرس کا محاصرہ کر لیا۔

تیسری جمہوریہ

اسی اثنا میں فرانس کے دار الصدر میں بہت ہی اہم واقعات رونما ہوچکے تھے۔ سیڈن کے اندوہناک واقعہ کے معلوم ہوتے ہی پیرس کا سارا شہر غصہ میں آکر اس بدنصیب شہنشاہی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ملکہ یوجین اپنے محل سے نکالدیگئی اور ۴ ستمبر کو فرانس نے پھر جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی چند اشخاص نے جنمیں سب سے زیادہ نمایاں شخص گیمٹا تھا جنگ کو پرزور طور پر چلانے کے لیے، ایک "محافظ قوم حکومت" قائم کی۔

پیرس کی حوالگی کے بعد صلح ہوگئی

پیرس کا محاصرہ اس جنگ کی آخری منزل تھی۔ گیمٹا نے نہایت ہی زوردار و قابل اعزاز مدافعت کی مگر آخر میں اسکی نوآموز فوج جرمنی کے قواعددان سپاہیوں کے سامنے بیکار ثابت ہوئی اور اکتوبر میں مزکی اطاعت سے پیرس کی ہمت ٹوٹ گئی اور مصائب گرسنگی بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ آخر ۲۸ جنوری کو اس نے اطاعت قبول کر لی جس سے جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور فرانس کو بیس کروڑ پاؤنڈ نقد اور الساس ولورین کے صوبے اپنے دشمن کے حوالے کرنے پڑے۔

شہنشاہی جرمنی کی تکوین۔

اس کے قریب ہی زمانے میں نئی جرمن شہنشاہی کے لیے ایک نظام سلطنت مکمل کیا گیا، جو محض شمال جرمنی کی سلطنہائے متفقہ کا نظام سلطنت تھا جسے اس طرح وسعت دیدیگئی تھی کہ اس میں

جنوب جرمنی کی سلطنتیں بھی شامل ہوجائیں۔ اس قانون کے بموجب سلطنہائے متحدہ امریکہ کے مانند جرمنی کا انتظام ایک متفقہ حکومت کے طور پر مرتب کیا گیا تھا۔ یہ نظام سلطنت مختلف حدوسعت کی پچیس سلطنتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ ان پچیسوں سلطنتوں کی حکومتیں ایک ایوان اعلےٰ میں جسے بنڈسراتھہ (ایوان نمائندگان ملوک) کہتے ہیں اپنے وکلا بھیجتی ہے اور قوم عام رائے دہی سے براہ راست ایوان ادنےٰ کے ارکان کا انتخاب کرتی ہے۔ جسے "ریشٹاگ" کہتے ہیں۔ "بنڈسراتھہ" اور "ریشٹاگ" دونوں ملکر قانون بناتی ہیں اور شاہ پرشیا بہ حیثیت شہنشاہ جرمنی اور متفقیت کے سرگروہ ہونے کے ان قوانین کو عمل میں لاتا ہے۔ اس اتحاد کیوجہ سے جرمنی صدیوں کے بعد پھر ایک عظیم الشان طاقت بن گئی ہے۔

"کمیون" (حکومت عوام) کی شورشیں ۱۸۷۱ء

صلح جرمنی کے بعد ہی کے مہینوں میں فرانس پر ایک سخت نازک وقت پیش آگیا۔ جمہوریت ابھی پوری طرح اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہوئی تھی کہ پیرس کے قانون شکن عناصر نے یہ کوشش کی کہ خود اپنی ایک حکومت بنالیں جس کا نام انھوں نے "کمیون" رکھا۔ کمیون نے فی الواقع شہر پر قبضہ کرلیا اور جائدادوں کی ضبطی، باشندوں کے قتل وہلاک اور دوسرے مظالم کے ذریعے سے (مارچ سے مئی تک دو مہینے) شہر پر اپنا قبضہ جمائے رکھا لیکن مئی میں محب وطن تھیرس نے (جو نئی جمہوریت کا عامل اوّل مقرر کیا گیا تھا) ورسیلز میں اپنے پاس ایک معقول فوج جمع کرلی اور مارشل میکمہن کو پیرس کے انقلابیوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لیئے روانہ کیا۔ آخر ایک مدت کے محاصرے اور ایک پورے ہفتے تک سڑکوں پر جنگ کرنے کے بعد کمیون کی فوجیں بالکل منتشر ہوگئیں، چونکہ ان کمیون والوں کو معاشرت کے قائم شدہ نظام سے مجنونانہ حد تک مخالفت تھی اس لیئے انھوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ فاتحوں کو صرف راکھ کا ایک ڈھیر ملے گا، اور اس لیئے ٹیولیریز اور لوئل ڈی وائل میں آگ لگا کر انھیں خاک سیاہ کردیا

فرانس کی جمہوریت بچالی۔

اور باقی پیرس کو بھی تباہ کر دینے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ایک دور گرفتاریوں اور قتلوں کا پیش آیا۔ اس کے بعد فرانس صدق دل سے جنگ کے خوفناک مصائب و نقصانات کی تلافی کرنے کے لیئے ہمہ تن آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ ملک کی موجودہ حالت اس کی کامیابی کی شاہد عادل اور تیسری جمہوریت کی قوت و سطوت کی گواہ ہے ؛

آسٹریا ہنگری کی دوگانہ شہنشاہی

فرانس و جرمنی کے جنگ کے دوران میں باقی سلطنتوں نے تماشائیوں سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ شہنشاہ آسٹریا سنہ ۱۸۶۶ء کے واقعات کے خیال سے اول اول دخل دینے کی طرف مائل تھا مگر مختلف اسباب نے ایسے اُس ارادے سے باز رکھا جس میں غالباً سب سے قوی سبب یہ تھا کہ ابھی حال ہی میں اس کے ملک کا اندرونی نظم و نسق از سر نو مرتب ہوا تھا۔ درحقیقت سنہ ۱۸۶۶ء نے اصلاح کا ایک دور پیش کر دیا تھا۔ کیونکہ پرشیا کے ہاتھوں ایسی سخت شکست، شہنشاہ فرانسس جوزف کے دل پر اپنا اثر پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے اب یہ سمجھ لیا کہ اسے اپنے ملک کی مختلف اقوام کو راضی کرنا اور ایسی حکومت قائم کرنا چاہیئے جس میں عوام کو دخل ہو خاصکر ہنگریوں کو ضرور دوبارہ اپنا وفاکیش بنا لینا چاہیئے اس لیئے اس نے ہیپسبرگ کی مملکت کو آسٹروی و ہنگروی دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ممالک غیر کی حکمت عملی و جنگ وغیرہ کے ایسے معاملات کے سوا تمام دیگر معاملات میں دونوں کو ایک دوسرے سے آزاد کر دیا۔ وائنا میں فرانسس جوزف آسٹریا کا شہنشاہ اور بڈاپسٹ میں ہنگری کا بادشاہ ہو گیا اور اپنی مملکت کے ان دونوں حصوں میں اس کی فرمانروائی کے لیئے جداگانہ نظام حکومت، جداگانہ مجلس وضع قوانین اور جداگانہ نظم و نسق مرتب ہو گئے۔ دوسری شہنشاہی سنہ ۱۸۶۸ء میں قائم ہوئی اور توقع سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ اس دوسری شہنشاہی کو ایک بڑا خطرہ قوم سلاف سے لگا ہے جو برابر یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ جیسی مخصوص حیثیت ہنگری کو دیگئی ہے ویسی ہی انھیں بھی دیجائے

دہری شہنشاہی کے بجائے انکی خواہش ایک متفقہ شہنشاہی کی ہے۔

باب (۳۵)

برطانیۂ عظمیٰ و روس

(الف) انیسویں صدی میں برطانیۂ عظمیٰ کی حالت

سنہ ۱۸۱۵ء کے بعد کی ٹوری حکومت

جس شدت اور جس استقلال کے ساتھ برطانیۂ عظمیٰ نے فرانسیسی انقلاب کا مقابلہ کیا کسی اور قوم نے ایسا نہیں کیا پس یہ ایک طبعی امر تھا کہ یہ طویل جنگ (۱۷۹۳ - ۱۸۱۵) جس نے شاہ جارج سوم کی رعایا میں انقلابی خیالات کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی تھی جب ایک مرتبہ ختم ہو جائے تو براعظم کی طرح انگلستان میں بھی رجعت و بازگشت کا دور شروع ہو جائے۔ پس ٹوری فریق نے بسر کردگی لارڈ کاسلری، ڈیوک ولنگٹن و دیگر مخالفان ابداع و تجدید برطانوی سلطنت کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور برسوں تک اسے شدید اعیانی مقاصد کے بموجب چلاتے رہے مگر جس طرح براعظم یورپ نے مٹرنک کے "محالفۂ مقدس" کے جوئے کو جبراً و قہراً اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا اور اسے اُتار پھینکنے کے لئے چپکے ہی چپکے تیار ہو رہا تھا اسی طرح

انگلستان بھی آہستہ آہستہ اپنے جمود کی حالت سے بیدار ہو کر اصلاح کی شاہراہ پر چلنے کے لیے آمادہ ہوگیا، اور اصلاح کا خیال جب ایک مرتبہ مسلم ہوگیا تو پھر بہت سی چیزیں ایسی نظر آنے لگیں جو شدت کے ساتھ اصلاح کی متقاضی تھیں۔

اصلاح مذہبی و قانون اختیار کی ترمیم (۱۸۲۸ء)

سب سے پہلے مذہب کی خلاف طبع حالت پر نظر پڑتی ہے۔ ۱۶۸۹ء کے قانون رواداری نے منحرفوں کو عملاً عبادت کی آزادی دیدی تھی مگر قانون اختیار کی رو سے جس پر اب بھی عمل جاری تھا وہ سرکاری عہدوں کے پانے سے محروم تھے۔ آخر ۱۸۲۸ء میں پارلیمنٹ کو اس امر پر آمادہ کیا گیا کہ وہ قانون اختیار کو ترمیم کردے اور اس طرح پہلی مرتبہ پرسبٹیرین، بیپٹسٹ اور متھوڈسٹ فرقوں کے بیشمار افراد کو پوری پوری انگریزی شہریت کا مستحق بنایا گیا کہ وہ بھی اعتماد کے سرکاری عہدوں پر اسی طرح فائز ہوسکتے ہیں جسطرح اینگلیکن کلیسا کا کوئی پیرو ہوسکتا ہے۔

رومن کیتھولکوں کی تخفیف قیود ۱۸۲۹ء

لیکن ابھی رومن کیتھولکوں کے متعلق بھی اسی قسم کی منصفانہ کارروائی کرنا باقی رہگیا تھا۔ انھیں قانون اختیار کی ترمیم سے فائدہ نہیں پہنچتا تھا کیونکہ اس میں ایک شرط یہ موجود تھی کہ انگلستان کا ہر ایک عہدہ دار پوپ سے تبرا کرے۔ اگر آئرلینڈ کے خطرناک ہیجان نے پارلیمنٹ کو مجبور نہ کردیا ہوتا تو غالباً یہ غالی پروٹسٹنٹ پارلیمنٹ رومن کیتھولکوں کو آزادی دینے کے معاملے کو بالکل ہاتھ نہ لگاتی۔ یہ ہیجان آئرلینڈ کے محب وطن فصیح البیان اوکانل کا پیدا کیا ہوا تھا جس نے وہاں کے رومن کیتھولکوں کو یہ جوش دلادیا تھا کہ وہ ان قوانین کے خلاف اعتراض کریں جنھوں نے اس قدیم مذہب کے پیرووں کو دست منتظمہ میں نمائندگی سے محروم کردیا تھا۔ ولنگٹن اور اس کے ٹوری احباب اوّل اوّل تو اوکانل کی اس بلند آہنگی اور اسکے تہدیدوں کو نظر حقارت سے دیکھتے رہے مگر جب اس قوی العزم ڈیوک

نے دیکھا کہ آئرلینڈ کا ایک ایک متنفس اپنے سرگروہ کی پشت پناہی کر رہا ہے اور اپنے مطالبات پر اسقدر مستحکم ہے کہ انقلاب تک کے لیئے آمادہ ہے تو پھر اس نے مدبرانہ دانشمندی سے کام لیکر دب جانا مناسب سمجھا۔ اس نے ۱۸۲۹ء میں ایک قانون رومن کیتھلکوں کی تخفیف قیود کے لیئے منظور کرایا جس کی رو سے رومن کیتھولک سلطنت کے صرف اعلیٰ ترین عہدوں کے سوا باقی اور تمام عہدوں پر فائز ہونے کے اہل قرار پا گئے؛

جدید اصلاح کو ۱۸۳۲ء کے بعد فتح حاصل ہوئی

قیود کے برطرف کرنے والے ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء کے یہ دونوں قوانین کنسرویٹیو مستحفظ فریق کی دیوار حفاظت میں پہلے رخنے تھے، لیکن اس کے بعد اور حملوں کا ہونا بھی یقینی تھا اور جب ۱۸۳۰ء میں وہگ یا لبرل وزارت نے ٹوری یا کنسرویٹیو وزارت کی جگہ لے لی تو پھر پارلیمنٹ نے بخط مستقیم سب سے زیادہ ضروری اصلاح یعنی خود اپنے ارکان کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا؛

پارلیمنٹی خرابیاں

۱۸۳۰ء میں نشستیں اسی قاعدے کے مطابق منقسم تھیں جس میں دوسو برس سے کوئی اہم تغیر نہیں ہوا تھا مگر آخری دو صدیوں نے انگلستان کے نظم معاشرت میں بہت بڑے تغیرات پیدا کر دیئے تھے۔ جو قصبے کسی وقت میں آباد و خوش حال تھے وہ اب بالکل ویران ہو گئے تھے اور جو مقامات کسی وقت میں محض قریہ تھے وہ اب معمور و متمول ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے قصبے جن کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا پر اپنے دستور کے موافق ابتک پارلیمنٹ میں اپنے قائم مقام بھیجتے رہتے تھے۔ اس قسم کے قصبوں کو بہت بجا طور پر "بوسیدہ" کہا جاتا تھا کیونکہ جو ارکان ان کی طرف سے پارلیمنٹ میں نشست کرتے تھے وہ محض چند افراد کے نامزد کردہ ہوتے تھے بلکہ اکثر تو محض ایک ہی شخص کے (یعنی خود اپنے) نمائندے ہوتے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ دارالعوام کی جو ہئیت و ترکیب ۱۸۳۰ء میں تھی وہ محض فریب کاری تھی اور اُسے

انگریزی قوم کا قائم مقام کہنا بالکل خلاف واقعہ تھا۔

قانون اصلاح کی منظوری سنہ ۱۸۳۲ء

لبرل (آزادی پسند فریق) نے جب سنہ ۱۸۳۰ء میں پارلیمنٹی اصلاح کا سوال اٹھایا تو اس میں اور کنسرویٹو (مستحفظ فریق) میں سخت مخاصمت برپا ہوگئی مگر چونکہ ملک لبرلوں کی پشت پر تھا وہ اپنے کام کو پورا کر لیگئے۔ (سنہ ۱۸۳۲ء میں) اصلاح کے مسودے نے قانون کی صورت اختیار کی۔ "بوسیدہ" قصبات حق رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی رائے دہی کا حق اہل ملک کے بہت سے اور طبقات تک وسیع کر دیا گیا۔

دوسرا و تیسرا قانون اصلاح

سنہ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے انگلستان میں قوت و اختیار کو متوسط طبقہ کی طرف منتقل کر دیا، اگر ہنوز حرفتی و زرعی طبقات کے لیئے اس نے کچھ نہیں کیا تھا لیکن زمانہ اصول مساوات کی طرف اس طرح مائل تھا کہ جلد یا بدیر ان لوگوں کو بھی حکومت میں حصہ ملنا ضروری تھا۔ عملی ضروریات جس طرح پیدا ہوتی گئیں اسی طرح پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً حق رائے دہی وسیع کرتی گئی سنہ ۱۸۶۷ء اور سنہ ۱۸۸۴ء کے دو مزید قوانین اصلاح کے ذریعہ سے اُس نے سنہ ۱۸۳۲ء کے قانون کی تکمیل کر دی اور اتنے لوگوں کو حق رائے دہی عطا کر دیا کہ انگلستان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں رائے دہی کا ہمہ گیر طریقہ قریب قریب رائج ہوگیا ہے۔

قوانین غلہ کی ترمیم سنہ ۱۸۴۶ء

ان پارلیمنٹی اصلاحوں کے دوش بدوش اور بھی بہت سی اصلاحیں ایسی ہوتی رہی ہیں جنھوں نے کم و بیش خدمات ملکی کی ہر شاخ پر اثر ڈالا ہے۔ غالباً ان میں سب سے زیادہ اہم قانون غلہ کی ترمیم ہے۔ قانون غلہ کا مقصود یہ تھا کہ اجناس پر بہت گراں محصول لگا کر زمیندار طبقہ کو جو زیادہ تر جماعت اعیان سے تعلق رکھتا تھا محفوظ رکھے مگر اس محصول کا لازمی اثر یہ تھا کہ روٹی کی قیمت بڑھ گئی تھی جس کا بہت سخت بار انگلستان کے مزدوروں پر پڑتا تھا۔ ایک مدت تک

عوام کو ان مسائل کے سمجھانے کی مہم جاری رہی اور اس مہم کا سرگروہ اقتصادیات کا عالم رچرڈ کابڈن تھا۔ آخر ۱۸۴۶ء میں قوانین غلہ کی ترمیم ہوئی اور ان کے ساتھ محفوظ تجارت کا تمام طریقہ ہی ساقط ہوگیا۔ اس کے بجائے انگلستان نے آزاد تجارت کا طریقہ اختیار کیا جس کے تحت میں اس نے تمام دنیا کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات میں بے حد وغایت وسعت پیدا کر لی ہے۔

مسئلہ آئرلینڈ

اگرچہ عاقلانہ اصلاحات کی حکمت عملی نے برطانیہ عظمیٰ میں انیسویں صدی میں پیش آنے والی ان اندرونی مشکلات کے بیشتر حصے کو رفع کر دیا مگر ایک مسئلہ ایسا باقی رہ گیا ہے جو اس صدی کے آخر میں بھی اسی قدر پیچیدہ و مایوس کن ہے جس قدر صدی کے اوائل میں تھا۔ اس مسئلے کا نام "آئرلینڈ" ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ برطانوی پارلیمنٹ نے آئرلینڈ کی انواع و اقسام کی مصیبتوں سے بالکل آنکھ بند نہیں کر لی تھی اور ۱۸۲۹ء کے "قانون تخفیف قیود" نے آئرلینڈ کے رومن کیتھولکوں کو بھی حکومت کے عہدوں کا اہل قرار دیدیا تھا۔ اسی قسم کا ایک انتفاع ۱۸۶۹ء میں بھی عطا ہوا جب پروٹسٹنٹ کلیسا کا اسکوپل (اسقفی) انتظام (جسے اہل آئرلینڈ اپنا قومی کلیسا کہنے پر مجبور کئے گئے تھے) اپنے امتیازات سے محروم کر دیا گیا۔

موجودہ شکایات

لیکن جس زمانے میں رواداری کا خیال برابر بڑھتا جا رہا تھا اس زمانے میں اہل آئرلینڈ کی اس قسم کی مذہبی شکایات کا رفع کر دینا پارلیمنٹ کے لئے نسبتہً آسان تھا، لیکن پارلیمنٹ نے دوسری شکایات کے لئے بھی کوئی نہ کوئی علاج مہیا کرنے کی کوشش کی۔ مشکل یہ ہے کہ سترہویں صدی کی ضبطیوں کی وجہ سے ایک بڑی حد تک آئرلینڈ کی زمین چند سوانگریز صاحبان جائداد کے ہاتھ میں آگئی ہے اور خود اہل آئرلینڈ محض کاشتکار مزدور ہو گئے ہیں۔ تاہم ۱۸۰۱ء کے قانون اتحاد کے بعد سے آئرلینڈ کو بتدریج حکومت خود اختیاری کے کسی قدر فوائد حاصل ہوتے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں، دارالعوام کے آئرلینڈی فریق کی کوششیں اور مقاصد کی طرف مائل رہی ہیں۔ اولاً یہ کہ آئرلینڈ کے کاشتکار، انگریز صاحبان جائداد سے اس زمین کی ملکیت حاصل کرلیں جس پر وہ کاشت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اہل آئرلینڈ کے لئے خود ڈبلن میں ایک پارلیمنٹ قائم ہوجائے جو وہاں کے مقامی معاملات کا بالکل اسی طرح انتظام کرے جس طرح امریکہ کی ریاستوں کی مجالس وضع آئین و قوانین اپنے اپنے ملک کا اندرونی انتظام کرتی ہیں۔ اگرچہ جلیل القدر لبرل فریق نے، ولیم گلیڈسٹن کے جوش دلانے سے آئرلینڈ کے مذکورۂ بالا تجویز میں مدد دینے کی کوشش کی اور اگرچہ متعدد "قوانین اراضی"، منظور ہوچکے ہیں جن سے آئرلینڈی کاشتکاروں کو بہت وسیع فوائد حاصل ہوگئے ہیں مگر اب بھی اہل آئرلینڈ کا مطمئن ہونا بعید ہے اور آئرلینڈ کا یہ پرخار مسئلہ بدستور الجھا پڑا ہے مسٹر گلیڈسٹن کے مسودۂ قانون "ہوم رول" (حکومت ملکی) پر پارلیمنٹ میں بحث ہوئی مگر برطانوی قوم کے بہت ہی کثیر حصہ کی رائے کا پاس و لحاظ کرکے اسے نامنظور کردیا گیا۔

انگلستان ایک عالمگیر شہنشاہی ہے

انیسویں صدی میں انگلستان کے ارتقاد توسیع کا خاکہ جب کھینچا جائے گا تو یہ ممکن نہیں کہ اس خاکے میں اس کی حیرت انگیز مستعمری توسیع اور اس کے بعض دیگر متعلقہ فوائد پر بحث نہ کی جائے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان نوآبادیوں نے اتنے وسیع ذرائع تجارت مہیا کردیئے ہیں کہ فی زمانہ برطانیہ کی دولت ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اس وسعت مستعمری کے فوائد نقصان و خسران سے محفوظ نہیں رہے ہیں تمام دنیا میں ایسے تعلقات پیدا کرلینے کی وجہ سے جنھیں خطرے کے وقت محفوظ رہنے کی ضرورت ہو، اس انیسویں صدی میں انگلستان کو بیشمار لڑائیوں میں پھنسنا پڑا ہے۔ درحقیقت یہ کہنا چاہیئے کہ "جنگ نے انگریزی سیاسیات میں ایک مستقل حیثیت اختیار کرلی ہے۔"

قسطنطنیہ میں روس و انگلستان کی رقابت

لیکن یہ تصادم چھوٹی چھوٹی طاقتوں سے پیش آئے بڑی طاقتوں سے انگلستان کو اس انیسویں صدی

میں صرف ایک مرتبہ جنگ کریمیا (۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء) میں سابقہ پڑا ہے۔ اس جنگ میں اس نے اس وجہ سے دخل دیا کہ وہ روس کو قسطنطنیہ سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ اور ترکی کے متعلق اِن دونوں طاقتوں کی رقابت نے اسی وقت سے اُن کے تعلقات کو کشیدہ کر رکھا ہے۔

ایشیا میں روس و انگلستان کی رقابت

اس پر ایشیا میں ایک اور مشکل کا اضافہ ہو گیا ہے انگلستان کا سب سے وسیع اور سب سے دولتمند مقبوضہ ہندوستان ہے، اور انگلستان بڑی تندہی سے اس مملکت کی حفاظت کرتا ہے۔ ادھر روس سو برس سے برابر اپنے مقبوضات کو وسطی و مغربی ایشیا میں وسعت دیتا چلا جا رہا ہے یہانتک کہ ہندوستان کے انگریزوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ معرض خطر میں ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے اندر انگلستان اور روس کے درمیان سرحدی تنازعات کچھ کم نہیں ہوئے ہیں، اور ممکن ہے کہ یہی تنازعات کسی وقت اِن دونوں ملکوں کو جنگ میں پھنسا دیں بہر نوع دعوے کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگلستان کی مستعمری شہنشاہی کو سب سے بڑا خطر روس کی طرف سے ہے اور یہ خطرہ بالتخصیص انھیں دو موقعوں پر زیادہ ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے، ایک مشرقی بحیرہ روم جہاں وجہ رقابت قسطنطنیہ ہے اور دوسرے ہندوستان۔

انگلستان کا "شاندار تفرد"

۱۸۸۲ء میں مصر پر قبضہ کر لینے سے انگلستان نے درحقیقت نہر سویز اور دوسرے بحری راستوں کو اپنے قابو میں کر لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اُس نے بحیرۂ روم میں فرانس کے اثر پر ایک ایسی ضرب لگادی ہے جو اس قوم کو آسانی سے فراموش نہیں ہو سکتی۔ تاہم ابھی تک اس قسم کے مناقشات سے جنگ کی نوبت نہیں آنے پائی ہے۔ برطانیہ چونکہ ایک تجارتی طاقت ہے اس وجہ سے وہ فوجی اولوالعزمیوں میں پڑنے کی شائق نہیں ہے اور دوسری یورپی سلطنتیں خود اپنے جھگڑوں سے پارہ پارہ ہو گئی ہیں، اس لئے انھیں برطانیہ کے خلاف متحد ہونے کی فرصت نہیں ہے۔

(ب) انیسویں صدی میں روس کی حالت۔

روس کا عروج

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے ناظرین کے ذہن پر ایک سے زائد مواقع پر روشن ہو گیا ہو گا کہ دنیا میں روس کی اہمیت بڑھتی جا رہی تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیٹر اعظم (۱۶۸۹ء سے ۱۷۲۵ء) کے تحت میں روس نے ایک یورپی طاقت کی حیثیت حاصل کر لی تھی کیتھرائن عظمیٰ (۱۷۶۲ء سے ۱۷۹۵ء) کے دور میں ہم یہ مشاہدہ کر چکے ہیں کہ اس نے پولینڈ کی بربادی کی تکمیل کر دی اور الگزنڈر اول کے عہد میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ نپولین کے زیر کرنے میں، اس نے تمام اقوام یورپ کی سربراہی اختیار کر لی تھی الکزنڈر کے انتقال کے بعد سے اسوقت تک ہر ایک زار کی خاص حکمت عملی یہی رہی ہے کہ ترکی کو زیر کرنا اور روس کی سلطنت کو ایشیا میں وسعت دینا چاہیئے

ترکی شہنشاہی

روس و ترکی کی مخاصمت باہمی کی نوعیت کے سمجھنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ سلطنت عثمانیہ کی حالت کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ کر لیا جائے۔ یہ سلطنت بالتخصیص چودھویں اور پندرھویں صدی میں جوش مذہب سے بھرے ہوئے مسلمان ترک قبائل کی فوجی کامیابیوں سے قائم ہوئی تھی، اور اپنے منتہائے عروج کے وقت میں افریقہ کے شمالی ساحل، شام، وایشیاء کوچک اور یورپ کے جنوب شرقی حصہ پر حاوی تھی۔ شہنشاہی ترکی کا سرتاج اس کا مطلق العنان مالک ہے، اور اسے سلطان کہتے ہیں۔ اس کے تحت میں شہنشاہی کے مختلف حصص یا صوبوں کے افسر اعلی پاشا ہوتے ہیں۔ ترکوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ جن مختلف قوموں کو انھوں نے فتح کیا انھیں اپنے میں جذب کر لیں اور کہیں اس رنگ کے سوا اور کوئی رنگ اختیار نہیں کیا کہ غلاموں کی مفتوح قوموں کے درمیان فوجی مطلق العنان لوگوں کا ایک ذی امتیاز طبقہ خیمہ زن ہو گیا ہے ؎

بلقان کی عیسائی قوموں کی بغاوت

انیسویں صدی کے اوائل میں ترکی حکومت کی مطلق العنان نوعیت سلطان کی عیسائی رعایا میں شرم و وحشت کے جذبات پیدا کرنے لگی تھی۔ ان عیسائیوں کا بیشتر حصہ جنوب مشرقی یورپ

میں آباد اور نسلاً یونانی یا سلافی تھا۔ یونانیوں کی آبادی کم و بیش قدیم ہیلاس (یونان) اور جزائر ایجیئن کے اندر ہی اندر محدود تھی مگر سلافی (جس میں سرب بلغاری، رومانی، ماننگری کی شاخوں میں امتیاز کرنا ضروری ہے) تمام جزیرہ نمائے بلقان میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کی کوئی جغرافی حد بھی اکثر صاف طور پر معین نہیں تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز ہی سے یونانی و اسلافی قومیں ترکی حکومت سے یوماً فیوماً زیادہ مضطر اور بےچین ہوتی جارہی تھیں اور اپنی خودمختاری کے لئے متعدد بار شورشیں اور بغاوتیں برپا کرچکی تھیں۔ ان بغاوتوں میں انھیں تقریباً ہمیشہ ہی روس کی ہمدردی و مدد حاصل رہی ہے کیونکہ اولاً تو بلقان کی محکوم قوموں کی بغاوت روس کی حکمت عملی کے عین موافق تھی جو ہر طرح پر ترکی کی بربادی کے درپے تھا، دوسرے یہ کہ روسی قوم یونانی کلیسا کی پیرو تھی اور اس وجہ سے وہ سلافیوں اور یونانیوں سے ہم مذہبی کے رشتہ سے بھی منسلک تھی۔

یونان کی خودمختاری اور ۲۹-۱۸۲۸ء کی جنگ روس و ترکی

جزیرہ نمائے بلقان کی بعض تحریکوں اور اس کی بنا پر روس و ترکی کے بعض مخاصمات سے ناظرین کو اس سے قبل کچھ آگاہی ہوچکی ہے۔ ۱۸۲۱ء میں یونانی اپنے آقاؤں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کشمکش میں کئی برس تک جس مردانہ وار شجاعت و دلیری سے انھوں نے مقابلہ کیا وہ تاریخ کے کسی اور واقعہ سے کم رتبہ قرار نہیں پاسکتی۔ (۱۸۲۷ء میں) بمقام نویرینو دول مغربی کی مداخلت اور اس کے بعد ۲۹-۱۸۲۸ء کی جنگ کے ذریعہ سے روس کی زیادہ پُرزور مداخلت نے یونانیوں کا پلہ جھکادیا اور وہ ایک آئینی بادشاہ کے تحت میں آزاد ہوگئے۔ اڈریانوپل میں جس صلح نامہ پر دستخط ہوئے اُس کی رو سے روسیوں نے یہ مزید مراعات بھی حاصل کرلی کہ سرویا، مالڈیویہ، اور والیشیا کی ریاستوں کو ایک مناسب حد تک خوداختیاری عطا کیجائے۔

جنگ کریمیا، انگلستان و فرانس کا ترکی کو مدد دینا۔

۲۹-۱۸۲۸ء کی جنگ زار نکولس اول (۱۸۲۵ء-۱۸۵۵ء) کی برپا کی ہوئی تھی اور آئندہ برسوں میں روز بروز اسکا

یہ یقین زیادہ بڑھتا جاتا تھا کہ ترکی شہنشاہی کا شیرازہ بکھر رہا ہے سلطان کے لیئے مرد بیمار کا مشہور فقرہ اسی کا ایجاد تھا اور ۱۸۵۳ء میں اسی نے مرد بیمار کے بعض ممالک پر قبضہ کرلیا تھا جس کا نتیجہ جنگ کریمیا کی صورت میں ظاہر ہوا جس میں انگلستان و فرانس، ترکی کے حلیف بن گئے اور اس محالفہ نے ترکی کو اس جنگ میں کامیاب بنادیا، لیکن باوجود روسیوں کی شکست کے نہ جزیرہ نما کے عیسائیوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا اور نہ ترکوں کو کوئی نفع حاصل ہوا۔ ڈینیوب کی اہم امارات یعنی سرویا، والیشیا اور مالڈویہ کے اس استحقاق حکومت خود اختیاری تحت سیادت سلطان کی تصدیق کی گئی جو انھیں صلح نامہ ایڈریانوپل کی روسے عطا ہوا تھا*

بوسینیا کی بغاوت جزیرہ نمائے بلقان کے حالات میں ۱۸۷۵ء تک کوئی دوسرا نازک موقع پیش نہیں آیا، مگر اس سال میں کہا جاتا ہے ترکی محصلین کے ناقابل برداشت مظالم کی وجہ سے اس صوبے میں بغاوت ہوپڑی۔ بوسینیا کے دلیر باغی کامیابی کے ساتھ پہاڑوں کے اندر جمے رہے اور کچھ زمانہ سے لیئے ترکوں کی حالت نازک ہوگئی تھی۔ ادھر وہ اہل بوسینیا سے لڑرہے، اُدھر عقب میں یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ بوسینیوں کے ہمدرد بھی بغاوت نکردیں کیونکہ بوسینیا کے اس جدوجہد سے ترکی حکومت کے تمام عیسائیوں میں سخت جوش و ہیجان پیدا ہوگیا تھا اور اُن میں یہ خیال سرایت کرتا جاتا تھا کہ سب متفق ہوکر اپنے مسلمان آقا کے خلاف بغاوت کردیں۔ اس تحریک سے خائف ہوکر ترکوں نے یہ عزم کرلیا کہ ایک خاص طریقے سے وہ پہلے ہی اس کا انسداد کردیں۔ چنانچہ انھوں نے فوج ردیف کے سپاہیوں کو بلغاریوں میں بھیج دیا اور حکم دیدیا کہ جو شخص بھی مقابل ہو اُسے قتل کردیں۔ یہ سپاہی بے پناہ بلغاری دیہاتوں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بے رحمانہ طور پر ہزارہا مردوں، عورتوں و بچوں کو قتل کرڈالا*

سنہ ۱۸۶۱ء میں ولیشیا و مالڈویہ کو ملاکر اسی کا نام رومانیا رکھدیا گیا۔

بلغاریوں کا قتل عام ۱۸۷۶ء

بلغاریوں پر اس ظلم وستم کے ہونے سے تمام یورپ غصہ و وحشت سے بھر اُٹھا۔ سلطان نے کچھ کمزور سے عذرات کئے مگر یورپ و ترکی کی پیچیدگیاں اب اس حد سے بڑھ گئی تھیں، کہ کاغذی طور پر ان کا تصفیہ ہو سکے۔ روس میں جہاں کی آبادی نسلاً و مذہباً بلغاریوں سے رشتۂ اخوت رکھتی تھی عوام کا جوش اس درجہ قابو سے باہر ہو گیا کہ زار الگزنڈر دوم (۱۸۵۵ء تا ۱۸۸۱ء) رائے عامہ کے دباؤ کو روک نہ سکا اور وہ اسے روکنا چاہتا بھی نہ تھا۔ پس اس نے اپریل ۱۸۷۷ء میں اعلان جنگ کر دیا۔

روسی حملہ۔ پلیونہ

جون میں روسیوں نے دریائے ڈینیوب کو عبور کیا اور ایک ہفتہ بعد کوہستان بلقان کے خاص خاص راستوں پر قابض ہو گئے۔ اس موقع پر پہنچکر اُنکو ایک سخت رکاوٹ سے سامنا پڑا۔ ترکی شہنشاہی کے اس تیزی کے ساتھ درہم برہم ہوتے وقت ایک شخص اٹھا جس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ کم از کم اپنی قوم کی فوجی عزت کو بچالے جائے، یہ شخص عثمان پاشا تھا، جو کچھ تھوڑی بہت فوجیں فراہم ہو سکتی تھیں اُنھیں جمع کرکے وہ پلیونہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اور پانچ مہینے تک روسیوں کے مقابلے میں ایسی مدافعت کی کہ اُن کا قسطنطنیہ کی طرف آگے بڑھنا قطعاً رک گیا اور تمام دنیا میں صدائے تحسین وآفرین بلند ہو گئی لیکن دسمبر ۱۸۷۷ء میں پلیونہ پر قبضہ ہو گیا اور "شیر پلیونہ" عثمان کو اپنی باقی ماندہ خستہ و درماندہ فوج کے ساتھ خود کو حوالے کر دینا پڑا۔

صلح سین سٹیفانو، انگلستان کا اعتراض

پلیونہ کے سر ہوتے ہی روسی پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھ چلے۔ ترکی نے مزید مقاومت نہیں کی اور ترکی دارالصدر کے میناروں کے زیر نظر روسیوں نے (مارچ ۱۸۷۸ء میں) ترکوں سے بزور صلح نامہ سین سٹیفانو پر دستخط کرائے۔ اس صلحنامہ نے عملی حیثیت سے ترکی شہنشاہی کو بالکل خاک میں ملا دیا تھا، لیکن ابھی اس پر دستخط ہی ہوئے تھے کہ انگلستان نے یہ مطالبہ کیا کہ اس صلحنامہ کو نظر ثانی

کی غرض سے یورپی طاقتوں کے سامنے پیش ہو جانا چاہیئے۔ روس نے اولاً تو عذر کیا مگر جب انگلستان نے (جس پر اس وقت لارڈ بیکنسفیلڈ (ڈزرائلی) حکمران تھا) اس امر کو یکسو کرنے کے لیئے جنگ کی دھمکی دی تو زار کو دبنا پڑا، اور صلح سین سٹیفانو پر نظر ثانی کرنے کے لیئے (جون ۱۸۷۸ء میں) موتمر برلن کا اجتماع ہوا ﴿

موتمر برلن ۱۸۷۸ء

موتمر برلن روس کی طرف سے بہت مشتبہ تھی اس لئے اس نے جزیرہ نمائے بلقان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو مستحکم کرنے کی حکمت عملی اختیار کی اسے اس طریق سے یہ توقع تھی کہ یہ ریاستیں روس اور اس کے آئندہ کے شکار کے درمیان ایک موثر روک ثابت ہونگی موتمر نے امور ذیل کی تصدیق کی :۔ (۱) مانٹنگرو، سرویا اور رومانیہ خود مختار قرار دئے گئے۔ (۲) بلغاریہ ایک خود اختیاری حکومت کی امارت بنادی گئی اور وہ سلطان کو صرف ایک رقم سالانہ خراج کے طور پر ادا کرنے کی پابند تھی۔ (۳) قدیم بلغاریہ کا جنوبی حصہ یعنی وہ حصہ جو کوہستان بلقان کے جنوب میں واقع تھا، مشرقی رومیلیا کا صوبہ بنا دیا گیا اور اگرچہ ملکی انتظام میں اسے خود مختاری عطا کر دی گئی تھی مگر ترکون کا فوجی اقتدار برقرار رکھا گیا تھا۔ (۴) آسٹریا کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ وہ بوسینیا اور ہرزیگوینا کو اپنے قبضہ میں رکھکر انکا انتظام کرے (۵) روس کو بسارابیا (Bessarabia) اور ایشیاء کوچک میں متعدد چھوٹے چھوٹے قطعات دے گئے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ برلن کی موتمر کے نتیجہ کے طور پر روس کے اعزاز کو نقصان پہنچا اور اس کے فتوحات اس سے چھین لئے گئے اور اسوجہ سے وہ برلن کی قرارداد کو ہمیشہ رنج وغصہ سے دیکھتا رہا ہے ﴿

جنگ کے بعد سے رومانیا، سرویا اور بلغاریہ کی حالت

موتمر برلن کے بعد سے متعدد تغیرات واقع ہو چکے ہیں، جس میں سے اکثر تغیرات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بلقان کی ''دوجابی'' سلطنتوں کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور برلن کی حکمت عملی کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔ ۱۸۸۱ء میں رومانیا نے خود کو شاہی

قرار دیکر اس کا اعلان کر دیا۔ ہونزولرن، سگمرینجن کے جرمن خاندان کے ایک رکن کو چارلس اول کے لقب سے اپنا پادشاہ بنالیا۔ ۱۸۸۲ء میں سرویا نے بھی اس کی نقل کی اور اس کا پہلا بادشاہ ملان اول تھا جو خود سرویا ہی کے خاندان آبر بناوچ کا رکن تھا۔ بلغاریہ میں اور بھی زیادہ تغیرات ہوئے ۱۸۸۵ء میں مشرقی رومیلیا جسے موتمر برلن نے اس کی مرضی کے خلاف بلغاریہ سے علٰحدہ کر دیا تھا، ترکی حکومت سے بغاوت کر کے اپنی قریبی سلطنت بلغاریہ کے ساتھ شامل ہوگئی۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی زمانے بعد الگزنڈر (بیٹنبرگ) جو ۱۸۷۹ء میں بلغاریہ کا حکمران منتخب ہوا تھا روسیوں کی سازش سے معزول کر دیا گیا مگر اس سو، اتفاق سے ملک کے معاملات میں زیادہ خلل نہیں پڑا کیونکہ کوبرگ کا فرڈینینڈ، بجائے الگزنڈر کے حکمران منتخب ہوگیا اور اس وقت سے ملک میں نسبتہً سکون قائم رہا ہے۔

روس ایشیا میں موتمر وائنا کے بعد سے روس نے ترکی کے خلاف جو تین لڑائیاں لڑیں، ان کے ذریعہ سے اس ملک سے اگرچہ بہت معقول مقبوضات حاصل نہ کئے لیکن دوسرے مقامات میں اسے اور بھی زیادہ نفع حاصل ہوا ہے۔ وسطی و مشرقی ایشیا میں کسی اہم دشمن سے مقابلہ نہیں پڑا اور اس لئے تدریجی دراندازی سے اس نے سائبیریا کے ساتھ جو پہلے ہی سے اس کے قبضہ میں تھا، سرحد کے اور بھی بہت سے صوبے شامل کر لیئے ہیں۔

نیم غلاموں کو آزادی ۱۸۶۱ء قبل اس کے ہم روس کے باب کو بند کریں اس کے چند اندرونی معاملات پر بھی سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے زار الگزنڈر دوم (۱۸۵۵ء - ۱۸۸۱ء) اپنے پیشرو کے بہ نسبت زیادہ نیکدل اور انسان دوست تھا اور اس نے کم از کم ایک اصلاح ایسی کی جو ہر طرح قابل تعریف ہے ۱۸۵۸ء میں اس نے شاہی علاقوں کے دو کروڑ نیم غلاموں کو آزادی دیدی اور ۱۸۶۱ء میں حکم دیا کہ امرا کی زمینوں پر جو دو کروڑ نیم غلام آباد ہیں وہ بھی آزاد کر دیئے جائیں۔ ان احکام کے

بموجب اس نے اُن کاشتکاروں کو زمیندار بنا دیا۔ اس بلند حوصلہ کارروائی نے تعلیم یافتہ طبقات میں بڑی امیدیں پیدا کر دیں جنھوں نے یہ خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا کہ روس کا "دو بہشتی زمانہ" قریب آگیا ہے اور آئینی حکومت کا مطالبہ کرنے لگے جب زار نے اُن کی اس درخواست کی طرف سے کان بند کر لئے تو اُن میں سے زیادہ غالی عناصر نے اندر ہی اندر حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور بتدریج نہلزم (اعدامیت) کی حد کو پہنچ گئے یہ اعدامی بیسوں برس سے مستعدانہ طور پر کارروائیاں کر رہے ہیں، اور بہت مہیب افعال اِن سے سرزد ہو چکے ہیں یہانتک ۱۸۸۱ء میں خود زار بھی انھیں کے ہاتھوں قتل ہوا اِن زیادتیوں کا جواب حکومت نے یہ دیا کہ ان لوگوں کو بیدریغ قتل کرنا اور سائبیریا میں جلاوطن کرنا شروع کر دیا مگر اعدامیوں کی شورش اب بھی جاری ہے ؎

نہلزم (اعدامیت)

باب (۳۶)

انیسویں صدی کے اختتام کے وقت کی عام حالت

انیسویں صدی کے آخری چند عشرات کے اندر ہر ایک مبصر پر یہ عیاں ہو گیا ہے کہ یورپ کی وزارتوں کی نگریں اب صرف براعظم تک محدود نہیں رہی ہیں بلکہ اُن کا زیادہ انہماک ان مسائل کیطرف ہو گیا ہے جو یورپ سے باہر سمندروں کے پار پیش آرہے ہیں یعنی اب یورپ کی طاقتوں کی حکمت عملی ایک عالمگیر حکمت عملی بنگئی ہے۔

یورپ کا توسع

درحقیقت یہ اہم تغیر ایسا دفعتہً نہیں واقع ہوا ہے جیسا بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ پندرہویں صدی کے اختتام کے قریب کولمبس اور واسکوڈیگما کے اہم بحری سفروں کے وقت سے اسکا سراغ ملتا ہے۔ یہ اور اس کے بعد کے اور سفروں کے عواقب کے طور پر یورپی طاقتوں نے کرۂ ارض کے مختلف مقامات سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے اور ان میں سے اکثر نے پرانے ذخیرے کے تخم بھی نئی زمین میں ڈالدیئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ حقیقی معنوں میں ایشیا افریقہ آسٹریلیا اور امریکہ سے ملکر ایک ہوگیا ہے، یہ تعلقات اگرچہ ابتداً بہت خفیف اور دھندلے سے تھے مگر آہستہ آہستہ انھیں ایسی وسعت عظیمہ اور ایسی طاقت تو یہ حاصل ہوگئی ہے کہ اب ممالک یورپ کے کسی ملک کے لئے ان کا ترک کرنا اس سے کم نہیں ہے کہ اس ملک کو مجلس اقوام میں جو اقتدار حاصل ہے وہ کلیۃً زائل و فنا ہو جائے ؛

اگرچہ یورپ کی تمام ہی طاقتیں ان عالمگیر اغراض میں پھنسی ہوی ہیں مگر ان سب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ اس دور توسع میں بعض پہلے اور بعض بعد کو داخل ہوئیں اور چونکہ تجارت کی وسعت اور نوآبادی کی ترقی کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اس لئے جن قوموں نے ماوراء بحر کی وسعت کے معاملہ پر پہلے توجہ کی انکو تقدم حاصل ہوگیا اور ان کے بعد کے رقیب کہیں اس مہم پر بمشکل تمام غالب آگئے اور کہیں بالکل ناکام رہگئے یورپ کی قوموں نے جس ترتیب سے یہ عالمگیر روش اختیار کی بظاہر اس کا تعین زیادہ تر اس سیاسی قانون کے بموجب ہوا کہ جس ترتیب سے ان کا قومی اجتماع مکمل ہوتا گیا اسی ترتیب سے انھوں نے سمندر کی طرف توجہ کی، بالفاظ دیگر یہ کہ جس ترتیب سے ان کی حکومتیں اتنی قوی ہوتی گئیں کہ وہ نئے اقطاع ارض پر دعوے کرسکیں اور تمام دوسرے آنیوالوں کے خلاف انھیں اپنے قبضہ میں رکھ سکیں، اسی ترتیب سے وہ اس مہم کو سر کرتی گئیں ؛

پرتگال و اسپین

اس سے قبل کے کسی باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ پرتگال و اسپین سب سے پہلے ملک تھے جنھوں نے اپنی توجہ یورپ سے باہر کی دنیا کیطرف منعطف کی۔ انھوں نے مشرق و مغرب میں بہت وسیع ممالک حاصل کرکے ان میں اپنا انتظام جمالیا مگر وہ خود بہت جلد نہایت سخت اندرونی بدنظمی کے شکار ہوگئے اور ان میں اتنی قوت و توانائی نہ رہی کہ اپنی اس پیشروی کی تحریک کو بالاستقلال قائم رکھ سکیں سترھویں صدی میں جن قوموں نے ان کی جگہ لی وہ ہالینڈ، انگلستان و فرانس تھے، لیکن ہالینڈ کی حیرت انگیز مستمری قوت بمشکل ایک صدی سے کچھ زائد قائم رہی۔ اس کا سبب زیادہ تر وہ جوشِ مسرت تھا جو اسپین کے ساتھ کشمکش کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ انگلستان و فرانس اپنی خانہ جنگیوں کے بارسے عارضی طور پر سنبھل ہوگئے تھے، جب سترھویں صدی کے نصف آخر میں انگلستان و فرانس ایسے وسائل و ذرائع کے ساتھ اس میدان مقابلہ میں آئے جو کم قوت ہالینڈ کے دسترس سے باہر تھے تو پھر اہل ہالینڈ کو بجائے خود مزید حصول منافع سے دستکش ہونا اور جو کچھ لگیا تھا اس پر قناعت کرنا پڑا۔ پس اب اس مستمری دور میں صرف انگلستان و فرانس رہگئے اور اٹھارھویں صدی میں ان دونوں طاقتوں کے درمیان بہت ہی یادگار زمانہ تصادم ہوا جس میں بالآخر میدان انگلستان کے ہاتھ رہا اور فرانس کے پاس صرف چند بے حقیقت سے مقبوضات رہگئے جو دنیا کے مختلف حصص میں اسکی بحری تجارت کے لیئے محض قدم رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

اس زمانہ کی سربرآوردہ مستمری طاقتیں انگلستان روس۔ فرانس

غرضکہ جب انیسویں صدی کا آغاز ہوا تو انگلستان، ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے سب سے آگے تھا، لیکن یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ دوسری یورپی طاقتوں کو عالمگیر شہنشاہی کی مزید کوششوں سے روکدیتا اور اس لئے جس ترتیب سے ان طاقتوں کا اندرونی نظم و نسق مستحکم ہوتا گیا اسی ترتیب سے

وہ تجارت کی وسیع شاہراہوں پر اپنے قدم جمانے کی کوشش کرنے لگیں سب سے زیادہ روس نے اور اس کے بعد فرانس نے تا حد قوت یہ کوشش کی کہ جن زمینوں پر ابھی تک کسی نے دعویٰ نہیں کیا ہے، اُن پر اپنے جھنڈے بلند کریں اور بعد میں اطالیہ اور جرمنی نے جب اپنے منتشر اجزا کے متحد و متفق کرنے کی مدت دراز کی آرزو پوری کرلی تو ان میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنی اس مزمن کمزوری کی تلافی کریں، لیکن انگلستان نے جو تقدم حاصل کرلیا تھا اسے نہ کوئی لے سکا اور نہ اس کا لینا ممکن ہے، اور اس لئے مستعمری اغراض و مقبوضات کی بحث میں یہ عظیم الشان جزائری سلطنت سب سے اول جگہ پانے کی مستحق ہے۔

انگلستان کے مستعمری مقبوضات

جنگ ہفت سالہ (۱۷۵۶-۱۷۶۳ء) کی کامیابی نے انگلستان کو شمالی امریکہ اور ہندوستان کا بلا شرکت غیرے مالک بنا دیا، بحر اوقیانوس کے آبادکاروں نے جب اپنی بغاوت میں کامیاب ہو کر سلطنتہائے متحدہ امریکہ کی حکومت قائم کرلی تو انگلستان کو اپنے امریکی مقبوضات کے بہتر حصے سے محروم ہونا پڑا، مگر ۱۷۸۳ء کی صلح نے جس میں اس نئی قوم کی ہستی تسلیم کی گئی تھی انگلستان کے قبضۂ کناڈا میں کسی طرح کا فتور نہیں پیدا کیا اور کناڈا آجتک مغرب میں انگلستان کا سب سے زیادہ اہم مقبوضہ ہے۔ ہندوستان کے اندر ۱۷۶۳ء سے انگلستان کی قوت میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑا اور اس کا استحکام برابر بڑھتا جارہا ہے اور انگلستان کے مادی مفاد نے جنگی خبرگیری بہت فکر و تردد کے ساتھ ہوتی رہتی ہے، بے انتہا وسعت حاصل کرلی ہے۔ نپولین کی لڑائیوں میں اہل ہالینڈ نے مجبوراً فرانسیسی شہنشاہ کا ساتھ دیا تھا۔ پس ان لڑائیوں کے دوران میں انگریزوں نے اُن کے ملک جنوبی افریقہ (یعنی (راس امید) پر قبضہ کرلیا اور اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں آبادکاری کے ذریعہ سے آسٹریلیا کا وسیع برّاعظم بھی حاصل کرلیا سب سے آخر میں اس نے جس وسیع قطعۂ ارض پر قبضہ جمایا وہ مصر کا ملک ہے اس پر

سنہ ۱۸۸۲ء میں برطانی حکومت نے محض عارضی حیثیت سے قبضہ کیا تھا مگر حالات و واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبضہ اب مستقل ہو جائے گا۔ امریکہ، ایشیا، افریقہ اور آسٹریلیا کے وسیع براعظموں کے اُن پر از اہمیت حصص کے علاوہ انگلستان کے مقبوضہ جزائر اس قدر ہیں کہ اُن کا شمار ہی تقریباً ناممکن ہے۔ یہ جزیرے تمام سمندروں میں پھیلے ہوے ہیں اور انھیں کے ذریعہ سے اس کے براعظمی مقبوضات نہایت اطمینان و آسانی کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط و وابستہ ہیں ۔

روس کے مقبوضات

عالمگیر سلطنت کے لئے انگلستان کا سب سے بڑا حریف روس ہے۔ سترہویں ہی صدی میں روس نے شمالی ایشیا میں پھیلنا شروع کر دیا تھا اور اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں کے کے تمام دوران میں وہ مشرقی و وسطی ایشیا کو برابر جذب کرتا رہا ہے یہانتک کہ اب اس کی یہ گرفت مشرق میں دیوارِ چین تک اور جنوب میں ہمالیہ یعنی برطانیہ ہند کی شمالی سرحد تک پہنچ گئی ہے، وسطی ایشیا کی بعض چھوٹی چھوٹی سلطنتیں آزادانہ حالت میں قائم ہیں مگر اُن کو ہر لحہ یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ ان ملکوں کی حکومت پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے انگریزی و روسی تدابیر سیاسیہ کے تصادم عظیم میں اُن کا فنا ہو جانا ممکن ہے۔ علاوہ ازیں روس برابر بحر اسود کی طرف بڑھتا جا رہا ہے اور اس رفتار ترقی میں وہ یکے بعد دیگرے وہ صوبے حاصل کرتا رہا ہے جو (خاک بدہن مصنف) قریب بہ مرگ سلطان کو مجبوری اپنی گرفت سے چھوڑنا پڑے ہیں ۔

فرانس کے مقبوضات

اٹھارہویں صدی میں فرانس کو نوآبادیوں کے بارے میں اسقدر نقصان پہنچ چکا تھا، مگر اس نے انیسویں صدی میں پھر مردانہ وار کوشش کر کے اُن نقصانوں کی تلافی کر دی ہے۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں اسے الجیریا کے فتح کرنے کا ایک نادر موقع ملگیا اور اس کے بعد سے اس نے اپنی قوت کو ٹیونس اور تمام ارض صحرا پر وسیع کر لیا ہے۔ اس افریقی مملکت کے علاوہ جنوبی چین (ٹانکن) اور فار درانڈیا

(Forther India) کے نصف حصّہ پر قابض ہو جانے سے اسے ایشیا میں بھی ایک معقول وقعت حاصل ہو گئی ہے ۔

جرمنی و اطالیہ کے مقبوضات

جرمنی و اطالیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اب سے چند برس قبل تک انکی یہ حیثیت ہی نہ تھی کہ وہ نوآبادیاں قائم کرنے کی اولوالعزمیوں میں حصّہ لیکن اور اس اثنا میں دنیا کے تمام بہترین حصص پر دوسری سلطنتوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی انکی قومی خودداری نے انھیں اس امر پر مجبور کیا کہ وہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی زمین پر اپنا جھنڈا اڑائیں اور اس لئے سنہ ۱۸۸۰ء کے بعد جب افریقہ کے قبضہ کے متعلق یورپی طاقتوں میں ہنگامہ آرائی برپا ہوئی تو ان دونوں قوموں نے بھی انگلستان و فرانس کے ساتھ اس کھیل میں ہاتھ ڈال دیا اور بہت معقول مملکت حاصل کر لی۔ جرمنی کو افریقہ کا مغربی و مشرقی ساحل (کیمیرون)، جنوب مغربی جرمن افریقہ اور جرمن مشرقی افریقہ اور اطالیہ کو ابسینیا (حبشہ) کے قریب کا ملک ملگیا۔

موجودہ یورپ کا سیاسی تناسب "اتحاد ثلثہ" و "اتحاد اثنین" سے ظاہر ہوتا ہے۔

دول یورپ کو یورپ سے باہر جو کار آمد مواقع حاصل ہیں اُن پر نظر غائر ڈالنے سے ایک بڑی حد تک یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد سے اُن کے باہمی سیاسی تعلقات کی بنا و اصلیت کیا رہی ہے، لیکن محض ان بیرونی مواقع ہی کے مطالعہ سے یہ تعلقات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئینگے کیونکہ وطن کے قریب تر اغراض و مفاد کے تصادم و توازن نے بھی ان تعلقات پر اثر ڈالا ہے، یعنی اُس کی اصلیت و حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے یورپ کے قدیم تاریخی میدان پر نظر ڈالنا چاہئے۔ یہ امر بالتخصیص ان مشہور محالفوں پر صادق آتا ہے جو اب "محالفۂ ثلثہ" اور "محالفۂ اثنین" کے نام سے مشہور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان محالفوں کا قیام و قرار کتنا ہی کچھ اس حفاظت پر موثر ہو جو ارکان محالفہ کے مستمری دعادی پر مبنی ہیں مگر فی الاصل انکی بنا حقیقی قطعاً و حتماً انھیں حالات پر ہے جن کا اثر خود یورپ ہی پر پڑا ہے

ہم اس بحث پر ایک مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

"محالفۂ ثلثہ" کی بنائے آغاز ۱۸۷۱ء میں شہنشاہی جرمنی کے قائم کر دینے کے بعد بسمارک کی حکمت عملی کا خاص محور یہ رہا ہے کہ جرمنی کو اسقدر قوی اور فرانس کو اسقدر سب سے منفرد کر دیا جائے کہ اسے یہ ہوس ہی نہ پیدا ہو کہ وہ اپنی شکست عظیم کی ذلت کو مٹانے اور الساس و لورین کے صوبوں کو دوبارہ فتح کرنے کے لیئے انتقامی جنگ کے خطرہ میں پڑنے کی جرأت کر سکے۔ اسی خیال کی متابعت میں بسمارک نے آسٹریا و روس کے ساتھ جرمنی کے دوستانہ مراسم کو بڑھایا اور وہ محالفہ قائم کر دیا جو عام طور پر تین شہنشاہوں کی لیگ (معاقدہ) کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن ۱۸۷۷ء کی جنگ ٹرکی میں روس کی کامیابی سے آسٹریا کو رشک ہوا اور ان دونوں طاقتوں کی دلی صفائی میں فرق آ گیا، اور جب (۱۸۷۸ء میں) موتمر برلن میں مدبران روس کو یہ یقین ہو گیا کہ جرمنی سچے دل سے روس کی تائید نہیں کرتی، تو "تین شہنشاہوں کی لیگ"، کو مہلک ضرب لگ گئی۔ بسمارک کو اب مجبور ہونا پڑا کہ کسی اور انتظام کے ذریعہ سے جرمنی کے اغراض و منافع کو محفوظ کیا جائے، چنانچہ ۱۸۷۹ء میں اس نے آسٹریا کے ساتھ ایک گہرے محالفہ پر دستخط کر دیئے۔ ۱۸۸۲ء میں یہی دوگانہ محالفہ اطالیہ کے شمول سے "محالفۂ ثلثہ"، میں مبدل ہو گیا۔ اطالیہ کو اس روش پر اس وجہ سے مجبور ہونا پڑا کہ فرانس کے قبضۂ ٹیونس (۱۸۸۱ء) کے موقع پر کچھ ایسے اسباب پیش آ گئے تھے جن سے بحیرۂ روم میں فرانس کی دست اندازی کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نئی صدی کے آغاز میں بھی یہ "محالفۂ ثلثہ"، بدستور قائم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے امن یورپ کے قائم رکھنے کے مقصد کو بہت خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے اور صدہا مواقع پر اس کا اعلان ہو چکا ہے۔

محالفۂ اثنین کی بنائے آغاز ۱۸۷۱ء کے بعد فرانس جسطرح سب سے منفرد ہو گیا اسکی دو وجہیں تھیں، اولاً تو یہ کہ بسمارک نے اپنی سفارتی تدابیر اس امر میں کامیابی حاصل کر لی تھی کہ اکثر و بیشتر یورپی سلطنتوں کو "لیگ" معاقدہ امن

سے کے نام سے اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور دوسرے یہ کہ شاہی حکومتیں ایک جمہوری سلطنت سے (جو بظاہر اپنے میلانات میں انقلابی معلوم ہوتی تھی) گہرا اتحاد پیدا کرنے سے بالطبع نفور تھیں، لیکن جب موتمر برلن کے موقع پر روس و جرمنی میں سرد مہری پیدا ہو گئی تو اس سے بالطبع فرانس کو ایک موقع مل گیا اور اس نے زار الگزنڈر سوم سے دوستی کی خواہش کی اور اگرچہ اس حکمران کے شاہی تعصبات نے اسے بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانے پر مجبور کیا مگر آخر (۱۸۹۱ء میں) فرانس کو تعلقات پیدا کرنے میں کامیابی ہو گئی اور معلوم ہوتا ہے کہ زار نکولس دوم کے تحت میں (۱۸۹۶ء میں) اس نے ایک باضابطہ محالفہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ "محالفۂ ثلاثہ" کی طرح اس "محالفۂ اثنین" کا مقصد بھی یہی ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس سے غرض صرف امن کا قائم رکھنا ہے اور اسوقت تک اس کے اس بیان پر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ یورپ کے یہ دونوں عظیم الشان مدافعانہ محالفے یورپ ہی کے اندر کی مخاصمت سے قائم ہوئے ہیں اور جہانتک معلوم ہوتا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ براعظم پر ہر سلطنت کی جو حیثیت ہے وہی قائم رہے۔ یورپ سے باہر ان سلطنتوں کو جو کچھ بھی حرص و ہوس ہو اُس سے بظاہر اس کا تعلق نہیں معلوم ہوتا مگر گزشتہ پچیس برس کی مختلف رقابتوں اور مناقشوں کے حل کرنے میں ان کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑا ہے۔

موجودہ مرکز ہائے طوفان — افریقہ، ترکی و ایشیا

اہل یورپ کی ان رقابتوں کے خاص مراکز طوفان اب افریقہ، ترکی اور چین ہی قرار پا گئے ہیں۔ اُن میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے جو یورپ کے حملے کی زیادہ مقاومت کر سکے اور اس لئے ان قوی سلطنتوں کی دراز دستی کے لئے ان کے دروازے کھلے پڑے ہیں۔

مسئلۂ افریقہ

اوّل افریقہ کے مشکلات کو لیجئے۔ خوش قسمتی سے اب یہ مشکلات حل ہو جانے کے قریب پہنچ گئے ہیں کیونکہ ۱۸۸۰ء کے بعد کی عام

ہنگامہ آرائی کی وجہ سے جو متصادم دعاوی پیدا ہوئے تھے اب باہمی مراعات کی فہمیدہ و عاقلانہ روش کے اختیار کرنے سے وہ سب سلجھتے اور ہموار ہوتے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی افریقہ کے انفصال معاملات کی تاریخ میں بعض تاریک مواقع بھی پیش آ گئے ہیں چنانچہ نائگر اور نیل صعید (بالائی نیل) کے قبضے کے لیے ۱۸۹۸ء میں انگلستان و فرانس کے درمیان مناقشہ ہو گیا جو بالآخر فرانس کے اپنے دعاوی کے ترک کر دینے سے رفع ہوا، مگر فرانس انگریزوں کے قبضۂ مصر کو اب بھی صاف تنفر کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔

مصر و ٹرانسوال

دوسری طرف ٹرانسوال (جمہوریۂ جنوبی افریقہ) سے ہے، جہاں انگریز اس کوشش میں ہیں کہ ان کے تارکان وطن کو جو اُوت لینڈر (غیر ملکی۔ آفاقی) کہلاتے ہیں پورے ملکی حقوق مل جائیں اور پریسیڈنٹ کروگر اس کے جواب میں یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ اس جمہوریہ کا کامل و غیر محدود اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لیا جائے۔ اس کے متعلق دونوں ملکوں میں مدت تک نامہ و پیام ہوتا رہا اور آخر اکتوبر ۱۸۹۹ء میں جنگ تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

مسئلۂ ترکی

ترکی کی پر آشوب حالت، افریقہ کی پیچیدگی سے بھی پرانی ہے اور اس کے حل کرنے والوں نے جو تدبیریں اختیار کی ہیں ان میں افریقہ کے بہ نسبت مقاومت بھی زیادہ سخت پیش آتی رہی ہے۔ ترکی (سلطنت عثمانیہ) کا شیرازہ مدت سے بکھر رہا ہے اور اگر یورپ کی طاقتیں صرف اس امر پر متفق ہو جاتیں کہ سلطان کا جانشین کون ہوگا تو کم از کم سطح یورپ سے تو اس کا نام و نشان اب سے بیسوں برس قبل مٹ گیا ہوتا۔ (۱۸۷۸ء کی) اہم موتمر برلن کے موقع پر انھوں نے اس اصول سے اتفاق کیا کہ جزیرہ نمائے بلقان کی عیسائی قوموں کو نشوونما دینا اور اُن کی سرپرستی کرنا چاہیئے اور اگرچہ اس اصول پر روس کی دلی تائید بمشکل حاصل ہو سکتی ہے مگر یہ اصول اُسوقت سے برابر قائم رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یونان، رومانیا، سرویا، مانٹینگرو اور بلغاریہ برابر قوت حاصل کرتے جا رہے ہیں، لیکن اب ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں

کی خطرناک رقابت، یورپ کے امن کے لیئے ویسی ہی اندیشناک ہوتی جاتی ہے جیسے کہ ترکی کا روز افزوں زوال۔ چنانچہ جب ۱۸۸۵ء میں مشرقی رومیلیا نے ترکی سے بغاوت کر کے یہ درخواست کی کہ اسے بلغاریہ کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو سرویا اپنے ہمسایہ کی اس وسعت ملکی سے حسد میں آکر اس سے الجھ پڑی لیکن جنگ میں اسے شکست ہوگئی اور صرف دول یورپ کی مداخلت کی وجہ سے یہ آگ تمام جزیرہ نما کو اپنی لپیٹ میں لینے سے رہ گئی

اس اثناء میں ترکی کا تنزل برابر جاری رہا اور خاصکر دو موقعوں پر وہی پرانا کھیل پھر ہو چکا ہے کہ رعایا نے بغاوت کی اور ترکوں نے اُن کا قتل عام کر دیا۔ یہ واقعات آرمینیا اور کریٹ (کانڈیا) میں پیش آئے ہیں

آرمینیا

مشرقی ایشیائے کوچک میں آرمینیا کی سرزمین کا کچھ حصہ روس کے قبضے میں ہے اور کچھ حصہ ترکی کے قبضے میں ارمنی سمیا طبقی نسل سے تعلق رکھتے ہیں مگر مدت دراز سے وہ عیسائی ہو چکے ہیں ۱۸۹۱ء کے آغاز سے ترکی حصے کے رہنے والے ارمنی اپنی آزادی کے لیئے بلقانی قوموں کے طرز پر بغاوتیں اور شورشیں برپا کرنے لگے ہیں۔ ۱۸۹۴ء ۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۶ء میں اس انقلابی تحریک کے جواب میں ترکوں نے بہت سخت ظلم سے کام لیا اور اگرچہ یورپ کے شور مچانے والوں کے دباؤ سے دول نے مداخلت کر کے ان ابتریوں کا خاتمہ کر دیا مگر روس کی مخالفت کی وجہ سے وہ اصلاح کا واحد مستقل ذریعہ نہ اختیار کر سکیں۔ یعنی آرمینیا کو ترکی سے بالکل علحدہ نہ کر سکیں ہیں

کریٹ

کریٹ میں اس سے بھی زیادہ مشکلات پیدا ہوئیں مگر خوش قسمتی سے ان کا انجام زیادہ قابل اطمینان طور پر ہو گیا۔ جزیرہ کریٹ میں عیسائی و مسلمان دونوں قومیں آباد ہیں اور عیسائی یونانی نسل کے ہیں ۱۸۶۸ء ہی میں دول نے سلطان کو مجبور کر کے کریٹ میں اصلاحات کا وعدہ لیا تھا مگر ان وعدوں کا عملدرآمد ایسی تعویق اور ایسے لیت و لعل کے ساتھ ہوا کہ جزیرے میں کسی وقت بھی حقیقی سکون

نہیں پیدا ہوا اور ہمیشہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے فسادات کیوجہ سے ابتری برپا رہی ۔ ۱۸۹۲ء میں عیسائیوں نے اپنے یونانی بھائیوں سے خفیہ مدد پا کر ایک فساد بغاوت شروع کر دی جس کے فرو کرنے میں سلطان کو کامیابی نہیں ہوئی ۔ ۱۸۹۶ء میں سلطان نے دول کے دباؤ سے پھر اصلاحات اور ایک عیسائی والی کے تقرر کا وعدہ کیا مگر سلطان کیطرف سے اب بدگمانی بہت مستحکم ہو گئی تھی اور اس

جنگ روم و یونان

دعویٰ سے نہ اہل کریٹ کو اطمینان ہوا اور نہ یونانیوں کو آخر الامر فروری ۱۸۹۷ء میں یونانیوں نے "اتحاد یونانی" کے جوش سے مغلوب ہو کر تارپیڈو کشتیوں کا ایک بیڑہ اہل کریٹ کی مدد کے لئے روانہ کر دیا اور اسطرح عملاً ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ چند ہفتوں تک دونوں جانب بڑی سرگرمی سے تیاریاں ہوتی رہیں اور اپریل میں ترکی پوری آمادگی کے ساتھ میدان جنگ میں آئی۔ ایک مختصر سی مہم میں اس نے یونانیوں کو کلیتہً زیر کر لیا مگر دول کی مداخلت کی وجہ سے وہ اپنی فتح سے کوئی بڑا فائدہ نہ حاصل کر سکی۔ تاہم اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی و یونان دونوں اس امر پر متفق ہو گئے کہ کریٹ کو خود اپنی حکومت کا انتظام کرنے کا اختیار دینا چاہئے اور یہ وعدہ کیا کہ ایک عیسائی والی کو جسے دول نامزد کریں دونوں قبول کر لینگی ۔ بہت پریشان کن گفت و شنود کے بعد آخر الامر ۱۸۹۸ء میں یہ طے پایا کہ یونان کا شہزادہ جارج اس عہدے پر مقرر کیا جائے۔ پس اب کریٹ محض برائے نام ترکی کے ماتحت ہے ورنہ ایک یونانی شہزادے کے تحت میں اسے حکومتِ خود اختیاری حاصل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آیندہ کسی نہ کسی وقت میں یہ جزیرہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں آجائے گا ۔

مسئلۂ چین

چین کی کمزوری کا قصہ بہت پرانا ہو چکا ہے، مختلف مواقع پر (مثلاً ۱۸۴۲ء ۱۸۶۰ء ۱۸۶۸ء میں) اسے انگلستان یا فرانس یا روس نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ نہ صرف تجارتی مراعات کرے بلکہ کچھ ملک بھی نذر کر دے ، اگر جبتک ۱۸۹۵ء میں جاپان سے اس کی جنگ نہیں ہوئی اسوقت تک اس کی پوری کمزوری عیاں نہیں ہوئی تھی۔

اس جنگ میں جاپان نے جس کے پاس جدید اصول پر تربیت دی ہوئی بری و بحری فوج موجود تھی، بہت آسانی سے فتح حاصل کرلی اور اگر روس، فرانس اور جرمنی نے (عہدنامۂ شمونوسکی کے ذریعہ سے) اسے مجبور نہ کردیا ہوتا کہ صرف جزیرۂ فارموسا اور نقدی تاوان پر قناعت کرے تو وہ چینی مملکت کے ایک معقول حصے پر قابض ہوجاتا۔ اس موقع پر چین کی کمزوری کے عیاں ہوجانے کے علاوہ اہل یورپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چین کے کثیر وسائل دولت بلاترقی کے پڑے ہوئے ہیں جس سے دول کی حرص و آز کی آگ انتہائی حد تک بھڑک اٹھی ۱۸۹۷ء میں ولیم دوم شہنشاہ جرمنی نے کیاچاؤ کے بندرگاہ پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد ہی روس نے پورٹ آرتھر کو اور انگلستان نے وی ہائی وی کو لے لیا۔ اس طرح چین کے لئے ایک ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی ہے، فرانس و اطالیہ نے بھی اپنے لئے خاص حقوق مانگنے میں کوتاہی نہیں کی ہے اور ۱۸۹۸ء میں مشرق میں ایک نئی طاقت (سلطنتہائے متحدۂ امریکہ) کی دخل دہی سے یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہوگیا ہے، امریکہ کو اس دخل دہی کا موقع اسطرح ملا کہ جنگ اسپین میں کامیاب ہوکر اس نے اسپین سے جزائر فلیپائن لے لئے ہیں (اور ان کا تعلق اسی حصۂ ارض سے ہے)

چین کے بحر بہ کار سوال

اسوقت تو تمام طاقتوں کا میلان یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک آزادانہ تجارتی حکمت عملی اختیار کرنا چاہئے اور سب یکساں طور پر چین کی نسبت اور خود ایک دوسرے کی نسبت اچھے خیالات کا اظہار کررہے ہیں، مگر باایں ہمہ ہر ایک نئی جنبش کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہمعصر سیاسیات کے ہر ایک مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ ایک دلچسپ سوال ہے کہ آیا چین اپنی حالت پر برقرار رہے گا یا یورپی طاقتوں میں منقسم ہوجائے گا؟

غلط نامۂ تاریخ یورپ جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۸	حالات کا	حالات کے	۱۷	۲۳	حکام	استحکام
۳	۱۱	انکشافات تحقیقات	انکشافات وتحقیقات	۲۲	۱۰	دوایوان	دوایوانوں
//	۲۰	تقدم وغلبے	تقدم وغلبہ	//	۱۷	اسی کے	اسی کی
۴	۲۲	اس بالطبع	اس سے بالطبع	۲۵	۱۴-۶	نشاۃ	نشاۂ
۵	۱۰	المخاطب "ملاح"	المخاطب بہ "ملاح"	//	۱۴	زینت	زیب وزینت
۶	۶	ڈی گیما	واگاما	۲۸	۱۷	عالی	غالی
۷	۱۵و۲۴	ماگیلن	میگلین	۲۹	۳	"قید یابل"	"قید بابل"
۸	۱	پیمانے	پیمانہ	//	۱۶	سلطنت معاملات	سلطنت کے معاملات
//	۵	آئین	آئے	۳۲	۴	جوش وپیمان	جوش وہیجان
۹	۲۳	بچاے	بچالے	۳۳	۵	ہباءً منشورًا	ہباءً منثورا
۱۰	۸	میپی	میسیپی	//	۲۲	کردتیا	کردیا
۱۱	۷-۱۰-۱۱	ڈیٹ	"ڈائٹ	۳۵	۲۴	شکست ڈائٹ	شکست وذلت.
//	۱۹	ہوجاتے تھے	ہوتے جاتے تھے	۳۹	۸	اس دفعے	اس دفعہ
//	۲۵	جرمنی	کہ جرمنی	//	۴	(۱۵۰۲ء) میں	(۱۵۵۲ء میں)
۱۲	۵	۱۴۹۴ء	۱۴۹۴ء میں	//	۱۵	وردون	ورڈن
//	۵-۶-۱۴	ڈیٹ	ڈائٹ	۴۰	۱	باپ نوزدہم	باب (۱۹)
۱۳	۸	والیہ پرگنڈی	والیہ برگنڈی	۴۳	۲	بحث ومباحثے	بحث ومباحثہ
۱۶	۵	دوجے	ڈوج	۴۵	۵	"نشاۃ جدیدہ"	"نشاۂ جدیدہ"
//	۱۰	جارہی ہیں	جارہی تھی	//	۱۷	عیسی	عیسیٰ
//	۱۱	طرف	طرف سے	۵۴	۱۲	روانہ کردیا	روانہ کردی
//	۱۸	جمہوریہ سلطنت	جمہوری سلطنت	//	۱۷	مردن زادہ	موذن زادہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	تاریخ
۵۵	۲۱	قرسس	قبرسس	۱۲۹	۱۳	میگڈبرگ کی ناراضی	میگڈبرگ کی تاراجی
۵۶	۱۵	اس کی	ان کی	″	۱۶	پروٹسٹنٹ کے	+
″	۱۶-۱۷	عدالت اختیار مذہبی	عدالت اختبار مذہبی	۱۳۱	۱۸	کرجینا	کرسچینا
۵۹	۱۹	"معاقدہ و مقدس"	"معاقدۂ مقدس"	۱۳۹	۷	تو	نہ
۷۴	۱۳	پیدا ہوا	پیدا ہو	۱۴۴	۱۷	اسے -	اسنے
″	۲۵	مطیع ہی رہی	مطیع بنی رہی	۱۴۷	۱۵	قوم کی	قوم کے
۷۹	۴	اسی کا	اس کا	۱۴۸	۴	د ۱۶۲۴ء	د ۱۶۲۸ء
۹۶	۲	خون ملا ہے	خون بہ رہے	″	۲۳	پتا	پتہ
″	۲۴	ہینیشری منسٹری	ینیشری منسٹر	۱۴۹	۱	درجے	درجہ
۹۷	۲	روپے	روپیے	″	۲-۱۳	روپے	روپئے
۱۰۰	۲	روپے	روپیے	۱۶۴	۱۵	امن امان	امن و امان
″	۱۵	جزیرے نما	جزیرہ نما	۱۶۷	۲۲	علی الزغم	علی الرغم
۱۰۳	۷	فرانس دوم	فرانسس دوم	۱۶۸	۱۸	قانون اختیار	قانون اختیار
۱۰۸	۱۷	جنگ جدال	جنگ و جدل	۱۷۳	۱۰	لوئس نہم	لوئس چہاردہم
۱۱۰	۹	پیرس کے	پیرس کی	۱۸۳	۸	اسی دلیرانہ	اس دلیرانہ
۱۱۶	۲۰	وہ امرا اور	وہ امرا اور	۱۸۶	۵	پریشان حالت میں	پریشان حال
۱۱۸	۲۱-۲۲	اسٹیٹسن جنرل	اسٹیٹس جنرل	۱۹۷	۱	کرنے کے لئے	کرنے کے
۱۲۰	۱۹	کیتھولکوں	کیتھولکوں میں	۲۰۲	۸	اسکی مملکت میں	×
۱۲۱	۸	جن میں	جن میں سے	″	۲۱	تخت میں	تحت میں
″	۱۲	محفوظا	ملحوظ	۲۰۵	۱۵	جس کسی ایک	جس ایک
۱۲۶	۴	لیوبگ	لیوبک	۲۰۹	۱۱	ایک لاشیبل	ایک خیپل
۱۲۷	۱	″	″	۲۱۰	۱	امن کی	امن کی محنتیں
۱۲۸	۱۳	اس میں	اسی میں	″	۱۹	بہت سی	بہت سے
″	۱۶	فضول تھی	فضول ہے	۲۱۱	۱۷	دوسرے	دوسری طرف

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۹	۶	ہم ان میں	ہم ان میں سے
۲۲۳	۵	مدعی سلطنت اصغر نے	(مدعی سلطنت اصغر) نے
۲۲۴	۱۱	طویل فہرست	وہ طویل فہرست
〃	〃	(۱۰۰۲)	(۱۵۵۲)
〃	۱۳	۱۷۴۸ و ۱۷۴	۱۷۴۰-۱۷۴۸
۲۳۰	۳	(جو پراشلو)	(جورشلو)
۲۳۵	۶	متبعین	متتبعین
۲۳۶	۹	بعدپر	بعد
۲۳۸	۱۹	اُن کا قیاس	قیاس
۲۳۹	۱۷	اسی سے	اس سے
۲۴۰	۱۴	مقابلہ	مقاتلہ
〃	۲۴	اپنے قرض	اپنے فرض
۲۴۴	۱۶	وینس	ورنیس
۲۴۶	۸	جیکوئن	جیکوبن
۲۴۷	۸	〃	〃
۲۴۸	۱۳	برنس وک	برنسوک
۲۴۹	۹	ایک دو قومی	ایک" قومی
〃	۱۹	ان دو محبان وطن"	ان "محبان وطن"
۲۵۱	۱۸	بیکسنی	سیکسنی
۲۵۵	۱۸	شور مچاتے	شور مچانے والے
۲۶۱	۸	فوجوں	فوجوں
〃	۱۵	زمانے	زمانہ
۲۶۲	۵	جیکوئن	جیکوبن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۷	۴	ربوکر	ابوکر
۲۷۳	۱۵	اسی سال ڈسمبر	اس سال دسمبر
۲۷۵	۲	سر جھکانا پڑا	سر جھکانا
〃	۱۲	اسی اتحاد کا نام سلطنتہائے	اس اتحاد کا نام سلطنتہائے متفقہ
۲۷۶	۱۴	اشتعال دلایا یہاں تک	اشتعال دلایا یہاں
۲۸۰	۶	مل نہیں سکتی	نہیں مل سکتی
۲۹۰	۴	Legitimossy	Legitimacy
۲۹۱	۱۴	(اشترکت)	(اشتراکیت)
۲۹۴	۶	منوائی	منوالی
۲۹۶	۱۳	بڑی ہوئی	بڑھی ہوئی
۲۹۷	۶	سمجھا تھا	سمجھتا تھا
۲۹۹	۴	حلف کیا	حلف لیا
۳۰۰	۴	انشقاق	انشقاق
۳۰۱	۱۶	دیکر	دیگر
〃	۲۱	قطری	فطری
۳۰۲	۲	اپنی	اپنے
۳۰۸	۱-۳	لیمرتاطن	لیمرٹائن
〃	۲۱	ہوگئے	ہوگئی
〃	۲۲	بنانے	بنالے
۳۱۱	۲۳	ڈیٹی قانون	ڈینی قانون
۳۱۴	۴	اوراطالیہ	اور وہ اطالیہ
〃	۹	دوسری اطراف	دوسرے اطراف
〃	۱۵	ویرانہ	دلیرانہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۵	۱۲	ہیجل	ہلچل	۳۴۳	۱۴	توسیع	توسع
۳۲۲	۱۴	"وہ جیسے عظمت وجلال"	"جیسے عظمت و جلال"	۳۴۴	۱۳	خطر	خطرہ
				۳۴۶	۲	(جس میں)	جن میں
۳۲۴	۴	آلپس	آلپس کے	"	۵	اسلافی	سلافی
۳۲۵	۱	۱۸۵۷ء	۱۸۵۹ء	۳۴۷	۱۵	لڑ رہے	لڑ رہے تھے
۳۲۶	۷	پہنچا تھا	پہنچتا تھا	۳۵۰	۱۸	شان کر لئے	شامل کر لیئے
۳۲۷	۵	زور دے رہا	زور دے رہا تھا	"	۱۹	قبل اسکے	قبل اسکے کہ
۳۳۴	۳	ہوہنزوسرن	ہوہنزولرن	۳۵۵	۱۳	برطانیہ ہند	برطانی ہند
۳۴۲	۲۳	کاشتکار مزدور	کاشتکار و مزدور	"	۲۵	خادر انڈیا	فردر انڈیا

تمت

نقشجات تاریخہائے واقعات و سلسلہائے نسب

۱۔ شہنشاہ و پوپ

انتباہ ۱۔ کارل اعظم کے بعد سے شہنشاہوں کی فہرست بالکل مکمل ہے مگر پاپاؤں کی فہرست میں صرف زیادہ اہم نام شامل کیئے گئے ہیں؛

انتباہ ۲۔ عربی خط میں اُن جرمن بادشاہوں کے نام ہیں جنھوں نے لقب شہنشاہی کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ جن ناموں پر ستارے* کا نشان ہے ان کی تاجپوشی واقعتہً روما میں نہیں ہوئی۔ چارلس پنجم نے پوپ کے ہاتھ سے تاج پہنا مگر روما میں نہیں بلکہ بولونا میں؛

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
سنہ عیسوی			سنہ عیسوی
۳۱۴	سلوسٹر اول (م ۳۳۶)	قسطنطین اعظم تنہا	۳۲۳
۳۴۰	لیو اول (اعظم) (م ۴۶۱)	جولین بیدین	۳۶۱
		تھیوڈوسیس اول	۳۷۹
		آرکیڈیس (مشرق میں)	
		ہانوریس (مغرب میں)	۳۹۵
		تھیوڈوسیس دوم (مشرق)	۴۰۸
		ولنٹینین سوم (مغرب)	۴۲۴
		رومیولس آگسٹیولس (مغرب)	۴۷۵

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
		(مغربی سلسلہ رومیولس آگسٹیولس کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے ۴۷۶ء سے ۸۰۰ء تک صرف قسطنطنیہ میں شہنشاہ ہوتے رہے)	
		انیسٹیس اول	۴۹۱
		جسٹن اول	۵۱۸
		جسٹنین	۵۲۷
		جسٹن دوم	۵۶۵
۵۹۰	گریگری اول (اعظم) (م ۶۰۴ء)	لیو سوم (باشندۂ اساریا)	۷۱۸
۷۱۵	گریگری دوم		
۷۳۱	گریگری سوم		
۷۴۱	زکیریاس		
۷۵۲	اسٹفن دوم		
۷۵۲	اسٹفن سوم		
۷۷۲	ہیڈرین اول	قسطنطین ششم	۷۸۰
		۷۹۷ء میں آئرین نے قسطنطین ششم کو معزول کر دیا۔ اس کے بعد سے نقشے میں صرف نئے مغربی سلسلے کے شاہوں کے نام دیئے گئے ہیں۔	
۷۹۵	لیو سوم	کارل اعظم	۸۰۰
		لڈوگ اول	۸۱۴
۸۱۶	اسٹفن چہارم (م ۸۱۷)	لوتھر اول	۸۴۰
		لڈوگ دوم (اطالیہ میں)	۸۵۵

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
۸۷۲	جان ہشتم (م ۸۸۲)	چارلس سوم (اقرع)	۸۷۵
		چارلس سوم (شحیم)	۸۸۱
۸۸۵	اسٹفن پنجم	گیڈو (اطالیہ میں)	۸۹۱
۸۹۱	فارموسس	لیمبرٹ (اطالیہ میں)	۸۹۴
۸۹۶	بانیفیس ششم	آرنلف	۸۹۶
	اسٹفن ششم (م ۸۹۷)		
۹۵۵	جان دوازدہم	لڈوک طفل	۸۹۹
		لوئس سوم (رسان پراونس اطالیہ میں)	۹۰۱
		کانریڈ اول	۹۱۱
		برنگار اطالیہ میں	۹۱۵
		ہنری اول صیاد	۹۱۸
		آٹو اول شاہ ۹۳۶	۹۶۲
		شہنشاہ ۹۶۲	
۹۶۳	لیو ہشتم (م ۹۶۵)	آٹو دوم	۹۷۳
		آٹو سوم	۹۸۳
		ہنری دوم (مقدس)	۱۰۰۲
		کانریڈ دوم (باشندہ سیلائی)	۱۰۲۴
		ہنری سوم (اسود)	۱۰۳۹
		ہنری چہارم	۱۰۵۶
۱۰۵۷	اسٹفن نہم		
۱۰۵۸	بنڈکٹ دہم		
۱۰۵۹	نکولس دوم		
۱۰۶۱	الکزنڈر دوم		
۱۰۷۳	گریگری ہفتم (ہلڈیبرانڈ)	راڈلف شاہ سویبیا حریف	۱۰۷۷

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
۱۰۸۰	کلیمنٹ (پوپ مخالف)	(ہرمین شاہ لکسمبرگ حریف)	۱۰۸۱
۱۰۸۶	وکٹر سوم		
۱۰۸۷	اربن دوم	(کانرڈ شاہ فرینکونیا حریف)	۱۰۹۳
۱۰۹۹	پیسکل	ہنری پنجم	۱۱۰۶
۱۱۱۸	گلیسیس دوم		
۱۱۱۹	کیلکسٹس دوم (م ۱۱۲۴)		
۱۱۲۴	ہانوریس دوم	لوتھر دوم	۱۱۲۵
		کانرڈ* سوم	۱۱۳۸
		فریڈرک اول (باربروسا ریش سرخ)	۱۱۵۲
۱۱۵۴	ہیڈرین چہارم		
	الکزنڈر سوم (م ۱۱۸۱)		
۱۱۵۹	(وکٹر پوپ مخالف)		
		ہنری ششم	۱۱۹۰
		فلپ شاہ سوبیا آٹو چہارم (حریف یکدگر)	۱۱۹۷
۱۱۹۸	انوسنٹ سوم		
		آٹو چہارم تنہا	۱۲۰۸
		فریڈرک دوم	۱۲۱۲
۱۲۱۶	ہانوریس سوم		
۱۲۲۷	گریگری نہم		
۱۲۴۱	سلسٹائن چہارم		
	انوسنٹ چہارم (م ۱۲۵۴)		
		(ہنری الیسپ حریف)	۱۲۴۶
		(ولیم شاہ ہالینڈ حریف)	۱۲۴۶
		کانرڈ* چہارم	۱۲۵۰

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
		فترت (وقفہ درمیان دو شہنشاہان	۱۲۵۴
		رچرڈ* شاہ کارنوال	
		الفانسو شاہ کیسٹائل حریف یکدگر	۱۲۵۷
۱۲۷۱	گریگری دہم (م ۱۲۷۶)		
		اڈلف* اول (خاندانِ ہیپسبرگ)	۱۲۷۳
	نکولس سوم (م ۱۲۸۱)		
		اڈلف* (والیِ ناسو)	۱۲۹۲
۱۲۹۴	بانیفیس ہشتم		
		البرٹ (خاندانِ ہیپسبرگ)	۱۲۹۸
۱۳۰۳	بندکٹ یازدہم		
	کلیمنٹ پنجم (جس نے دربار پوپ کو اونیان کو منتقل کر دیا)		
		ہنری ہفتم (والیِ لکسمبرگ)	۱۳۰۸
		لوئس چہارم (والیِ بویریا)	۱۳۱۴
		(فریڈرک شاہ آسٹریا (حریف)	
۱۳۱۶	جان بست دوم (م ۱۳۳۴)		
		چارلس چہارم (والیِ لکسمبرگ)	۱۳۴۷
		گنہتر والیِ شوارزبرگ۔ (حریف)	
۱۳۵۲	انوسنٹ ششم		
۱۳۶۲	اربن پنجم		
۱۳۷۰	گریگری یازدہم (جو دربار پوپ کو روما میں واپس لایا	ونزل* (والی لکسمبرگ)	۱۳۷۸
۱۳۷۸	اربن ششم		
	کلیمنٹ ششم، پوپ مخالف یہیں سے انفراق اعظم شروع ہوا۔	روپرٹ* والی پیلیٹینٹ	۱۴۰۰

سنہ جلوس	اسمائے پوپ	اسمائے شہنشاہ	سنہ جلوس
		سگمانڈ والیِ لگسمبرگ	۱۴۱۰
۱۴۱۷	مارٹن پنجم۔ (انفراق اعظم رفع ہوگیا)		
۱۴۳۱	یوجینیس چہارم	*البرکٹ دوم (خاندان ہیپسبرگ)	۱۴۳۸
		فریڈرک سوم (خاندان ہیپسبرگ)	۱۴۴۰
۱۴۴۷	نکولس پنجم		
۱۴۵۵	کلکسٹس چہارم		
۱۴۵۸	پائس دوم (اینیس پکولومینائی)		
۱۴۶۴	پال دوم		
۱۴۷۱	سکسٹس چہارم		
۱۴۸۴	انوسنٹ ہشتم		
	الگزنڈر ششم (خاندان بورجیا) م۔ ۱۵۰۳ء		
		*میکسمیلین اول (خاندان ہیپسبرگ)	۱۴۹۳
		*چارلس پنجم (خاندان ہیپسبرگ)	۱۵۱۹

یہ نقشہ برائس کی ہولی رومن امپایر (مقدس رومن شہنشاہی) Holy Roman Empire سے شائع کنندہ (میکمیلین کمپنی) کی اجازت سے مرتب کیا گیا ہے ۔

(۳) آسٹریشیا

(۲) آسٹریشیا کے ڈیوک (کارل اعظم کے بزرگ)

آرنلف اسقف مز
- انجیل ۶۸۵*
  = بگا

پپین (دالی لینڈن)
۶۱۴-۶۳۹
- بگا
- گریمولڈ ۶۵۶*

انجیل = بگا
- پپین (ہرسٹال = الپائش (زوجۂ ثانیہ))
  - کارل مارٹل ۷۱۴-۷۴۱
  - پلکٹرود =
    - گریمولڈ ۷۱۴*
    - ڈروگو ۷۰۸*

کارل مارٹل
- پپین (کوتاہ) {میر (حاجب) ۷۴۱-۷۵۱-بادشاہ ۷۵۱-۷۶۸}
- کارلمین خانقاہ میں داخل ہوگیا ۷۵۴*

پپین (کوتاہ)
- کارل اعظم ۷۶۸-۸۱۴
- کریمین ۷۶۸-۷۷۱

۲- شاہان فرینک

(۱) شاہان مرودنجین (یعنی سلسلۂ کلووس) تا عہد ڈیگوبرٹ اول

کلاڈوگ اول
۴۸۱ — ۵۱۱

تھیوڈرک اول
شاہ مز (آسٹریشیا)
۵۱۱-۵۳۴

کلاڈومر
شاہ آرلینز
۵۱۱-۵۲۴

چلڈیبرٹ اول
شاہ پیرس
۵۱۱-۵۵۸

کلاتھر اول
شاہ سواسنس ۵۱۱-۵۶۱
تمام فوج فرینک کا تنہا بادشاہ ۵۵۸-۵۶۱

تھیوڈیبرٹ
شاہ آسٹریشیا
۵۳۴-۵۴۸

تھیوڈیبالڈ
شاہ آسٹریشیا
۵۴۸-۵۵۵

چیریبرٹ
شاہ پیرس
۵۶۱-۵۶۷

برتھا
ملکہ کنٹ

گانٹرین
شاہ آرلینز و برگنڈی
۵۶۱-۵۹۴

سیجبرٹ اول
شاہ آسٹریشیا
۵۶۱-۵۷۵

چلپرک اول
شاہ سواسنس ۵۶۱-۵۸۴
شاہ نیوسٹریا ۵۶۷-۵۸۴

چلڈیبرٹ دوم
شاہ آسٹریشیا ۵۷۵-۵۹۶
و شاہ برگنڈی ۵۹۳-۵۹۶

کلاتھر دوم
شاہ سواسنس ۵۸۴-۶۲۸
تمام فوج فرینک کا تنہا بادشاہ ۶۱۳-۶۲۸

تھیوڈیبرٹ دوم
شاہ آسٹریشیا
۵۹۶-۶۱۲

تھیوڈورک دوم
شاہ آرلینز و برگنڈی ۵۹۶-۶۱۲
و آسٹریشیا ۶۱۲

ڈیگوبرٹ
تنہا بادشاہ
۶۲۸-۶۳۸

۳ - شہنشاہی

(۱) خاندان کیرولنجین (سلسلۂ کارل اعظم - شارلمین)

کارل اعظم

- کارل ۸۱۰*
- پپین (اطالیہ) ۸۱۱*
  - برنہارڈ ۸۱۸
- لڈوگ اول (پرہیزگار) = جوڈتھ (از خاندان ولف بومیریائی) ؛ = اوٹمنگارو ۸۱۴-۸۴۰
  - پپین (ایکیوٹین) ۸۳۸*
    - پپین دوم
  - لوتھر اول، شاہ اطالیہ ۸۴۰-۸۵۵
    - لوتھر دوم، شاہ لوتھرنجیا ۸۶۹*
    - لوئس دوم، شاہ اطالیہ ۸۵۵-۸۷۵
      - بوسو = ارمنگارڈ، شاہ پراونس (۸۷۹)
        - لوئس (نابینا)، شاہ پراونس، شاہ اطالیہ
    - چارلس، شاہ پراونس ۸۵۵-۸۶۳
  - لڈوگ (جرمن) ۸۴۰-۸۷۶
    - کارلسین ۸۸۰*
      - آرنلف ۸۸۷-۸۹۹
      - لڈوگ (طفل) ۸۹۹-۹۱۱
    - لڈوگ نوعمر، شاہ مشرقی فرینک ۸۸۲*
    - کارل سوم (شحیم)، شاہ مشرقی فرینک ۸۸۲-۸۸۷، شاہ مغربی فرینک ۸۸۵-۸۸۸
  - چارلس دوم (اقرع) ۸۴۰-۸۷۷، شاہ مغربی فرینک
    - لوئس دوم ۸۷۷-۸۷۹
      - لوئس سوم ۸۷۹-۸۸۲
      - کارلسین ۸۷۹-۸۸۴
      - چارلس (سادہ لوح) ۸۹۸-(۹۲۳) ۹۲۹، جنگ سواسنس میں تباہ ہوگیا

۴- فرانس

(۱) سلسلۂ کارل اعظم کے زمانہ مابعد اور سلسلۂ کیپٹ کے ابتدائی بادشاہوں کے تعلقات اور انکی رقابت

رابرٹ (قوی)
ڈیوک توم فرنیک
۸۶۱ *

اڈو
کاونٹ پیرس
۸۷۹-۸۸۸
شاہ مغربی فرنیک
۸۸۸-۸۹۸

رابرٹ
کاونٹ پیرس
۸۸۸-۹۲۲
(شاہ مغربی فرنیک ۹۲۲-۹۲۳
جنگ سوائسنس میں مارا گیا)

اما = روڈولف
ڈیوک برگنڈی
شاہ مغربی فرنیک
۹۲۳-۹۳۶

ہیو اعظم = ہڈوگ
ڈیوک توم فرنیک
۹۲۳-۹۵۶

ہنری اول
شاہ مشرقی فرنیک
۹۱۹-۹۳۶

آٹو اعظم
۹۳۶-۹۷۳

جربج

چارلس اقرع
۸۴۰-۸۷۷

چارلس سادہ دل
جنگ سوائسنس میں تباہ ہوا
۹۲۳

لوئس چہارم = جربج
۹۳۶-۹۵۴

لوتھر
۹۵۴-۹۸۶

لوئس پنجم
۹۸۶-۹۸۷
(ہیو کیپٹ اس کا جانشین ہوا)

۳-خاندانِ باربن و باربن آلینز

انیہتونی ڈیوک باربن ع | جین دی البرٹ ملکہ نیویر

ہنری چہارم (۱۵۸۹-۱۶۱۰) ع ۱ مارگریٹ (ویلائس)
۲ میری ڈی ٹڈیسی

لوئس سیزدہم (۱۶۱۰-۱۶۴۳) ع ابن آسٹروی

- لوئس چہاردہم (۱۶۴۳-۱۷۱۵)
  - لوئس ولیعہد (۱۷۱۱*)
    - لوئس ڈیوک برگنڈی (۱۷۱۲*)
      - لوئس پانزدہم (۱۷۱۵-۱۷۷۴)
        - لوئس ولیعہد (۱۷۶۵*)
          - لوئس شانزدہم (۱۷۷۴-۱۷۹۲) (مقتول ۱۷۹۳)
            - لوئس (جسے لوئس ہفدہم کہا گیا ہے ۱۷۹۵*)
          - لوئس ہیژدہم (۱۸۱۴-۱۸۲۴)
          - چارلس دہم (۱۸۲۴-۱۸۳۰)
            - چارلس ڈیوک بیری
              - ہنری کاؤنٹ چیمبارڈ
              - ۱۸۸۳* سلسلہ ختم ہوگیا
    - فلپ ڈیوک آنجو
      بحیثیت فلپ پنجم اسپینی خاندان باربن کا بانی ہوا
- فلپ ڈیوک آرلینز
  - فلپ متولی (۱۷۱۵-۱۷۲۳)
    - لوئس (۱۷۵۲*)
      - لوئس فلپ (۱۷۸۵*)
        - لوئس فلپ (شہیرہ اگیلائٹ مقتول ۱۷۹۳)
          - لوئس فلپ (شاہ فرانسیسیان ۱۸۳۰-۱۸۴۸)
            - فرڈیننڈ ڈیوک آرلینز (۱۸۴۲*)
              - لوئس فلپ کاؤنٹ پیرس (۱۸۹۵*)
                - لوئس فلپ ڈیوک آرلینز - موجودہ مدعی سلطنت خاندان باربن

علہ خاندان باربن لوئس نہم (سنٹ لوئس) کے ایک چھوٹے بیٹے کی اولاد میں سے ہے۔

۴۔خاندان بوناپارٹ

چارلس بوناپارٹ (*۱۷۸۵) ع لیٹیشیا رومیلینو (*۱۸۳۶)

- جوزف شاہ نیپلز ۱۸۰۶ شاہ اسپین ۱۸۰۸ (*۱۸۴۴)
- نپولین اول (۱۸۰۴-۱۸۱۴)
  - ۱- جوزیفائن بیوہانیس
  - ۲- میری لوئس آسٹروی
    - نپولین دوم شاہ روما (بعد میں) ڈیوک ریشٹاڈ (*۱۸۳۲)
- لیوسین (+۱۸۴۰)
- الائس
- لوئس شاہ ہالینڈ (*۱۸۴۶) ع ہارٹینس بیوہانیس (نپولین کی سوتیلی لڑکی)
  - لوئس نپولین شہنشاہ نپولین سوم (۱۸۵۲ و *۱۸۷۳)
    - نپولین (زولولینڈ میں مارا گیا ۱۸۷۹)
- پالائن
- کیرولائن
- جروم۔شاہ وسٹفیلیا (*۱۸۶۰)
  - نپولین (۱۸۹۱)
    - نپولین
    - لوئس

(یہی دونوں خاندان قائم مقام ہیں)

۵- اسپین- اسپینی باربن خاندان

- فلپ پنجم (۱۷۰۰-۱۷۴۶)
  (نبیرۂ لوئس چہاردہم شاہ فرانس)
  - فرڈنیڈ ششم (۱۷۴۶-۱۷۵۹)
  - چارلس سوم (۱۷۵۹-۱۷۸۸)
    - چارلس چہارم (۱۷۸۸-۱۸۰۸)
      - فرڈنیڈ ہفتم (۱۸۱۴-۱۸۳۳)
        - ازبیلا (۱۸۳۳-۱۸۶۸) عل۱ ؛ فرانسس (آس)
          - الفانسو دوازدہم (۱۸۷۵-۱۸۸۵)
            - الفانسو سیزدہم (۱۸۸۶- —)
      - کارلس کے خاندان کے مدعی
        - ڈان کارلس (۱۸۵۵)
          - ڈان کارلس
          - ڈان جوآن
            - ڈان کارلس (۱۸۴۸)

عل۱ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۵ء تک بہت تیزی کے ساتھ مختلف انقلابی حکومتیں ایک دوسرے کے بعد قائم ہوتی رہیں۔

۶۔ پرشیا خاندان ہوہنزولرن

جان سگسمنڈ والئی برینڈنبرگ (۱۶۰۸-۱۶۱۹)۔ (۱) کلیوس و مارک کے علاقہ جات اٹن (۱۶۰۹ء میں) اور (۲) امارت پرشیا (۱۶۱۸ء) میں حاصل کی ہو

جارج ولیم (۱۶۱۹-۱۶۴۰)

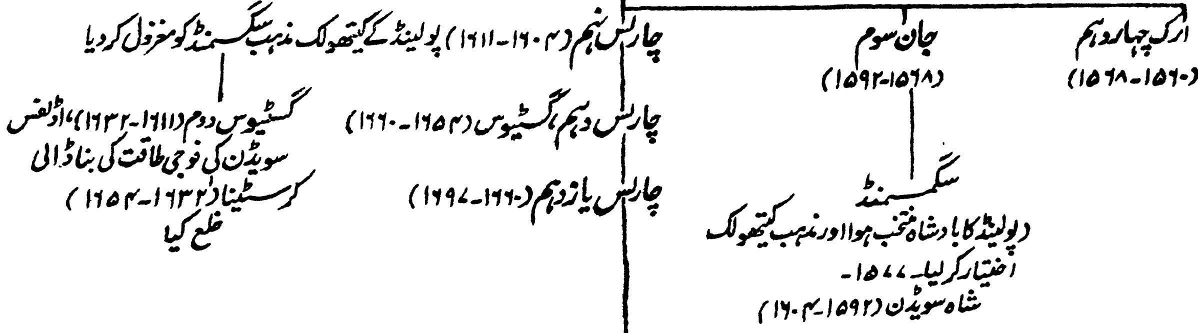
فریڈرک ولیم (۱۶۴۰-۱۶۸۸) والئی اعظم

فریڈرک
- بہ حیثیت والی کے فریڈرک سوم (۱۶۸۸-۱۷۰۱)
- بہ حیثیت شاہ پرشیا کے فریڈرک اول (۱۷۰۱-۱۷۱۳)

فریڈرک ولیم اول (۱۷۱۳-۱۷۴۰)

- فریڈرک دوم (اعظم)
- آگسٹس ولیم (۱۷۵۸ *)
  - فریڈرک ولیم دوم (۱۷۸۶-۱۷۹۶)
    - فریڈرک ولیم سوم (۱۷۹۷-۱۸۴۰) = لوئس (مکسلنبرگ)
      - فریڈرک ولیم چہارم (۱۸۴۰-۱۸۶۱)
      - ولیم اول (۱۸۶۱-۱۸۸۸) ۱۸۷۱ء میں شہنشاہ جرمنی ہوا
        - فریڈرک (از مارچ تا جون ۱۸۸۸ء) = وکٹوریا (انگلستان)
          - ولیم دوم (۱۸۸۸-)

۷- سویڈن - خاندانہائے واسا و واسا، پفلز، زوبرکن



عہ - چارلس سیزدہم نے فرانسیسی مارشل برنیڈوٹ کو اپنا وارث تسلیم کر لیا اور وہ اسکے بعد چارلس چہاردہم کے نام سے اسکا جانشین ہوا۔ برنیڈوٹ کا خاندان ابتک سویڈن میں حکمراں ہے۔

۸- ڈچ ندرلینڈز- خاندان آرنج ناسو

ولیم اول- خاموش (* ۱۵۸۴)

مارس (* ۱۶۲۵)

فریڈرک ہنری (* ۱۶۴۷)

ولیم دوم (* ۱۶۵۰)

ولیم سوم (* ۱۷۰۲) بیری دختر جیمز دوم شاہ انگلستان یہی ولیم انگلستان کا بادشاہ ہوا- (۱۶۸۹-۱۷۰۲)

ولیم سوم نے اس خاندان کے ایک بعید رشتہ دار جان ولیم فریسو کو اپنا جانشین تسلیم کیا ۱۸۰۲ سے ۱۸۴۵ تک اسٹیڈ ہولڈریٹ (بادشاہی) کا وجود نہیں رہا۔

جان ولیم فریسو (* ۱۷۱۱)

ولیم چہارم (۱۷۴۸-۱۷۵۱)

ولیم پنجم (۱۷۵۱-۱۸۰۲ معزول کیا گیا)

ولیم اول- شاہ ندرلینڈز متحدہ (۱۸۱۵-۱۸۳۰) صرف شاہ ہالینڈ (۱۸۳۰-۱۸۴۰)

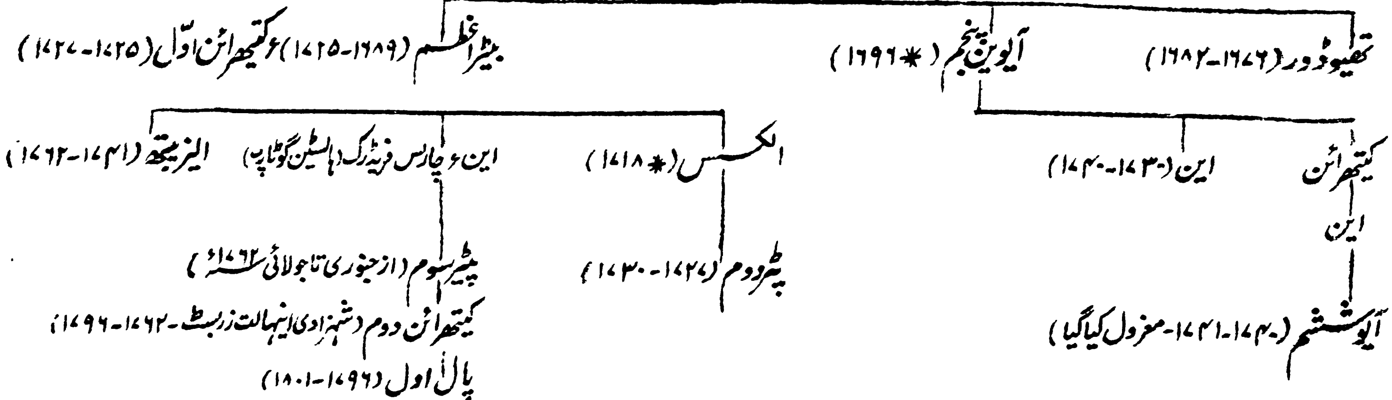
ولیم دوم (۱۸۴۰-۱۸۴۹)

ولیم سوم (۱۸۴۹-۱۸۹۰)

ولہلمینا (۱۸۹۰- ــــ)

(نوٹ، عله ۱۸۰۲ سے ۱۸۱۵ تک ندرلینڈز نپولین کے قبضہ میں رہا تھا۔

۹- روس - خاندانہائے رومانیاف و رومانیا، ہالسٹین گاٹارپ



۱۰۔ انگلستان

ایسیکسن شاہان انگلستان

- اکبرٹ ۸۲۷-۸۳۶
- اتھلولف ۸۳۶-۸۵۷
  - اتھلبالڈ ۸۵۷-۸۶۰
  - اتھلبرٹ ۸۶۰-۸۶۶
  - اتھلرڈ اول ۸۶۶-۸۷۱
  - الفرڈ ۸۷۱-۸۹۹
    - اڈورڈ اکبر ۹۰۰-۹۲۵
      - اتھلسٹین ۹۲۵-۹۴۱
      - اڈمنڈ اول ۹۴۱-۹۴۶
        - اڈگار ۹۵۹-۹۷۵
          - اڈورڈ شہید ۹۷۵-۹۷۸
          - اتھلرڈ (بے صلاح) ۹۷۸-۱۰۱۳ و ۱۰۱۴-۱۰۱۶
            - اڈورڈ تائب ۱۰۴۲-۱۰۶۶
        - اڈوی ۹۵۵-۹۵۸
      - اڈرڈ ۹۴۶-۹۵۵

- نارمن ڈیوک
- رالف
- ولیم دراز شمشیر
- رچرڈ بیخوف
  - ڈینی شاہان انگلستان
    - ایما
    - سوین ۱۰۱۳-۱۰۱۴
    - کینوٹ ۱۰۱۶-۱۰۳۵
      - ہیرلد اول ۱۰۳۵-۱۰۳۹
      - ہارڈی کینوٹ ۱۰۳۹-۱۰۴۲
  - رچرڈ نیکدل
  - رابرٹ شیطان
    - ولیم فاتح (۱۰۶۶ء میں انگلستان پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کرلیا) ۱۰۶۶-۱۰۸۷

انتباہ۔ ڈینی بادشاہوں کے نام خطوط وحدانی میں لکھے گئے ہیں